

محمد بن قاسم

مادق حسین مدیقی



ایکٹ ویکشن تاریخی داستان

محمد بن قاسم

صادق حسین صدیقی



مکتبہ القریش اردو بازار لاہور

98254

جملہ حقوق محفوظ ہیں	
عبدالحفیظ قریشی	ناشر
نیراسد پرنٹرز لاہور	مطبع
کلائمکس کمپیوٹرز	کیوزنگ
600	تعداد
2007ء	سن اشاعت
350/- روپے	قیمت
فون: 7231595-7352835	
مکتبہ القریشی اردو بازار لاہور۔	

ISBN 969-38-0197-0

دو مجت بھرے دل

جزائر سراندیپ کے مسلمان اپنے آباؤ اجداد کے وطن عرب جانے کے لئے ہمہ وقت مضطرب و بے قرار رہتے تھے۔ یوں تو مشرق بعید میں واقع اس خطے میں انہیں ہر طرح سے آرام و سکون حاصل تھا۔ جزائر سراندیپ کے اصل باشندے ان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ کاروبار بھی ان کے اچھے خاصے تھے۔ اس کے باوجود ان کے دل میں یہ ارمان مچلتا رہتا تھا کہ ہم اس دھرتی کا دیدار کریں جس سے ہجرت کر کے ہمارے باپ دادا سراندیپ آئے تھے۔ آخر ان مسلمان باشندوں نے اجتماعی طور پر سراندیپ کے راجہ سے وطن جانے کے لئے اجازت مانگی اور راجہ کے اجازت دے دینے پر عرب جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ دس گیارہ روز کی تیاری کے بعد وہ اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور قافلے کی صورت میں بندرگاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

راستے میں جہاں انہیں رات پڑنی وہ اپنا سامان گھوڑوں سے اتارتے اور خیمے کھول کر آرام کرتے اور صبح پونہ پھٹنے پر پھرے سفر شروع کر دیتے۔ اس طرح کرتے انہوں نے بہت سی مسافت طے کر لی۔ سراندیپ کا راجہ بہت اچھا تھا۔ اس نے ان کے لئے خاص حکم جاری کیا ہوا تھا کہ ان عربی مسلمانوں کو راہ میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ علاوہ ازیں اگر انہیں کسی قسم کی مدد درکار ہو یا کسی شے کی ضرورت پڑے تو فی الفور ان سے تعاون کیا جائے۔

مسلمانوں کے اس قافلے میں ایک نوجوان اسلم بھی تھا۔ اسلم انتہائی خوش شکل اور باکردار جوان تھا۔ قافلے والے اس کے حسن سیرت اور حسن جمالی کی وجہ سے اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ بہادر بھی بے حد تھا۔ دوسری طرف قافلے میں ایک خوب رو دوشینو طاہرہ کی پاکیزگی اور خوبصورتی

کے بڑے پرچے تھے۔ طاہرہ کاسن پندرہ سولہ برس تھا۔ وہ شوخ ہونے کے ساتھ ساتھ سنجیدہ بھی تھی۔

یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ قافلے والوں کو بھی ان کی پاک محبت کا علم تھا۔ لیکن وہ اسے برا نہیں تصور کرتے تھے۔ بلکہ اکثر کی خواہش تھی کہ اسلام اور طاہرہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں۔ اسلام اور طاہرہ نے بھی یہی طے کر رکھا تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد شادی کریں گے۔

یوں تو سفر کے دوران بھی اکثر وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر دل کی پیاس بجھاتے رہتے تھے۔ تاہم جب قافلہ کہیں پڑا اور ڈالتا تھا تو پھر ان کی ملاقات طویل سے طویل ہو جاتی تھی۔ ان کا دل چاہتا تھا یہ رات کی بھی ختم نہ ہو یہ ملاقات کبھی ختم نہ ہو۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کو مثبت بھری نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔ ان کے ہونٹ بند اور آنکھیں کھلی ہوتی تھیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنی پاکیزہ چاہت کا اظہار کرتے تھے۔ تنہا بیٹھے ہونے کے باوجود ان کے خیالات اور جذبات کی شائستگی میں فرق نہیں آتا تھا۔ ان کے معصوم چہرے دیکھ کر لگتا تھا جیسے عورتوں کی زمین پر آرائے ہوں۔ اسلام بھی باتوں میں احتیاط برتنا تھا اور طاہرہ بھی سنبھل کر بولتی تھی۔

اس وقت بھی وہ دونوں قافلے والوں سے ہٹ کر ایک محفوظ جگہ براجمان تھے اور آپس میں پیار بھری باتیں کر رہے تھے۔ قافلے کا یہ پانچواں پڑاؤ تھا اور وہ لوگ آبادی سے کافی دور تھے۔ جزائر سرانڈیپ گرم مرطوب خطہ تھا اس لئے اس پر درختوں کی بھرمار تھی۔ قافلے نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا وہ جگہ بھی گھنے درختوں سے اٹی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رات بہت سیاہ اور تاریک لگ رہی تھی۔

اسلم اور طاہرہ ایک دوسرے سے باتیں کر کے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کے تھک گئے تھے۔ پھر بھی ان کا جی نہیں بھرا تھا۔ خاص کر طاہرہ کی پیاس نہیں بجھی تھی۔ وہ چاہتی تھی یہ رات طویل سے طویل ہو جائے اور وہ یونہی اسلم سے باتیں کرتی رہے جب کہ اب پو پھٹنے والی تھی اور اسلم چاہتا تھا کہ واپس خیمے میں جا کے نماز ادا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے طاہرہ کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرنا شروع کر دی۔

خونک ہاتھی

حوروش طاہرہ سہی ہوئی اسلم کے شانے سے لگی کھڑی تھی۔ اسلم اس بت طنناز کو دیکھ رہا تھا۔ حسن کی دنیا میں مسرت کا جھولا جھول رہا تھا۔ اسے خراب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ طاہرہ کسی وقت بے ساختہ پن کے انداز سے اس سے لپٹ جائے گی۔ وہ بھول گیا کہ طاہرہ ڈر رہی ہے۔ اور اس وقت اس کی دلہہ ہی کرنے کی ضرورت ہے۔ طاہرہ نے خوفزدہ نگاہیں اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ چلو اسلم اب خیمہ پر چلو۔

اب اسلم کچھ ہوش میں آیا اور اس نے دلہہ کے لہجہ میں کہا۔ مت ڈرو طاہرہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔ طاہرہ نے کہا۔ ہاتھی چنگھاڑ رہا ہے۔ یہ جانور بڑا موذی ہے۔ میرا کلیجہ مارے دہشت کے دہک دہک کر رہا ہے۔ او بس اب چلو۔

چونکہ اب اسلم اچھی طرح اپنے حواس میں آ گیا تھا۔ اس لئے وہ سمجھ گیا کہ طاہرہ ڈر رہی ہے۔ اس نے کہا اچھا چلو طاہرہ!۔

دونوں چلے لیکن طاہرہ اب بھی اس کے شانے سے لگی ہوئی چل رہی تھی دونوں چلتے رہے اور سامنے کی چٹان عبور کر کے دوسری طرف پہنچے۔ اس طرف بہت سے خیمے نظر آئے۔ جو چاندنی میں سفید سفید سے چمک رہے تھے۔ بعض کے سامنے انکار سے پڑے دہک رہے تھے۔ ان خیموں کے قریب پہنچ کر طاہرہ اسلم سے الگ ہو گئی اور جب دونوں خیموں کے حصار میں داخل ہوئے تو وہ "شب بخیر" کہہ کر آگے بڑھی اور ایک خیمہ کی طرف چلی گئی!

اسلم بڑھا چلا گیا اور چند خیموں کے سامنے سے گزر کر ایک بلند اور عالی شان خیمہ پر پہنچا۔ اس خیمے کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی اور ایک ادھیڑ عمر کی عورت آگ کے سامنے بیٹھی تھی اس نے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کہاں چلے گئے تھے بیٹا! میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوئی کھا رہی تھی۔

یہ عورت اسلم کی والدہ تھی۔ اس نے کہا۔ امی جان! میں اس سامنے والی چٹان کے دوسری

طرف چلا گیا تھا۔ اس کی والدہ کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے کہا۔ یہ پہاڑ ہے اس پر کئی قسم کے جانور رہتے ہیں تم کو نہانا یا ناچا بیٹے تمہا کم از کم تلوار ہی سے جلتے۔

اسلم غلطی ہوئی امی جان آئندہ نہتانا جایا کروں گا؟

حلیمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آئندہ جانے کی نوبت ہی نہ آئے گی ہم نے زیارت تو کر ہی لی ہے۔ اب خیر سے علیٰ لصباح روانہ ہو جائیں گے دیکھو عشا کی اذان ہو رہی ہے جاؤ نماز پڑھ آؤ۔

اس وقت اذان کی آواز آ رہی تھی۔ اسلم نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا۔ یہ قافلہ جو جزیرہ سراندیپ کے کوہ آدم پر ٹھہرا ہوا تھا ان مسلمانوں کا تھا۔ جو حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں ملک ہندو سندھ میں بغرض تجارت آئے تھے اور وہاں سے واپسی پر چند خاندان سراندیپ میں رہ گئے تھے۔ یہ لوگ ان تاجروں کی اولاد تھے اور اب وطن واپس جا رہے تھے۔ وطن جانے سے پہلے وہ اس پہاڑ کی زیارت کرنے آئے تھے جس پر حضرت آدم ستوا سال تک رہے تھے۔ کئی روز سے یہ قافلہ مقیم تھا اور اب صبح کوچ کا انتظام کر چکا تھا۔

اسلم ایک کھلی ہوئی جگہ پہنچا۔ جہاں ایک چشمہ رواں تھا۔ جو چٹان کے اوپر سے بہتا آرہا تھا۔ چشمے کے کنارے پر بہت سے بڑھے جوان اور بچے جمع تھے اور سب وضو کر رہے تھے۔ اسلم بھی وضو کرنے لگا۔ وضو کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر واپس خمیوں کے پاس آئے۔ اس وقت عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں۔ بعض پڑھ چکی تھیں۔ جب رات زیادہ آگئی تو یہ سب سو گئے اور صبح بہت سویرے بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے۔ نماز سے فارغ ہو کر خیمے اکھاڑ اکھاڑ کر خچروں اور گھوڑوں پر لادے اور سب گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے۔ اس قافلے میں بیس مرد اور بارہ عورتیں دس نو عمر لڑکیاں سولہ بچے تھے۔ گویا کل پچاسی افراد تھے سب نہایت خوش تھے۔ وطن جانے کی خوشی ہر شخص کو تھی۔ جو ش مسرت میں یہے جا رہے تھے۔

پہاڑ سے اتر کر یہ لوگ ساحل سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ دوپہر تک چلتے رہے۔ جب آفتاب سر پر آ گیا تو انہوں نے قیام کر دیا۔ بقیہ دن اور ساری رات ٹھہرے رہے۔ اگلی صبح کو پھر چل پڑے اور دوپہر کے قریب سنگونا کے درختوں کے جنگل میں پہنچ گئے۔ اس زمانہ میں سنگونا کے درختوں کو کاٹ کر ایندھن یا عمارت کے کام میں لایا جاتا تھا اور آج کل اس درخت سے "کوہن" بنائی جاتی ہے۔ جو لیریا کے بخار والوں کو دی جاتی ہے۔

دوسرے روز یہ لوگ پھر چلے اور ناریلوں کے اونچے اونچے گتجان درختوں کے جنگل میں جاتے۔ ان درختوں پر ناریل لگے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ تمام جنگل سراندیپ کے مہاراجہ کی ملکیت تھا اور یہ مسلمان مہاراجہ کے مہمان تھے اس لئے انہوں نے بہت سے ناریل توڑ کر ذخیرہ کر لئے۔ اگلی صبح کو پھر روانہ ہوئے اور ناریل کے درختوں کے جنگل میں گھسے چلے گئے۔ ناریل کے درخت نہایت بلند تھے ان پر وہی شخص چڑھ سکتا تھا جو کہ درختوں پر چڑھنے میں مشتاق ہو۔

تقریباً تین گھنٹے تک تو یہ لوگ نہایت اطمینان سے چلتے رہے لیکن جب آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا۔ تو انہوں نے ہاتھیوں کا ایک غول دیکھا جس میں پندرہ بیس ہاتھی تھے اور وہ اپنی لمبی لمبی اور مضبوط سونڈوں سے درختوں کو جھکا جھکا کر توڑ رہے تھے۔

سراندیپ میں ہاتھی کثرت سے ہوتے ہیں اتنی کثرت سے کہ شکاری ایک دو ہاتھیوں کو ہر روز مار سکتا ہے۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان ہاتھیوں کو دیکھ کر بھڑکنے لگے اور انہیں دیکھ کر مسلمانوں پر بھی خوف طاری ہو گیا۔

ہاتھی ایسا شیر جانور ہے کہ جب کسی انسان، جانور یا چیز پر حملہ کرتا ہے تو اسے پامال کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ بڑے بڑے تناور درختوں تک کو جڑ سے اکھاڑ کر گرا دیتا ہے۔ ہاتھیوں کو دیکھتے ہی مسلمانوں نے راستہ بدل دیا۔ عورتیں اور بچے آگے چلے اور مردان کے پیچھے ہوئے۔ یہ لوگ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ شاخوں کے ٹوٹنے اور درختوں کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ انہوں نے جب گھوم کر دیکھا تو ہاتھیوں کا لشکر شاخوں کو توڑتا درختوں کو گراتا ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ سامان تھا بچے تھے۔ عورتیں نہیں اس لئے ان کا وہاں سے گھوٹے بھگا کر نکل جانا غیر ممکن تھا۔ ان میں جتنے بھی مرد تھے وہ سب ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ صرف دو جوان عورتوں بچوں اور سامان کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

ہاتھی درختوں کو تباہ و برباد کرتے سونڈیں اٹھائے مسلمانوں کو پامال کرنے کے لئے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ مسلمان نیزے لے کر کھڑے ہو گئے تھے ان میں اسلم بھی تھا مگر جب ہاتھی اور قریب آگئے اور گھوڑوں نے ان میں پہاڑیوں کو دیکھا تو خوف سے کانپنے اور بدک بدک کر لپ

اے جب مسلمان سراندیپ میں آئے تھے تو مہاراجہ نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی تھی چنانچہ مسلمانوں کے چند قبیلے رہ گئے اور وہ اپنی قبیلوں کی اولاد تھے جو راجہ سے اجازت لیکر وطن جا رہے تھے (ازماینج ہند ص ۱۰۱)۔

ہونے لگے۔ مسلمان سمجھ گئے کہ اگر وہ گھوڑوں پر سوار رہے تو ہاتھیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس لئے وہ اتر اتر کر کھڑے ہو گئے اور دو آدمی گھوڑوں کو وہاں سے دور ہٹانے گئے۔ ہاتھی کچھ اس طرح سے بھاگے چلے آ رہے تھے جیسے وہ ہر اس چیز کو پامال کر دیں گے جو ان کے سامنے آجائے گا۔ ایک ضعیف العمر نے کہا مسلمانو! شاید نیزیوں سے ہاتھیوں کا مقابلہ نہ ہوسکے!

ایک نوجوان نے دریافت کیا۔ پھر کیا کرنا چاہئے؟

ضعیف العمر۔ ابھی ہاتھی دور ہیں ان کے سونڈوں اور مستکوں پر تیر مارو!

ایک اور بڑھے نے کہا۔ نہایت مناسب تدبیر زمین میں آٹا ہے۔ اگر دو چار ہاتھی مجروح ہو گئے تو شاید سب لوٹ جائیں۔

تدبیر موزوں اور مناسب تھی اس لئے سب نے پسند کی اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انھوں نے جلدی جلدی نیزی زمین پر ڈال دیئے اور کانیں لے لے کر ان میں تیر جوڑے چلے کھینچے اور پوری قوت سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ ان میں سے اکثر تیر ہاتھیوں کے جسموں میں ترازو ہو گئے اور ہاتھی زخمی ہو کر پورے غصے کے ساتھ تیزی سے دوڑ کر حملہ آور ہوئے۔ لیکن ابھی وہ دور ہی تھے کہ مسلمانوں نے پھر تیر برسائے اور پھر ہاتھی زخمی ہوئے۔

اب ہاتھی جوش و غضب میں بھر گئے اور بچھنکا دیں مارتے ہوئے اپنی سونڈوں کو ہلاتے ہوئے اور بھی تیزی سے چھپے۔ جس زور و شور سے وہ آ رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آتے ہی مسلمانوں کو مسل ڈالیں گے۔

مسلمانوں نے بھی اس بات کو سمجھ لیا تھا چونکہ ہاتھی اس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان پر اب تیروں کا اثر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے جلدی جلدی کانیں شانوں پر ڈالیں اور نیزی سے اٹھا اٹھا کر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ بگڑا ہوا ایک ہاتھی بھی نہایت خطرناک ہوتا ہے اور وہاں تو بہت سے ہاتھی تھے پھر وہ غضب ناک ہوئے پھوٹے پھوٹے درختوں کو گراتے مسلتے دوڑتے چلے آ رہے تھے مگر مسلمانوں پر ہر اس طاری نہ ہوا۔ وہ نہایت استقلال اور بڑے اطمینان سے نیزی سے تانے کھڑے تھے۔ اتفاق سے ایک ہاتھی نے سب سے پہلے اسلم پر حملہ کیا وہ بھی تیار تھا اس نے نہایت بھرتی سے اور بڑی قوت سے اس کی آنکھ پر نیرہ مارا۔

نیرہ کی انی آنکھ پھوڑ کر دماغ میں گہسی چلا گئی۔ ہاتھی نے ایک نہایت خوفناک چیخ ماری اور پشت پھیر کر بے تماشا بھاگا۔ نیرہ کچھ ایسا پوست ہو گیا تھا کہ اسلم کے بہت کچھ کوشش

کرنے پر بھی نہ نکل سکا۔ بالآخر نیرہ اسے چھوڑنا پڑا۔ اب اسلم نے تلوار کھینچ لی اور چھبٹ کر دوسرے ہاتھی پر حملہ کیا۔ تلوار کاری پڑی۔

ہاتھی کی سونٹ کٹ کر دور جا گری۔ وہ بھی چنگھاڑ مار کر بھاگا۔ ان متواتر دو ہاتھیوں کے بھاگنے سے ہاتھیوں کا جوش و غضب سرد پڑ گیا اور ان پر خوف طاری ہو گیا اور نہر مسلمانوں نے نیروں اور تلواروں سے انہیں زخمی کرنا شروع کر دیا دو تین ہاتھیوں کی سونٹیں اور کٹ گئیں اور وہ بھی پیچھے پھیر کر بھاگے :-

ان کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی لوٹ کر بھاگ پڑے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں نیروں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ہاتھیوں پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔

چونکہ وہ نہایت بدحواسی سے بھاگ رہے تھے۔ اس لئے درختوں سے ٹکرا کر جاتے تھے۔ اکثر ہاتھی تو بھاگتے بھاگتے گر پڑے اور مسلمانوں نے انہیں اس قدر مجروح کیا کہ ان میں اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ رہی۔ جب میدان صاف ہو گیا تب مسلمان لوٹے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل کر قافلہ سے مل گئے :-



”نیلکوں سمندر“

جزیرہ سرانڈیپ میں ہاتھیوں کی اس قدر افراط ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس کے گروہ ہر جنگل میں اور ہر طرف پھرتے رہتے ہیں چونکہ مسلمانوں کو بھی وہاں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا تھا۔ اس لئے وہ اس بات کو خوب جانتے تھے لیکن مسلمان سوائے خدا کے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا اس لئے انھیں ان سے مطلق بھی کوئی خدشہ نہ تھا۔ وہ حملہ آور ہاتھیوں کو بھگا کر قافلے سے جا ملے تھے۔ غرض قافلہ دن کو دوپہر تک چلتا رہا اور باقی دن اور تمام رات قیام کرنا بلکہ ہمارا... اور اسی طرح سے سفر کرتے کرتے ساحل سمندر پر جا پہنچا یہاں پہلے ہی سے ایک جہاز لے جانے کے لئے تیار کھڑے تھے یہ جہاز جزیرہ سرانڈیپ کے مہاراجہ نے فراہم کئے تھے۔ ہمارے ناول کا آغاز ۹۳ھ سے ہوا ہے اس وقت ولید بن عبدالملک خلیفہ تھا نہایت پر جوش بہادر اور مسلمانوں کا خیر طلب سلطان تھا۔ چونکہ اسلامی سلطنت بہت کچھ وسیع ہو گئی تھی۔ حجاز، عراق، عجم، شام، مصر، نجد، یمن، افغانستان، ایران اور افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ اس لئے خلیفہ نے ہر ملک میں ایک گورنر یا صوبہ دار مقرر کر کے چند صوبے داروں پر ایک ایک وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح سے نظام مملکت نہایت معقول ہو گیا تھا اور ہر صوبہ دار اپنے صوبہ میں صرف امن و امان ہی نہ رکھتا تھا۔ بلکہ ملحقہ ممالک کے فرمانرواں کو بھی امن سے رہنے کی تاکید کرتا تھا۔ اگر کوئی بد بخت ہمسایہ بادشاہ اسلامی سلطنت کی حدود پر حملہ آور ہوتا تھا تو اس کی اچھی طرح سے گوشمالی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اسلامی حکومت کا ودبیرہ چار و انگ عالم پر چھایا ہوا تھا۔ اور ہر ہمسایہ فرمانروا مسلمانوں کو خوش رکھنے کی سعی کرتا تھا۔ نہ صرف سلطان اور خلیفہ ہی کو بلکہ وائسرائے اور گورنر تک کو بھی۔

اس زمانہ میں بلا و مشرق کا وائسرائے حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔ نہایت دلیر و مدبر شخص اور پر جوش مسلمان تھا اس کے ہیبت و ودبیرہ سے دور دور تک کے بادشاہ لرزتے اور کاٹتے تھے۔ سرانڈیپ کے مہاراجہ نے وائسرائے اور خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان جہازوں

لے تاریخ اسلام (صادق صدیقی)

میں تحالت غلام اور سرانڈیپ کی حسین و نوزخیز لڑکیوں کو بطور کنیز دیکے مسلمانوں کی خدمت کرنے کے لئے سوار کر دیا تھا۔ انتظار صرف ان مسلمانوں کی آمد کا تھا چونکہ مسلمان کوہ آدم کی زیارت کرنے کیلئے گئے ہوئے تھے اس لئے جہاز اور جہازوں پر سوار ہونے والے ان کے منتظر تھے جب یہ لوگ آگئے تو انہیں جہازوں پر سوار کر کے ایک روز صبح ہوتے ہی جہازوں نے ننگراٹھائے اور آہستہ آہستہ سمندر کو چیرتے ہوئے جہاز کیا تھی بڑی بڑی کشتیاں تھیں بادلوں کے سہارے سے سمندر کو طے کرتی تھیں ان جہازوں پر اسلامی علم لہرا دیئے گئے تھے۔

جس سے دور ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلامی جہاز ہیں اور مجاہدین اسلام ان میں سوار ہیں۔ چونکہ ہلکے جہاز تھے اس لئے نہایت سبک سہی سے سطح سمندر پر چلے جا رہے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا مسلمان اذان کہتے اور ہر جہاز میں جماعت سے نماز پڑھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے خدا کی توحید کی منادی جنگل میں پہاڑ پر آبادی میں ویرانے میں سمندر میں اور خشکی پر کی ہو۔ اول تو توحید دوسرے مذاہب میں ہے ہی کہاں۔ عیسائیوں نے ایک خدا کے تین خدا بنا لئے ایک خدا۔ دوسرے خدا کا بیٹا حضرت عیسیٰ (تیسرے حضرت روح القدس (جبرائیل) :-

ہندوؤں میں توحید کا نام بھی نہیں۔ وہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور ہر دیوی یا دیوتاؤں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ ایشور (خدا) ہی دیوتا بن کر آیا ہے۔ بدھ مذہب والے سب کچھ بدھ جی ہی کو مانتے ہیں۔ زرتشتی آگ کو ہی خدا کا نور سمجھ کر پوجتے ہیں بغرض کہ ہر مذہب فریب توحید میں پھنسا ہوا ہے۔ توحید کا دعویٰ کرتا ہے مگر موحد ایک بھی نہیں سوائے اسلام کے!

دنیا میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو حقیقی توحید کا حال اور خدا پرستی کا مبلغ اعظم ہے اور مسلمان ہی خدا کی وہ مخلوق ہے جو دنیا کے چپے چپے پر خدا کا نام پکارتی ہے اور پکارتی رہی ہے عیسائی ناز کے وقت کا اعلان گھنٹہ بجا کر کرتے ہیں۔ ہندو عبادت سے پہلے گھنٹے یا سنگھ بجاتے ہیں لیکن مسلمان ہر ناز کا اعلان خدا کی الوہیت سے کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے جہاز سرانڈیپ سے روانہ ہو کر چلے جا رہے تھے۔ رات اور دن چلتے رہتے تھے۔ وہ بندر سعید پر پہنچنا چاہتے تھے۔ ایک رات کو جب کہ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا اور چاندنی نے سمندر کے نیلے پانی پر سفید چادر بچھا دی تھی۔ اسلم ایک تختہ پر بیٹھا ہوا سمندر میں جھانک رہا تھا۔

جس طرح آسمان پر چاند چمک رہا تھا اسی طرح سے زیر آب ایک آسمان اور اس میں ایک چاند تیرتا نظر آ رہا تھا۔ آج ہوا ساکن تھی اور سمندر خاموش تھا ابھی اسلام کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ طاہرہ آگئی۔ وہ کھڑی ہو کر اسلام کو دیکھتی رہی اس کے نازک لبوں پر تبسم لوٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں شوخیاں جھوم رہی تھیں۔

اسلم کچھ ایسا نمودار ہو رہا تھا کہ اسے طاہرہ کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ جس شان سے بیٹھا تھا۔ اسی سے بیٹھا تھا۔ اسی سے بیٹھا تھا۔ کچھ وقفہ کے بعد طاہرہ نے دلفریب لہجہ میں کہا: تم سمندر میں جھانک کر کیا دیکھ رہے ہو؟

اسلم چونک پڑا اس نے خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر سروس طاہرہ کو دیکھا! دیکھا رہا اس کے رخ اور پرنظریں جائے تکتا رہا۔ گویا وہ خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر حسن کی گہرائیوں میں کھو گیا تھا۔

کچھ وقفہ کے بعد سنبھلا اور کہا کون طاہرہ! خوب ہوا تم آگئیں۔ طاہرہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ اس نے کہا دیکھو اس وقت چاندنی کینا ٹور برسار رہی ہے۔

اسلم۔ مگر زیر آب ایک اور ہی تماشا ہو رہا ہے؟

طاہرہ نے سمندر کی طرف جھکتے ہوئے کہا! کیا!

اسلم۔ چاند پانی کی تہ کے نیچے ایسا چمک رہا ہے جیسے کسی حسین کا تابناک چہرہ آب رواں کے نقاب کے نیچے جگمگایا کرتا ہے!۔

طاہرہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے نگاہ ناز سے دیکھ کر کہا۔ یہ تم میں شاعرانہ خیالات کب سے پیدا ہوئے ہیں؟

اسلم نے بے ساختگی کے انداز سے کہا۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے طاہرہ!

طاہرہ شرمائی۔ شرم نے اس کے چہرے کو اور بھی دلفریب بنا دیا۔ اسلم کی نگاہیں اس کی چاند سی صورت پر جمی ہوئیں تھیں اس نے طاہرہ کو خاموش دیکھ کر کہا!

طاہرہ! حقیقت یہ ہے کہ میری دنیا سے آرزو صرف تمہاری ذات تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔

طاہرہ کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کسی قدر سہمگیاں نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اسلم! کیا تم مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو؟

”طوفان“

اسلم اور طاہرہ دونوں حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔ تیز ہوا کے چلنے سے رات کا قدرتی سکوت ٹوٹ گیا تھا۔ طاہرہ نے اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیسا شوق ہونے لگا ہے یہ؟ اسلم نے جواب دیا۔ شاید ناخندانے کوئی خوف ناک چیز دیکھی ہے۔

طاہرہ۔ کیا چیز ہوگی وہ؟

اسلم۔ کوئی خوف ناک مچھلی یا بحری قزاقوں کا کوئی جہاز!

طاہرہ۔ ممکن ہے ناخندانے بحری ڈاکوؤں کا کوئی جہاز ہی دیکھا ہو!

اسلم۔ لیکن اگر جہاز دیکھا ہوتا تو تمام مسلمان مسلح ہونے لگتے!

طاہرہ۔ یہ ٹھیک کہتے ہو۔ شاید کوئی اور ہی بات ہے آؤ چل کر دیکھیں تو!

اسلم۔ چلو دیکھیں!

دونوں اٹھے اور ناخندانے کی طرف چلے۔ اب ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی اور بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر چھانے لگے تھے۔ چاند بھی سپہ بادلوں کے نیچے چھپ گیا تھا۔ چاندنی سمت سمت کورغائب ہو گئی تھی اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ تمام مسلمان جہاز کے صحن میں کھڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اسلم نے کہا۔

طاہرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طوفان آنے والا ہے!

طاہرہ۔ طوفان؟ سنا ہے کہ سمندر کا طوفان نہایت خوف ناک ہوتا ہے!

اس وقت ایک سرانڈیپ کی رہنے والی لڑکی جو کنیزیوں کے زمرہ میں تھی۔ ان کے پاس آگئی۔ وہ سخت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ اس نے طاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

”سمندر کا طوفان بڑا ہلاکت خیز ہوتا ہے!“

طاہرہ۔ خدا فضل کرے گا!

لڑکی - ایشور (خدا) کچھ بھی نہ کر سکے گا!

طاہرہ نے حیرت سے لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیوں؟
 لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس لڑکے کہ اندرجی مہاراج کسی وجہ سے
 ناخوش ہو گئے ہیں۔ باد و باران ان کے ہی قبضے میں ہے اور انھوں نے ہی یہ طوفان بھیجا ہے۔
 طاہرہ مسلمان لڑکی تھی۔ ہر مسلمان ہر بات خدا کی طرف سے سمجھتا اور جانتا ہے۔ خدا کی
 قوت تمام قوتوں سے بالاتر مانا ہے اسے یہ سن کر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا۔ اس
 نے کہا ایسی باتیں نہ کرو اس سے خدا کی توہین ہوتی ہے اور ایک مسلمان اسے کبھی برداشت
 نہیں کر سکتا۔ خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

لڑکی - مگر طوفان اندرجی مہاراج نے اٹھایا ہے اور وہی اسے دُور کر سکتے ہیں۔
 طاہرہ - نہیں سوچو جب ہر چیز خدا (ایشور) کی پیدا کی ہوئی ہے تو وہی سب پر
 قادر ہے۔ کوئی چیز بغیر اس کے حکم کے حرکت نہیں کر سکتی۔

لڑکی - تم مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے۔ مگر ہم ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوتاروں
 کو بھی بڑی قوت حاصل ہے اور وہ اس قوت سے جب چاہیں دنیا والوں کو پریشان
 و دق کر سکتے ہیں۔

طاہرہ - لیکن اگر تمہارا ایشور نہ چاہے! تب بھی؟

لڑکی - ہاں تب بھی! ہمارے دیوی اور دیوتا بڑے غصہ و ر ہوتے ہیں۔ جب کسی سے
 ناخوش ہو جاتے ہیں تو اسے تباہ کئے بغیر نہیں چھوڑتے اسی وجہ سے ہم ان سے ڈر کر انہیں
 خوش رکھنے کے لئے ان کی پوجا کرتے ہیں۔

طاہرہ - افسوس کس قدر غلط خیال ہے۔ تمہارے دیوی۔ دیوتا اور رسول پیغمبر سب خدا کے
 قبضہ اختیار میں ہیں۔ بغیر اس کی مرضی کے خود کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اگر تم دیوی دیوتاؤں کی پرستش
 کے بجائے خدا کو پوجو تو کیا اچھا ہے؟

لڑکی کو اطمینان نہ ہوا اور وہ وہاں سے چلی گئی۔ طاہرہ اور اسلم دونوں برسہا برسہا خدا کے پاس
 پہنچے۔ اس وقت اس کے پاس بہت سے مسلمان کھڑے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ جی ہاں سخت
 طوفان کے آنے کا خدشہ ہے کیونکہ ہوا کے تھپیڑوں سے سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں ہیں۔
 ہلکے جہاز زبردست موجوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

ایک بڑھے مسلمان نے کہا۔ خیال تو میرا بھی یہی ہے مگر
 پھر کیا کرنا چاہئے!

ناخدا۔ میرے خیال میں تمام جہازوں کو زنجیروں سے جکڑ کر بیڑا بنا لینا چاہئے!
 اسلم۔ یہ تدبیر نہایت مناسب ہے۔

تمام جہاز آگے پیچھے ایک قطار میں جا رہے تھے۔ یہ جہاز جس پر اسلم اور طاہرہ تھے
 سب سے آگے تھے۔ ناخدا نے جہاز کی رفتار کم کر دی۔ اس کی رفتار کم ہوتے دیکھتے ہی تمام
 جہازوں کی رفتار کم ہو گئی اور آخر کچھ دور چل کر تمام جہاز رک گئے۔ جہازوں سے تیز ہوا اور بادلوں
 کی آمد کو طوفان کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے اور اس لئے قریب قریب سب پریشان ہو رہے تھے۔
 پریشان ہونے کی وجہ بھی تھی۔ جہاز سمندر میں تیر رہے تھے۔ جس طرف اور جہاں تک
 نظر جاتی تھی۔ پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا۔ گویا اوپر آسمان تھا اور نیچے پانی۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔
 کوہ پیکر موجیں اٹھنے لگی تھیں۔ جہاز ہلکے ہونے کی وجہ سے موجوں کے رحم و کرم پر تھے۔ ذرا
 سی دیر میں اُلٹ سکتے تھے۔

پہلے جہاز کے ناخدا نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے کہہ دیا کہ چار
 چار جہازوں کی دو قطاریں بنا کر ایک جہاز کو دوسرے سے زنجیروں میں جکڑ کر بیڑا بنا لو۔
 تاکہ تمام جہاز مل کر طوفان کا مقابلہ کر سکیں۔

چنانچہ فوراً چار جہاز آگے بڑھ آئے اور چار ان کے پیچھے ہو گئے اور اس طرح سے آٹھ
 جہازوں کی دو قطاریں کر کے سب کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ جس وقت ان جہازوں کو ملایا۔
 اور زنجیروں سے کسا جا رہا تھا اس وقت ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی اور کالے بادلوں نے گھٹا
 ٹوپ اندھیرا کر دیا تھا۔ اب سمندر حد درجہ خوف ناک ہو گیا۔ سمندر کے نیلے پانی کا رنگ بالکل
 سیاہ ہو گیا تھا اور آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ ہر طرف سیاہی چھا گئی تھی۔ ہر جہاز
 میں معمولی قسم کے کمرے تھے جو اس قدر تنگ تھے کہ ان میں سے ہر ایک میں دو دو اور تین تین
 آدمی ہی رہ سکتے تھے۔ چونکہ طوفان کے زور و شور سے آنے کی توقع تھی اس لئے بچوں اور
 عورتوں کو کمروں میں بھیج دیا گیا تھا۔ طاہرہ بھی چلی گئی تھی اور مرد سب جہاز کے صحن میں کھڑے
 رہ گئے تھے۔ اب آہستہ آہستہ جہازوں کو چپلانا شروع کر دیا گیا تھا۔ جو پانی کو پیرتے تاریکی
 کے پردے چاک کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

ہوا دم بم تیز ہوتی جاتی تھی بادل گرہنے اور بجلی چمکنے لگی تھی۔ بجلی کی روشنی میں اونچی اونچی اٹھنے والی پانی کی لہریں نظر آرہی تھیں ان لہروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ خاموش سمندر میں طوفان آہی گیا ہے۔ اس وقت ہر ایک شخص بدعینان تھا اور ہر ہندو اپنے دیوتاؤں سے طوفان دور کرنے کی التجا کر رہا تھا اور ہر مسلمان خدا سے دعا مانگ رہا تھا۔ بادل اس زور سے کڑک رہا تھا کہ دل دہل جاتا تھا۔ بجلی بھی چمک رہی تھی اور ہوا کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔ موجیں جلد جلد اونچی اونچی اٹھ اٹھ کر جہازوں سے ٹکرا رہی تھیں اور جہاز خزاں سیدہ پتو کی طرح کانپ رہے تھے۔ اب بوندیں بھی پڑنے لگی تھیں اور تمام لوگ جو جہازوں کے صحنوں میں کھڑے تھے کمروں کے اندر جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بھوڑی ہی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک ہوا کی سنسناہٹ پہلے سے زیادہ تیز ہو کر نہایت خوف ناک ہو گئی تھی۔ ہر کڑک کے ساتھ بجلی چمکتی تھی اور بجلی کے چمکنے سے سارا آسمان روشن ہو جاتا تھا۔ آسمان کے روشن ہوتے ہی دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو کر بند ہو جاتی تھیں۔ آج خلافت معمول مطلع صاف ہونے پر رات کے وقت اچانک طوفان اپنی پوری ہلاکت خیزوں کے ساتھ حملہ آور ہو گیا تھا۔

بچے خوف و دہشت سے کانپ کانپ کر اپنی ماؤں کی گودوں میں چھپے بیٹھے تھے اور جن بد نصیبوں کی مائیں نہ تھیں وہ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ اس قافلے کے ساتھ بہت سے ایسے بچے تھے جن کے والدین انتقال کر چکے تھے اور وہ ان مسلمانوں ہی کو اپنے ماں باپ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی انہیں بالکل اپنے بیٹوں ہی کی طرح سے سمجھتے تھے۔ وہ کبھی ان کے دلوں کو میلانہ ہونے دیتے تھے۔ انہوں نے قرآن شریف اور احادیث مقدسہ میں پڑھا تھا کہ یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر پیار و محبت سے ہاتھ پھیرتا ہے تو خدا اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ یتیموں کی مدارات اپنے بچوں سے زیادہ کرتے تھے۔

چنانچہ اب بھی عورتوں اور مردوں نے سہمے ہوئے یتیم بچوں کو اپنے سینوں سے لگا لیا تھا۔ آج ہم مسلمان یتیم بچوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے اس طرح بچکر نکلنے کی کوشش کرتے

ملہ از ابن اثیر

ہیں جیسے کہ وہ قابل نفرت مخلوق ہیں۔ نہیں جانتے کہ ہماری ان حرکتوں سے خدا ناخوش ہوتا ہے اور
مفت میں ہمارے اعمال نامے سیاہ ہوتے جاتے ہیں۔

مسلمانوں خدا سے ڈرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ کل ہمارے بچے بھی یتیم ہو جائیں۔ آج جیسا سلوک
ہم دوسرے یتیم بچوں کے ساتھ کرتے ہیں اگر کل ایسا ہی سلوک مسلمان ہمارے بچوں سے کریں تو
کیا ہماری روح کو صدمہ نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان ہر یتیم بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھنے اور ان کے ساتھ
بھی ایسا ہی سلوک کرے جیسا اپنے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

ایسا کرنے سے خدا اور خدا کا رسول دونوں خوش ہوں گے اور ان دونوں کی خوشی
جنت میں لے جائے گی۔ ہر مسلمان کا یہی ماحصل زندگی ہے۔

طوفان کے زور و شور میں بھی جہاز برابر چل رہے تھے۔ چونکہ وہ کوہ شکن موجوں
کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ اس لئے ان کی رفتار بہت کم تھی۔ رفتہ رفتہ رات
زیادہ ڈوبتی چلی گئی۔ مگر جوں جوں رات زیادہ آتی جاتی تھی۔ طوفان کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔
بادل کی گرج اور بجلی کی چمک ہو کا زور اور پائش کا شور بول پلا رہا تھا۔

نا خدا کی یہ تدبیر کار گیر ہو گئی کہ اس نے تمام جہازوں کو ایک دوسرے سے جکڑ دیا تھا۔
اس طرح سے تمام جہاز اس وقت تک بچے ہوئے تھے۔ اگر الگ الگ ہوتے تو شاید ان
میں سے ایک بھی باقی نہ بچتا اور سب کے سب بچکر لے کھا کر ڈوب جاتے۔

خدا خدا کر کے آدھی رات کے بعد طوفان کا زور کم ہوا۔ ہوا رک گئی۔ بادل چھٹ گیا۔ بجلی
کی کڑک اور چمک بند ہو گئی۔ بخور طوسی ہنی دیر میں مطلع صاف ہو گیا۔ چاند نظر آیا۔ پھر چاند نے
سمندر اور جہازوں پر سفید چادر بکھادی۔

اب لوگوں کو اطمینان نصیب ہوا اور وہ نہایت اطمینان سے پڑ پڑ کر سو گئے۔ صبح جب
بیدار ہوئے۔ تو جہاز خشکی کے برابر چل رہے تھے۔ کچھ دور چل کر نا خداؤں نے جہازوں کے
لنگر ڈلوا دیئے اور یہ بحری بیڑا رک کر کھڑا ہو گیا۔

مسلمان نہیں جانتے تھے کہ اس وقت جہاز کس ساحل پر آگئے ہیں اس لئے ان میں سے
کئی لوگوں نے نا خداؤں سے دریافت کیا کہ اس وقت ہم لوگ کہاں ہیں۔ نا خداؤں نے جواب
دیا۔ سمندر کی مشہور بندرگاہ دیبل پڑ گئے ہیں اور ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ رات کے طوفان
کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے جہاز شکستہ ہو گئے ہیں اور ان کا مرمت نہایت ضروری ہے اس لئے

98254

سب لوگ ساحل پر اتر جائیں۔

چنانچہ فوراً ہی لوگ خشکی پر اتر گئے اور مسلمان ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ہزاروں نیم برہنہ انسانوں کو تیر و کمان لئے اپنی طرف بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا یہ سب لوگ ان آنے والوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔



”گفتاری“

جس وقت مسلمان جہازوں سے اترے تھے اس وقت انھیں یہ خیال تک بھی نہ آیا تھا کہ ساحل پر کسی قوم سے مقابلہ ہوگا۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی ہتھیار لے کر نہ اترتا تھا۔ سب کے سب ہتھیار نہ تھے۔ جس وقت نیم برہنہ وحشی صورت انسان تیر و کان لئے ان کی طرف جھپٹتے نظر آئے تو وہ حیرت بھری نظروں سے ان کو دیکھتے رہ گئے۔

وہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ چونکہ نیم برہنہ وحشی زیادہ قریب آگئے تھے۔ اس لئے اب اتنا موقع بھی نہ رہا تھا کہ مسلمان جہازوں میں جا کر ہتھیار لے آتے۔ لیکن ان کی شیطانی صورتیں دیکھتے ہی دو تین مسلمان سمجھ گئے تھے کہ ان کی نیت بخیر نہیں ہے اور گمان غالب ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچادیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ کہسک کر جھاڑیوں کے پیچھے جا چھپے۔

نیم برہنہ وحشی دوڑ کر آئے اور مسلمانوں کے گرد بھاگے۔ ان میں سے ایک شخص نے جو کسی قدر سن رسیدہ تھا کہا۔

”تم عرب کے رہنے والے مسلمان معلوم ہوتے ہو؟“

ایک اضعیف العمر مسلمان نے جواب دیا۔ تم نے ٹھیک پہچانا! ہم مسلمان ہیں۔ لیکن آپ کون ہیں۔

وہی شخص۔ ہم ہندوستان کے شمال مغربی حصہ سندھ کے رہنے والے ہیں۔

مسلمان۔ کیا تم کسی راجہ کے سپاہی ہو؟

سندھی۔ ہاں! ہم راجہ داہر کے سپاہی ہیں۔ آج تمام سندھ اور راجپوتانہ پر داہر کی حکومت ہے۔ ہندوستان کے تمام راجہ ہمارا راجہ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

مسلمان۔ ہم کو معلوم ہے کہ راجہ داہر بڑا راجہ ہے اس کی سلطنت بہت بڑی ہے

لیکن نہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہے اور نہ مسلمان ہی اس کے خلاف ہیں۔

سندھی۔ ہم اس لئے یہاں تعینات ہیں کہ جو لوگ اس طرف سے گزریں ان کو گرفتار کر لیں۔

مسلمان۔ مگر ان لوگوں کو جو داہر کی حکومت کے دشمن ہیں۔

سندھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ بے وقوف! مسلمان ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ مسلمانوں کو اس کی یہ بات سن کر حیرت ہوئی۔ اسلم نے اس سے دریافت کیا تم کس وجہ سے مسلمانوں کے دشمن ہو؟

سندھی۔ تمہاری سلطنت مغرب سے مشرق کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ لہذا خدشہ ہے کہ کہیں تم سندھ اور پھر ہند پر بھی قبضہ نہ کر لو۔

اسلم۔ مگر تم نہیں جانتے کہ مسلمان کسی ملک پر بلا وجہ اس وقت تک حملہ نہیں کرتے تا وقتیکہ ان کو حملہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

سندھی پھر ہنسا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھو اب ہم تمہارے خلیفہ پر حملہ کر کے اس کا اور اس کی حکومت کا خاتمہ کرنے والے ہیں۔

اسلم۔ ہاں! اگر تم اس قدر قوت رکھتے ہو تو ضرور ایسا کرو۔

سندھی نے حقارت آمیز نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا قوت... ہاں تجھے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو بہت جلد ہی ہماری قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اسلم۔ لیکن قوت کا مظاہرہ کرنے سے سوائے انسانی خونریزی کے اور کیا حاصل ہوگا۔

سندھی۔ ہم ہندوستان کے رہنے والوں کو مسلمانوں سے بڑا خطرہ ہے آج جس معرفت سے اسلام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اس سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اسلامی دباؤ ہندوستان میں بھی نہ آجائے۔

اسلم۔ اگر تم مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ نہ کرو گے تو کبھی مسلمان اس طرف نہ آئیں گے اور جب مسلمان ہی نہ آئیں گے تو اسلام کیسے آئے گا۔

سندھی۔ مگر ہمارے راجہ داہر کا حکم ہے کہ ہم ہر اس مسلمان کو جو ہمارے ہاتھ آ جائے گرفتار کر لیں۔

اسلم۔ تمہاری یہ حرکت مشعل کر کے مسلمانوں کو تمہارے ملک پر حملہ کرنے کی دعوت دے گی۔

سندھی قبیلہ لگا کر ہنسنا۔ اس نے کہا کیا مسلمانوں کا خلیفہ ایسا بیوقوف ہے کہ چند مسلمانوں کے اسیر یا قتل ہو جانے سے غضب ناک ہو کر ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی جرأت کرے گا۔ اسلم۔ مسلمان بھائی بھائی ہیں چند مسلمان ہی نہیں بلکہ اگر ایک مسلمان بھی اسیر یا قتل ہو جائے گا تو اس کا انتقام لینا ساری دنیا پر فرض ہو جائے گا۔ اس وجہ سے خلیفہ مجبور ہوگا کہ وہ کسی دشواری کا بھی خیال نہ کرتے ہوئے فوراً حملہ کر دے۔

سندھی۔ دیکھا جائے گا! میں مہاراجہ واہر کے اس لشکر کا جو تم کو منحصر کئے کھڑا ہے سردار ہوں تم کو گرفتار کر کے لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو ہمارے تیغے تمہارے سر اڑا دیں گے۔ اس لئے تم خاموشی سے گرفتار ہو جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری گرفتاری کا اثر خلیفہ اور مسلمانوں پر کیا ہوتا ہے اور وہ تمہاری رہائی کے لئے کیا کارروائی کرتے ہیں۔ رہائی کے لئے کیا کارروائی کرتے ہیں۔

اسلم۔ مگر میں پھر کہتا ہوں کہ ہمیں گرفتار کر کے اپنے ملک پر مسلمانوں کو حملہ کرنے کی دعوت نہ دیکھئے۔

سندھی۔ بیوقوف مسلمان ہم تم کو اسیر کر کے لے جائیں گے اور تمہاری قربانی مندروں پر چڑھائیں گے۔

اسلم۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری قربانی کی بجائے تمہاری ہی قربانی ہونے لگے۔ سندھی نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔ یہ صرف خیال ہے تمہارا اچھا دیکھو۔ تمہاری قربانی ہوتی ہے یا ہماری۔

اب وہ اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے بولا۔ مہا بیرو (بڑے بہادر) ان پلچھ مسلمانوں کو اسیر کر لو۔

سندھی لڑے مسلمانوں کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے۔ اگرچہ مسلمان نہتے تھے اور بہت ہی کم تھے۔ ان کا خون ان کی رگوں میں جوش حرارت سے کھولنے لگا۔ وہ سب اٹھ کر اس شان سے کھڑے ہو گئے جیسے وہ سندھیوں پر بھپٹ کر حملہ کرنے والے ہیں۔ مگر سندھی خوب جانتے تھے کہ مسلمان نہتے ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ مرعوب

لے اس زمانہ میں مندروں پر انسانوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی؟

نہ ہوتے بلکہ کمائیں اپنے شانوں پر ڈال ڈال کر اور تیفیے لے لے کر انہیں گرفتار کرنے کے لئے بڑھے۔

ابھی وہ ان کے پاس بھی نہ پہنچے تھے کہ آواز آئی۔ ٹھہرو! سب آواز کی طرف دیکھنے لگے۔ اس طرف ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی تھی۔ جس کے سر کے بال بے ترتیبی سے پشت و سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ گال پچکے ہوئے تھے اور رخساروں کی ہڈیاں نمایاں تھیں۔ دانت بد نما اور ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں اور تیلیاں چنگاریوں کی طرح دپک رہی تھیں۔

ایک سفید چادر سر سے پیروں تک اوڑھے کھڑی تھی نہایت خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی تمام سندھی کسی قدر جھک گئے اور سندھی سردار نے کہا۔ آہا ہا! ماما (والدہ) جو گنی سلہ۔

اس عورت کا نام جو گنی تھا۔ یہ ایک مشہور ساحرہ تھی۔ سندھ کا بچہ بچہ اسے جانتا تھا۔ وہ ایک ایسی گفائیں رہتی تھی۔ جس کے چاروں طرف ہر وقت سانپ دوڑتے رہتے تھے۔ تمام سندھی اس عورت سے ڈرتے تھے اور اس کا روپ کرتے تھے۔

جو گنی نے کہا۔ ہاں! میں جو گنی ہوں اور اس لئے آئی کہ تم کو آگاہ کر دوں کہ تم نجومیوں کی اس پیشینگوئی کو یاد کر لو۔ جو آج سے برسوں پہلے کی گئی ہے۔

سندھی سردار نے دریافت کیا اور وہ پیشینگوئی کیا ہے ماما؟

جو گنی۔ یہی کہ مسلمانوں کا سندھ پر قبضہ ہو جائے گا۔

سندھی سردار۔ لیکن اس کا کوئی وقت نہیں بتایا گیا ہے؟

جو گنی۔ وہ وقت قریب آگیا ہے۔

اے جو گنی ایک ساحرہ تھی۔ جو اور کے قلعہ کے پاس رہتی تھی۔ مگر وہ ہر جگہ گھومتی پھرتی تھی سندھی اس سے ڈرتے اور اس لئے اس کا ادب کرتے تھے۔ (از تاریخ ہند صفحہ ۱۵۸)

اے سندھ کے بڑے بڑے نجومیوں نے عرصہ ہوا کہ جب پیشینگوئی کی تھی کہ سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ سندھیوں نے ناراض ہو کر اکثر نجومیوں کو مار ڈالا اور وہ مسلمانوں کے دشمن ہو گئے تھے۔ از ابن اثیر

سندھی سردار۔ لیکن مانا اجیب تک کہ ہم زندہ ہیں ایک مسلمان کو بھی اپنی پوتر بھومی رپاک زمین پر قدم نہ رکھنے دیں گے۔

جو گئی۔ مگر مسلمانوں کے سیلاب کو کوئی قوت نہ روک سکے گی تم ان مسلمانوں کو چھوڑ دو۔
سردار۔ کیسے چھوڑ دیں ہمارا جہ داہر ہمیں فوراً مروا دلہیں گے!
جو گئی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا۔ اب تم جانو!

سردار۔ ہم مجبور ہیں!

جو گئی پر اسرار طریقہ پر غائب ہو گئی۔ تمام سندھی اور سارے مسلمان دیکھتے ہی رہ گئے جب وہ جلی گئی تب سردار نے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ہم اس جادو گر کو کاپٹا نہیں مان سکتے۔ لہذا بڑھو اور ان تمام مسلمانوں کو اسیر کر لو۔

سندھی سپاہی بڑھے اور مسلمانوں کو گرفتار کرنے لگے۔ مسلمان مگر بازی کر گئے انہیں ہٹانے لگے۔ لیکن وہ اس قدر زیادہ تھے کہ ایک ایک مسلمان کو دس دس اور بیس بیس لپٹ گئے اور اس طرح سے انہوں نے ان سب کو پکڑ کر سیڑیوں میں جکڑ لیا۔

انہیں گرفتار کر کے انہوں نے سبر اندیپ کے مردوں اور عورتوں نیز جہازوں کے ناخداؤں کو بھی گرفتار کر لیا اور جہازوں کے اوپر سے تمام سامان وغیرہ اتروا کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان وحشی انسانوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو ہی رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔ اور اس سختی سے جکڑا تھا کہ اس تکلیف سے معصوم بچے بلبل اٹھے۔ چنانچہ عورتوں نے ان سے استدعا کی کہ وہ ان کے بچوں کی رسیاں کھول دیں تاکہ ان کی تکلیف دور ہو جائے۔ مگر ان درندوں نے نہ مانا بلکہ جن عورتوں نے استدعا کی تھی انہوں نے ان کے گالوں پر تلپٹے مارے۔ ان کی یہ وحشیانہ حرکت دیکھ کر تمام مسلمان جو شش غضب سے سرخ ہو گئے۔ مگر وہ جکڑ ہوئے تھے کچھ نہ کر سکے اور مہیج و تاب کھا کھا کر رہ گئے۔

جب ایک عورت کو بلٹا گیا۔ تو اس نے پلا کر کہا۔ اغثنی یا حجاج اغثنی (بچاؤ اسے حجاج بچاؤ)۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حجاج بلا و شرق کا واسلے تھا اور یہ لوگ حجاج ہی کے پاس جا رہے تھے۔ اس لئے اس عورت کی زبان سے حجاج ہی کا نام نکلا۔ سندھیوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کے کوڑے مار مار کر ان کو مویشیوں کی طرح سے ہانکنا شروع کیا۔ مظلوم مسلمان آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ان وحشی درندوں کے ساتھ رواہ ہو گئے۔

”حجاج“

جس وقت وحشی ہندوؤں نے بے گناہ مسلمانوں پر بے خطا حملہ کیا تھا۔ اس وقت چند مسلمان جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ جب مسلمان قید کر کے لے جائے جا چکے تب وہ کین گاہ سے نکلے ان کا خیال تھا کہ سارے ہندو چلے گئے ہوں گے۔ مگر جو نہیں انھوں نے باہر نکل کر دیکھا تو ان کو بہت سے ہندو سمندر کے ساحل پر بیٹھے نظر آئے۔

یہ لوگ جہازوں کی حفاظت و نگرانی کے لئے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے ہٹے اور درختوں و جھاڑیوں کی آڑے کر مکران کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ خشکی کے راستے سے حجاج کے پاس پہنچ کر ہندوؤں کے اس ظلم و ستم کی داستان اسے سنا دیں گے۔ جو معصوم اور مظلوم مسلمانوں پر کئے گئے ہیں۔

چنانچہ وہ صحراوردی کرتے۔ دشمنوں کی نظروں سے بچتے ہوئے چلتے رہے۔ اس سفر میں انہیں بڑی بڑی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ سنگلاخ میدانوں خطرناک جنگلوں۔ عریض عینی دریاؤں اور دشوار گزار پہاڑوں کو بڑی مشکل سے عبور کر کے شیراز پہنچے۔

شیراز ملک ایران میں خلیج فارس کے قریب واقع ہے۔ چونکہ یہ لوگ تھک گئے تھے اور اب تک دشمنوں کے خلاف سے شب و روز سفر کرتے رہے تھے اسلئے انھوں نے وہاں قیام کر دیا۔

چند روز قیام کرنے کے بعد وہ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت حجاج بصرہ ہی میں مقیم تھا۔ شیراز سے بصرہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ لہذا وہ بہت جلد بصرہ میں داخل ہو گئے۔

ایک روز انھوں نے قیام کر کے آرام کیا اور دوسرے روز صبح ہی حجاج کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حجاج کے باپ کا نام یوسف تھا۔ یوں تو یہ شخص بڑا بہادر۔ مدبر اور مستقل مزاج انسان تھا۔ مگر ساتھ ہی بے حد سخت مزاج بھی تھا۔ لیکن اس کی سخت مزاجی شخص خلافت ہی کے لئے تھی۔ وہ اس شخص کا دشمن تھا۔ جو خلیفہ یا خلافت کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا۔

اگر سچ پوچھا جائے تو اس کی یہ سختی کچھ غیر مناسب نہ تھی۔ کیونکہ اغیار اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرا کر ان کی سلطنت اور خلافت کو تباہ و برباد کرا دیں۔ حجاج اس چال کو سمجھ گیا تھا اور اسی لئے وہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے ہر وقت آمادہ و تیار رہتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پسینہ کی جگہ خون گرنے کو موجود رہتا تھا۔ اسلامی درد اس کے دل میں تھا۔ وہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ کسی مسلمان کو بھی کوئی تڑپھی نظر سے دیکھے۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ صبح کی نماز پڑھتے ہی جمعہ مسجد میں بیٹھ جاتا تھا اور اکثر معاملات وہیں بیٹھا بیٹھا طے کر دیتا تھا۔ چنانچہ جس روز سندھ کے پیمانندگان لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اس روز بھی مسجد ہی میں بیٹھا تھا اور لوگوں کی درخواستیں سن سن کر احکام جاری کر رہا تھا۔

جب وہ ان لوگوں سے فارغ ہو گیا جو اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ تو ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔

حجاج کا چہرہ نہایت بارعب تھا۔ ابھی وہ جوان تھا۔ لیکن جوانی کے ایام ختم ہوتے جاتے تھے۔ اس نے سرانڈیپ سے آنے والے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کیا آپ کہیں باہر سے آئے ہیں؟

ایک مسلمان نے جس کا نام "زیاد" تھا جواب دیا جی ہاں!

حجاج۔ کہاں سے آئے ہو؟

زیاد۔ سرانڈیپ سے!

حجاج نے متعجب ہو کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سرانڈیپ سے؟

زیاد۔ جی ہاں! سرانڈیپ سے!

حجاج۔ معلوم ہوا تھا کہ سرانڈیپ کے مہاراجہ اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین سے رابطہ

اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں۔

زیاد۔ یہ بالکل صحیح ہے۔

حجاج۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرانڈیپ کے راجہ نیک دل ہیں۔

زیاد۔ نہایت نیک اور مسلمانوں کے یہی خواہ ہیں۔

حجاج۔ جو مسلمان ان کی حدود سلطنت میں رہتے ہیں ان کے ساتھ ان کا کیسا برتاؤ ہے؟

زیادہ - نہایت اچھا ہے!

حجاج - وہاں مسلمان کس قدر ہیں؟

زیادہ - اٹھاون تھے۔

حجاج - خوش و خرم ہیں؟

زیادہ - ہاں جب تک سراندیپ میں رہے نہایت خوش تھے۔

حجاج نے چونک کر زیادہ کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا اور اب کہاں ہیں۔

زیادہ نے افسوسناک لہجہ میں کہا - دام بلا میں اسیر ہو گئے!

حجاج نے غم زدہ ہوتے ہوئے کہا - کیسے مفصل سناؤ!

زیادہ نے تمام داستان سراندیپ سے روانہ ہونے اور طوفان کے آنے جہازوں کے

ساحل سندھ پر پہنچنے اور داہر کے سپاہیوں کے اچانک آکر مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے

جانے کی سنادی۔

حجاج خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ اس کے چہرے کا تغیر و تبدل بتا رہا تھا کہ اسے رنج

بھی ہوا ہے اور غصہ بھی۔ جب زیادہ خاموش ہوا تو اس نے پُر غضب انداز سے کہا۔

داہر کی اس قدر صبر ات ہو گئی ہے کہ وہ بے گناہ مسلمانوں کو قید کر کے لے جاتے ہیں

خدا نے عزوجل کی قسم کھا کر کہا ہوں کہ جب تک مسلمانوں کو اس مفرور اور ظالم کے پنجے سے

آزاد نہ کرالوں گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گا۔

اس کا چہرہ افرط غیظ و غضب سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں اُبل آئی تھیں اور پیشانی پر

بل پڑ گئے تھے۔ زیادہ نے کہا۔

یا امیر اللہت جس وقت عورتوں کو وحشی ہندو گرفتار کر رہے تھے تو ایک مظلوم نے حالت

پاس میں درو بھرے لہجہ میں کہا تھا۔ اِغْثِنِ يَا حِجَّاجُ اِغْثِنِ اِ!

حجاج نے جوش و طیش سے بل کھاتے ہوئے کہا۔ میں مظلوموں کی فریاد رسی کروں گا۔

آج عہد کرتا ہوں کہ جب تک انھیں رہانہ کرا لوں گا پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ حجاج کے

پاس اس کے چند مشیر بیٹھے تھے۔

ایک عبدالرحمن بن سلم الکلبی۔ دوسرے سفیان الایروک۔ تیسرے مجاشع بن لویہ پوتھے

خریم بن مغیرہ تھے۔ ان تمام لوگوں کو سراندیپ کے مسلمانوں کی داستان سن کر افسوس ہوا اور راجہ داہر

کی وحشیانہ حرکت پر غصہ آیا۔

حجاج کو جوش و غضب میں دیکھ کر انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اپنے ہی حکم سے سندھ پر لشکر کشی نہ کر دے اور اس کی جلد بازی سے اسلامی لشکر کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو خلیفہ سختی سے باز پرس کریں گے!

خلیفہ ولید کا حکم تھا کہ کوئی گورنر یا وائسرائے اپنے حکم سے کوئی جنگ شروع نہ کرے اس لئے عبدالرحمن نے کہا۔

راجہ داہرنے مسلمانوں کو قید کر کے اسلامی حکومت کو جنگ کی دعوت دی ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی دعوت ضرور منظور کرنی چاہیے مگر حجاج نے عبدالرحمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر کیا؟

عبدالرحمن۔ اس تمام واقعہ کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو کر کے پہلے جنگ ہی اجازت منگانی یعنی چاہیے۔

حجاج۔ لیکن اگر بدکار مغرور راجہ نے اس عرصہ میں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تو؟ ..

سفیان البروک نے کہا۔ اطمینان رکھئے اسے ایسا کرنے کی ہرگز ہرگز جرات نہ ہو سکے گی۔

مجاہد نے کہا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے گا۔ اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی کر چکے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ امیر المومنین کو مفصل اطلاع دے کر جنگ کی اجازت لے لی جائے اور اجازت آتے ہی اس بے وقوف اور سر پھیرے راجہ کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیج دیا جائے۔

حجاج کچھ سوچنے لگا۔ دراصل وہ ایک پر جوش مسلمان تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ دوسرے ہی روز لشکر روانہ کر دے گا۔ مگر اس کے مشیروں نے جو مشورہ دیا تھا۔ وہ بھی مناسب تھا۔

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ مگر میں ایسا کیوں نہ کروں کہ اوہر لشکر روانہ کر دوں اور اوہر اعلیٰ حضرت سے اجازت طلب کر لوں؟

خریم نے کہا۔ یہ ہم ہندوستان کے بڑے حصہ سندھ پر بھیجی جائے گی۔ ہند میں جس قدر بھی راجہ ہمارا جہ میں سب داہر کے شریک ہو کر ہمارا مقابلہ کریں گے۔ چونکہ ہندوستان

یہاں سے فاصلے پر ہے اور فوراً ہی امدادی لشکر بھی نہ بھیجا جاسکے گا۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ انجام کیا ہو۔

بدیں وجہ مناسب یہی ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کم کرنے کے لئے پہلے دارالخلافہ سے اجازت منگالیں۔

حجاج - مناسب ہے اچھا خلیفہ کو عرضداشت لکھو۔

نوراً مجاشع نے عرضداشت لکھی اور تمام واقعہ لکھ کر اعلان جنگ کی درخواست کی۔ حجاج نے عرضداشت کو پڑھا اور پڑھ کر اپنی بہرنگائی اور اسی وقت قاصد دمشق روانہ کر دیا۔

ان ایام میں دارالخلافہ دمشق ہی تھا۔ جب یہ قاصد روانہ ہو گیا تب عبدالرحمن نے کہا ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے۔

حجاج - کیا؟

عبدالرحمن - آپ راہبر داہر کے پاس قاصد بھیج دیں اور اسے مجبتانہ تخریر کر کے مسلمانوں کی زبانی کا مطالبہ کریں۔

خریش نے کہا تم نے میرے مزے سے بات چھین لی۔ کیونکہ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ مجاشع - میرے خیال میں بھی یہ بات مناسب ہے اتنے میں کہ دربار خلافت سے فرمایا صادر ہو۔ داہر کا بھی جواب آجائے۔

حجاج - میرے خیال میں بھی یہ بات نامناسب نہیں ہے۔ شاید قاصد کے جانے سے داہر پر کچھ اثر پڑ جائے اور وہ مسلمانوں کو رہا کر دے۔

عبدالرحمن - میرا خیال یہ ہے کہ شاید داہر اور ہندوستان کے ہندو اس بات کو میں جانتے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے۔ ایشیا کے ہوں یا یورپ کے۔ کالے ہوں یا گورے اور اس لئے ان مسلمانوں کو جنھیں اس نے گرفتار کر لیا ہے مٹانے کے لئے ساری دنیا کے مسلمان دوڑ پڑیں گے۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ ان مسلمانوں کو کون خبر لے گا۔ انھیں قید کرنے کی جرأت کی ہے۔ لیکن جب قاصد اس کے پاس پہنچے تو وہ اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا اور عجب نہیں کہ وہ مسلمانوں کو رہا کر دے۔

حجاج - نہایت بہتر اور مناسب مشورہ ہے اچھا اسے بھی ایک محبت نامہ لکھو

اور اس طرف بھی ایک ایلیچی روانہ کرو۔

فوراً مجاشع نے ایک تحریر لکھ کر حجاج کے سامنے پیش کی۔ حجاج نے پڑھ کر اسے سر بہر کیا اور ایک نوجوان ہارون کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ اس وقت دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر سندھ کی طرف روانہ ہو جائے۔

چنانچہ ہارون مع عدد سب شیران اسلام کے اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اب حجاج اٹھ کر محل میں چلا گیا اور سراندرپ سے آنے والے مسلمان بھی اپنی قیام گاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔



راجہ داہر

بیدر رو بے رحم ہندو مسلمانوں کو قید کر کے لے چلے۔ چونکہ ان میں نام کو بھی انسائیت نہ تھی۔ اس لئے وہ انہیں اس تیزی سے چلنے پر مجبور کر رہے تھے جس تیزی سے وہ خود چل رہے تھے۔ مگر قیدی مسلمان اس تیزی سے نہ چلنے پر اس وجہ سے مجبور تھے کہ ان کے ساتھ ایسے بڑھے تھے جو تیر نہ چل سکتے تھے۔

نازک اندام عورتیں تھیں اور معصوم بچے تھے۔ مگر وہ ان کی کسی کی بھی معذوری اور مجبوری کا خیال نہ کر کے انہیں کھینچے لئے جا رہے تھے۔

کچھ دور تک تو وہ جوں توں کر کے کھینچے چلے گئے۔ مگر آخر تھک گئے اور اب ان سے آہستہ آہستہ بھی چلنا دشوار ہو گیا۔ جفا شعار ہندوؤں نے اول اول تو انہیں تیزی سے چلنے کی زبانی دھکیاں دیں۔ مگر جب وہ نہ چلے تو انہوں نے کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا۔ ان بد بختوں نے بڑھوں، عورتوں اور بچوں میں سے کسی کا بھی خیال نہ کیا۔ ہر ایک کے کوڑے لگانے شروع کر دیئے۔ مرد تو آخر مرد تھے صبر و شکر کر کے خاموش رہے۔ مگر عورتیں تڑپ اٹھیں اور بچے تو بالکل ہی بلبلائے لگے۔ عورتوں کو جسمانی اذیتوں سے تو تکلیف ہو ہی رہی تھی۔ مگر ان کے سینوں پر اس وقت اور بھی برچھیاں لگتی تھیں۔ جب ان کے سامنے ان کے بچوں کے کوڑے مارے جاتے تھے۔ وہ خدا کا واسطہ دے دے کر ان سے رحم کی درخواست کرتی تھیں۔ لیکن جو خدا کو جانتا ہی نہ ہو وہ خدا کے واسطہ کا کب خیال کر سکتا ہے۔

چنانچہ ان کے دلوں میں بھی رحم و مروت کا جذبہ برپا نہ ہوتا تھا اور وہ برابر کوڑے مارتے چلے جا رہے تھے۔ مگر شیران اسلام کی اولاد تھے پٹ رہے تھے روڑ رہے تھے ان کی جانوں پر بنی ہوئی تھی۔ مگر وہ چپ تھے۔ رونہ رہے تھے۔ آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی ان کی آنکھوں سے نہ نکل رہا تھا۔ مظلوم بچے معصومانہ چہرے اٹھائے۔ سہم گئیں نگاہوں

سے مارنے والوں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن جب وہ اس قدر نڈھال ہو گئے کہ
 دس قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا تب انہوں نے اپنی ماؤں کی طرف دیکھا۔ عسرت بھری نگاہوں
 سے ان کی نظروں کو دیکھ کر نہ صرف ان کی مائیں بلکہ ہر عورت تڑپ اٹھی اور ان کی بے بسی
 ویکسی پر افسوس کرنے لگی۔ ایک بچے نے جو سب سے چھوٹا تھا اپنی والدہ سے کہا۔
 امی جان! اب تو بالکل ہی نہیں چلا جاتا۔ غمزہ عورت نے ٹھنڈا سا نس چھڑ کر کہا میرے
 بچے بھیر کرو۔ معصوم بچے نے بھولے پن سے دریافت کیا! امی جان! کیا ہمارا خدا ہمارے
 پیٹنے کو دیکھ رہا ہے؟

عورت: ہاں! دیکھ رہا ہے اور وہ ان سنگدلوں سے انتقام لے گا۔

بچہ: لیکن وہ ہماری امداد کیوں نہیں کرتا!

عورت: کرے گا بھی وہ ہمارا امتحان لے رہا ہے!

بچے نے سینے تاتتے ہوئے کہا۔ بس تو ہم بھی امتحان دے رہے ہیں۔ دیکھیں اُسے
 کب رحم آتا ہے۔

ایک سنگدل نے اسے کوڑا مار کر کہا یہ لے تیرے خدا کا رحم آگیا! معصوم بچہ اس کوڑے
 کی مار کھا کر تڑپ گیا۔ مگر اس نے ات تک بھی نہ کی اور کمر کولتا ہوا چلتا رہا۔ الغرض انتہائی
 سختیوں اور صعوبتیں اٹھانے کے بعد یہ لوگ ایک قلعہ کے قریب پہنچے۔ قلعہ نہایت مضبوط
 بلند اور وسیع تھا۔ اس کی سرنگ فسیل دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ ایک مندر جو شاید
 بہت ہی بلندی پر بنا ہوا تھا۔ فسیل سے اونچا اٹھا ہوا چمک رہا تھا۔

مندر کے قریب ہی ایک گنبد تھا اور وہ بھی مندر ہی کے برابر اونچا تھا یہ قلعہ دیبل تھا۔
 اور مندر کے قریب ہی واقع تھا قیدی اس مندر اور قلعہ کو دیکھ کر نہایت غم زوہ ہوئے
 وہ ہندوستان کو کفرستان کہتے تھے ان کا خیال تھا کہ اہل ہند خدا کو چھوڑ کر دیوتاؤں کی
 پرستش کرتے ہیں۔

جس وقت یہ لوگ قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو انہوں نے قلعہ کے
 اندر سے ایک شاندار رتھ کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس میں آٹھ گھوڑے جتے ہوئے تھے
 اور ان آٹھوں گھوڑوں پر آٹھ آدمی سوار تھے۔ جو قریب قریب برہمن تھے۔ صرف گھنٹوں
 تک بچی دہوتیاں کٹے ہوئے تھے ان کے سرنگے تھے اور ان کے سر کے بال اس قدر لمبے

تھے کہ کانوں سے نیچے تک بھکے ہوئے تھے۔ ذرا ڈھیاں صفا چٹ تھیں۔ البتہ مونچھیں لمبی لمبی اور اس قدر چوڑی تھیں کہ انھوں نے سارے منہ کو ڈھک لیا تھا۔ ہاتھوں میں برچھے لئے گھوڑوں پر سوار بیٹھے تھے۔ رتھ کے چاروں طرف متعدد سوار تھے اور وہ چاندی کے بلم اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ بھی برہنہ تھے۔ جینو پینے تھے۔

ان کی صورتیں بھی ویسی ہی تھیں جیسے رتھ کے گھوڑوں کے سواروں کی تھیں۔ رتھ کے اندر جوان العمر شخص بیٹھا تھا۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس سال کی ہوگی۔ وہ بھی ریشم کی دھوپتی باندھے تھا اور اپنے ننگے جسم کو چھپانے کے لئے سچے موتیوں اور جواہرات کے ہار اس قدر پہنے تھا کہ گلے سے ناف تک کا تمام حصہ ان سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر پر تاج اوڑھے تھا۔ تاج پر کلفی لگی تھی اور کلفی پر ہما کے پڑے لگے تھے۔

یہی شخص راجہ داہر تھا۔ ایک طرح سے یہ راجپوت تھا اور ایک طرح سے برہمن زادہ تھا۔ اسکی پیدائش کے متعلق جس قدر تاریخیں ہماری نظروں سے گزری ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ ساہسی ایک راجہ تھا جس کا دارالسلطنت اور تھا۔ اس کے زیر حکومت سندھ ملتان اور انک کے پاس کا وہ علاقہ جو کالا باغ کے پہاڑ تک پھیلا چلا گیا ہے تھا۔ وہ نہایت نیک اور رعایا کا خیر طلب راجہ تھا۔ اس کا وزیر بدھی من تھا۔

ایک روز دیوان عام میں بدھی من اور ساہسی دونوں بیٹھے تھے کہ ایک برہمن آیا۔ اس کا نام رنج تھا۔ نہایت ہوشیار تعلیم یافتہ اور چالاک تھا اس نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے خوش ہو کر ساہسی نے اسے بدھی من وزیر کا نائب بنا دیا۔

جو تک رنج نہایت چالاک تھا اس لئے اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس سے درباری اور رعایا سب خوش رہنے لگے۔ ساہسی کی بیوی یعنی رانی کا نام سو بھی دیوی تھا۔ ایک روز اس نے رنج کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی اس پر مفتون ہو گئی اور رنج بھی اس کا گرویدہ ہو گیا۔ روز روز رانی سو بھی دیوی اُسے محل میں بلانے لگی اور وہ جانے لگا۔ گھنٹوں تک یہ میں رہتا اور جب واپس جاتا سو بھی دیوی بے قرار ہو جاتی وہ چاہتی تھی کہ وہ ہو اور رنج اور گوشہ تنہائی۔

آخر یہ محبت رنگ لائی۔ لوگوں میں بدگمانیاں پھیلنے لگیں اور اراکین سلطنت کو راجہ سے شکایت کرنا پڑی۔ مگر ساہسی سو بھی دیوی پر ایسا فریضہ تھا کہ وہ اس کے خلاف کوئی بات بھی سننے پر آمادہ نہ تھا اور اس لئے رانی اور رنج کی رنگ ریبوں میں محل ہونے والا کوئی بھی نہ تھا۔

لیکن نچ نے جب سنا کہ لوگ بدگمان ہو گئے ہیں تو اس نے رانی کو مطلع کر دیا اور بد بخت رانی نے نچ سے سانباز کو کے ساہسی کو مروا ڈالا اور ساتھ ہی یہ بھی انتظام کیا کہ جس قدر سلطنت کے دعوے دار تھے انکو حکمت عملی سے بلا بلا کر قتل کروا دیا۔ جب کوئی بھی باقی نہ رہا تب سو بھی نے نچ سے شادی کر لی اور اس طرح سے ایک برس بہن زادہ راجہ بن گیا۔ نچ کے دو بیٹے ہوئے ایک کھیرہ جو بڑا تھا اور دوسرا دہر دہر سید برہمن آباد میں تخت نشین ہو گیا اور دہر اور میں ان دونوں کی حقیقی ہمیشہ مانی تھی جو نہایت خوب صورت تھی۔ وہ دہر سید کے پاس رہتی تھی۔ بھائی کے راجہ سوین نے اس سے شادی کرنے کے لئے دہر سید کے پاس پیغام بھیجا۔ دہر سید نے منظور کر لیا اور جہیز کا شاہانہ سامان تیار کر کے سات سو گھوڑے اور پانچ سو پیادے مانی کے ساتھ کر کے اُسے ابور میں دہر کے پاس بھیج دیا اور نالائق بھائی کو لکھا کہ وہ اس کی شادی بھائی کے راجہ سوین سے کر دے۔ مگر دہر بھائی نہایت بد قماش آوارہ اور بد چلن تھا۔ جب اپنی حسین اور مٹھت شباب سکی بہن کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا اور بدمی من سے مشورہ کر کے اس ننگ انسان نے اس کے ساتھ اپنی شادی کر لی۔

دہر کے اس وقت دو اور رانیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام اما دیوی اور دوسری کارانی لادی تھا۔ رانی لادی نہایت خوب رو اور کم سن تھی اس کے علاوہ اس کے محل میں بے شمار حسینان کشمیر اس کی دل بستگی کے لئے موجود تھیں۔

اس طرح دہر نچ برہمن کا لڑکا ہونے کی وجہ سے برہمن نادہ تھا اور رانی سو بھی دیوی کے بطن سے ہونے کی وجہ سے راجپوت تھا۔ لیکن اس نے ہی حقیقی ہمیشہ سے شادی کر کے جو شرمناک مثال قائم کی اس سے آج تک ہندو جاتی کا شمار سے شرم و ندامت کے جھکا ہوا ہے۔ دہر کی سواری قلعہ سے نکلنے ہوئے دیکھتے ہی تمام وہ سپاہی جو مسلمانوں کو کھینچے لارے تھے زمین پر سجدہ میں گر گئے اور ان داتا کی جے ہمارا ج کی جے ہماہلی راجہ کی جے ابا کے نعرے لگانے لگے۔ راجہ بڑے گار سنہرے تکیے کا سہارا لئے پڑا تھا۔ ان آوازوں کو سن کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور رتھ سے باہر جھانک کر دیکھنے لگا۔ جب اس کی نظر مسلمانوں کے اوپر پڑی تو کچھ حیران سا رہ گیا۔ اب وہ لوگ جو اُسے سلام کرنے کے لئے سجدہ میں گر گئے تھے اُٹھے۔ دہر نے ان سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟

ان سپاہیوں کے سر وارنے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، انا تائے مسلمان ہیں۔

داہر کچھ نشتر میں متوالا سا ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ان کو آسمان پر دسے چٹکوافسر اور اس کے سپاہی اس نرالے حکم کو سن کر بڑے حیران ہوئے اور حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے ان کی بچھری میں نہ آیا کہ مسلمانوں کو آسمان پر کیسے دسے چکیں۔

افسر نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ مہابلی مہاراج انہیں آکاش آسمان پر کیسے جائیں۔ داہر نے مخموروں کی طرح سے ہنستے ہوئے کہا۔ جیسے اندر جی مہاراج آکاش پر چلے گئے ایسے ہی تم انہیں لے جاؤ۔

افسر۔ ان داتا! وہ تو دیتا تھے۔ ان میں اتنی شکتی (قوت) تھی! ہم میں کہاں ہے۔

داہر بس تو تم انہیں لے کر دریائے انک میں ڈوب مرواؤ۔

وہ مخموروں کی طرح سے ہنسنے لگا۔ تمام سپاہی اور افسر اس کے نرالے نرالے احکام سن کر ہلکے سے ہو رہے تھے۔ اُفرواہر نے کہا۔ اچھا! اب انہیں تہہ خانے میں بند کر دو۔

افسر نے کہا لیکن انداتا! ان میں ایک اسپرا (پری) ہے؟

داہر اسپرا کا نام سنتے ہی چونک پڑا اس نے کہا ہاں ہے اسپرا؟

افسر نے طاہرہ کو اس کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اگرچہ طاہرہ کے روشن چہرہ پر غبار کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی مگر وہ اب بھی چمک رہا تھا۔

داہر نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔ ہاں یہ اسپرا ہے اور اسے رتھ میں سوار کرادو۔ افسر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ اس جوڑوش کو رتھ میں سوار کرانے لگے۔

ادھر طاہرہ نے سوائے ہونے کی جدوجہد کی اور ادھر مسلمانوں نے داہر سے کہا۔ سپاہیوں اور راجاؤں کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ غیروں کی بہو بیٹیوں پر ایسے مظالم کریں۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا اور راہہ ہوتے ہی کس لئے ہیں۔ میری ایک خوب صورت "مائی" ہے میں نے اس کے ساتھ شادی کی ہے۔

مسلمانوں کو اس کے متعلق کچھ بھی علم نہ تھا۔ وہ اس بات کو سن کر سخت حیران رہ گئے۔ اس نے تین سپاہیوں نے طاہرہ کو رتھ میں سوار کرادیا!

اسلم یہ دیکھ کر تڑپ گیا اور اس نے کہا او مغرور و بدسرشت راہہ! تو حیدرات کا غلام بن دو سہروں کے ناموس کی دبچیاں نہ اٹاؤ ورنہ پھپھٹائے گا۔

واہرنے قہقہہ لگا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کو اس پرپی زاد سے محبت ہے خیرا
 میں اسے معاف کرتا ہوں۔ ان قیدیوں کو لے جا کر تہ خانہ میں بند کر دو۔
 اب اس نے رتھ کو بڑھانے کا اشارہ کیا۔ گھوڑے چلے رتھ بڑھ گیا اور اسلم تڑپ
 گیا۔ اس نے ایک آہ کی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔



”تو خیر لڑکیاں“

دیل کا قلعہ راجہ داہرہ ہی کی حدود سلطنت میں تھا۔ اس قلعہ کا حاکم سمئی تھا۔ اسے داہرنے مقرر کیا تھا۔ سمئی کو تنخواہ نہ ملتی تھی بلکہ ایک معنوں میں وہ ٹھیکے دار تھا۔ جو کچھ مال گزاری اور محصولات (ٹیکس) وصول ہوتا تھا۔ اس میں سے تین حصے داہر کو دیتا اور دو حصے خود رکھتا تھا۔

داہر سمئی سے ملنے اور محصولات کا تصفیہ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ آج وہ واپس جا رہا تھا کہ مسلمان قیدی اس کے سامنے پیش کئے گئے اور وہ ان میں سے طاہرہ کو لے گیا۔ اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ وحشی سپاہیوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور اسے بہت کچھ برا بھلا کہا۔ مگر نہ تو اسے ہوش تھا اور نہ ہی اس نے ان کی لالی لہائی سنی اور جب اسے بے ہوش ہوئے زیادہ دیر گزر گئی۔ تب افسر نے سپاہیوں سے کہا۔ اسے ہوش میں لاؤ۔

کئی سپاہی بڑھے اور اسے لگے لگے لگے مسلمانوں کو ان کی یہ حرکت نہایت بری معلوم ہوئی۔

ایک ضعیف العمر نے کہا۔ اس قدر ظلم نہ کرو۔ آخر ہم بھی تو انسان ہیں اور انسانوں کو انسانوں پر وحشیانہ مظالم نہیں کرنے چاہئیں۔ افسر نے ہتھیار لگا کر کہا۔ ابا ابا یہ بڑھا ہمیں اپدیش (نصیحت) دے رہا ہے۔ خدا اس کی مرمت تو کر دو۔

دو سپاہی اسے بڑھے کی طرف بڑھے اور اسے گھونسوں سے مارنے لگے۔ تمام مسلمان جوش و غضب سے بھر گئے اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ بے رحمی اس طرح اذیتیں دینے سے کیا حاصل۔ جب تم ہمیں زندہ دیکھنا نہیں چاہتے تو مار ہی کیوں نہیں ڈالتے۔ افسر نے کہا۔ ماریں گے لیکن ابھی نہیں۔ جب ہمارے دل تم سے نفرت کرتے کرتے اکتا جائیں گے۔

ایک نوجوان مسلمان نے کہا۔ خدا سے ڈرو! کہیں وہ ہم مظلوموں کی فریاد سن کر تمہیں بدلے

بس میں نہ دے دے اور پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ایسی ہی تعزیت کریں جیسی کہ آج تم کر رہے ہو۔
 افسر۔ یہ ملک سندھ ہے یہاں تمہارے خدا کی حکومت نہیں ہے یہاں بدھ بہارج
 اور دوسرے دیوتاؤں کی حکومت ہے۔

اس زمانہ میں ملک سندھ میں بدھ مذہب زیادہ پھیلا ہوا تھا اور اس مذہب کے
 ماننے والے "بودھ" کہلاتے تھے۔ سنان دھرمی، جینی اور ناسک (خدا کے منکر) بھی تھے۔
 نوجوان نے کہا۔ خدا ہر جگہ ہے وہی خالق کل اور رازق مطلق ہے۔

افسر۔ ہم مذہبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے سپاہیوں ان کو لے چلو۔
 اس وقت اسلام کو بھی ہوش اگیا تھا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ سپاہی ان سب کو لے کر چلے
 دروازے میں داخل ہوئے اور قلعہ کے اندر پہنچے یہ قلعہ نہایت وسیع تھا۔ خوب آباد تھا اور اس
 کے چاروں طرف مکانات بنے ہوئے تھے مگر کچھ زیادہ اونچے اور شاندار نہ تھے۔
 کئی بازار تھے مگر تنگ تھے۔ دکانیں نیچی اور بھدی تھیں۔ ہاں مندر بے شمار تھے اور وہ
 کافی بلند تھے۔ سپاہی مسلمانوں کو لے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ وہ اس مندر کی طرف بڑھ
 رہے تھے۔ جو فیصل نے اونچا تھا اور جسے مسلمانوں نے قلعہ کے باہر سے ہی
 دیکھ لیا تھا۔

یہ مندر عین قلعہ کے وسط میں تھا۔ جب مسلمان راستوں اور بازاروں سے گزر رہے تھے
 تو وہ بندوؤں کو اور ہندو انھیں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ مسلمانوں نے جس ہندو کو
 بھی دیکھا۔ وہ گھٹنوں سے اونچی دھوتی باندھے برہمنہ جسم نظر آیا۔ سروں پر نگریان اور ٹریاں کچھ
 بھی نہ تھیں۔

سنگے سر تھے۔ سر پر چند یا کے کچھ بال لمبے لمبے تھے جنہیں وہ چوٹیاں کہتے تھے۔ قریب
 قریب سب میلے اور کثیف رہتے تھے۔ جو دھوتیاں وہ پہنے ہوئے تھے سب میلی تھیں۔
 عورتیں بھی گھٹنوں سے فریٹھے دھوتیاں باندھے اور اونچی اونچی کرتیاں پہنے تھیں۔ اس
 لباس سے ان کی ستر پوشی اچھی طرح نہ ہوتی تھیں۔ گھٹنوں سے نیچے تک پیر۔ بازوؤں تک ہاتھ
 اور سارا پیٹ کھلا رہتا تھا۔

عورت اور مرد سب سنگے پیر رہتے تھے۔ چونکہ مسلمان اس ملک میں پہلے کبھی نہ آئے
 تھے۔ اس لئے وہ مردوں کو برہمنہ اور عورتوں کو نیم برہمنہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

وہ اس ملک کے رہنے والے تھے۔ جہاں مرد اور عورتیں ہی نہیں بچے تک پورا لباس پہنتے تھے سوائے چروں۔ گٹوں تک ہاتھوں اور ٹخنوں تک پیروں کے اور سلاہ جسم ڈھکا رہتا تھا۔ ہندو مسلمانوں کا لباس دیکھ کر ان کی وضع اور نورانی وارٹھیاں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ سپاہی ان کو حراست میں لئے ہوئے بڑے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ اس مندر کے قریب پہنچ گئے۔ جو تمام مندروں سے اونچا تھا اس مندر کے گرد احاطہ کھینچی برائیاں اور یقیناً طرف کرے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف پانڈے رہتے تھے اور دوسری طرف مندر کی داسیاں۔

یہ داسیاں بڑے گھرانوں کی سیم تن اور زرخیز لڑکیاں تھیں۔ جو مندر میں رہتی تھیں اور بدھ کے بت کی پرستاریں کہلاتی تھیں۔

مندر میں صرف راجاؤں کی عورتیں یا لڑکیاں اور مندر میں رہنے والی داسیاں ہی ایسا لباس پہن سکتی تھیں۔ جس سے کہاں کا تمام جسم ڈھک جائے۔ لیکن یہ ان کی مرضی پر منحصر تھا۔ اگر وہ چاہیں تو ایسے کپڑے پہنیں اور اگر وہ نہ چاہیں تو عام عورتوں جیسے پہن لیں۔

تمام جسم کو ڈھانپنے والا جو لباس تھا اس میں ایک شلوکہ ہوتا تھا اور ایک ساڑھی شلوکہ پہن کر جب ساڑھی کر لی جاتی تھی تو ساڑھی جسم ڈھک جاتا تھا۔ لیکن داسیاں اگر شلوکہ اور ساڑھیاں بھی پہنتی تھیں تو اس طرح کہ بازوؤں تک ہاتھ اور پیٹ کا کچھ کھلے رہتے تھے۔

ان داسیوں کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات مہیا کئے جاتے تھے۔ وہ انہیں پہن کر اور بھی حسین نظر آنے لگتی تھیں۔ عوام کی نگاہوں میں وہ قابل احترام اور محبت کی تھیں۔ لیکن مندر کے پجاریوں کی دل بستگی کرنا ان کا اولین فرض تھا۔

وہ بالکل ایسی تھیں جیسی کہ عیسائیوں کے رومن کی تھو لک فرقے کی تھیں۔ جو ساری عمر کنواری رہنے اور عبادت کرنے کا عہد کر کے گرجے میں داخل ہو جاتی ہیں اور وہاں کے پجاریوں کی خواہش سے نیت کا شکار بن جاتی ہیں۔

جب مسلمان مندر کے احاطے میں داخل ہوئے تو انہوں نے سینکڑوں داسیوں کو پیش سے شلوکہ پہنے اور لٹھیں ساڑھیاں باندھے آپس میں چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب

لے از تاریخ ہند (صادق۔ مدنی)

تو عمر اور حسین تھیں۔

ان کے لباس۔ زیورات اور چہرے جگمگا رہے تھے۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق راجہ اندر کے دربار میں پریاں چل پھریں تھیں۔ مسلمان ان کو دیکھنے لگے تو فریاد ہی ایک بڑھے مسلمان نے کہا۔

مسلمان! اپنی نظریں جھکا تو خدا نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُوبُوا مِنَّا وَإِنَّا لَنُغْضِبُكَم مِّنْهُمْ (اسکے پیارے نبی! مسلمانوں سے کہہ دو کہ جب وہ نامحرم عورتوں کو دیکھیں تو اپنی نگاہیں جھکالیں!)

یہ سنت ہی تمام مسلمانوں نے اپنی نظریں نیچے جھکالیں۔ ان پر یزید اور لڑکیوں نے بھی اپنی ہوشربا آنکھیں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھا اور وہ حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

ان لڑکیوں کے سامنے بہت سے بچاری کھڑے تھے ان میں ایک بڑھا بچاری بھی تھا اس کا نام "ابی" تھا۔ وہ مشہور نپڈت تھا۔ رحم دل۔ نیک طبیعت انسان تھا۔ اس کی دار علی سعید اور ملی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک ابھیر عمر کا شخص دھوتی اور موتیوں تیز بواہرات کے پار پہنے کھڑا تھا۔

اس کا نام سمئی تھا۔ ذیل کے قلعہ پر یہی حاکم تھا۔ سمئی روزانہ مندر میں آتا تھا۔ کچھ بدھ جی کی مورتی کے ورشن (زیارت) کرنے کے لئے نہیں بلکہ حسین واسیوں کی زیارت کے لئے۔

ایک سمئی ہی نہیں بلکہ سینکڑوں مرد صرف انہیں دیکھنے کے لئے ہی مندر میں آتے تھے۔ سمئی۔ ابی اور تمام بچاری بھی مسلمانوں کو دیکھ کر حیران ہوئے کھڑے رہ گئے۔

افسوس مسلمانوں کو لے کر سمئی کے پاس پہنچا۔ وہ اور تمام سپاہی اس کو سلام کرنے کے لئے زمین پر سجدہ میں گر گئے اور مہاراج کی بے کے نعرے لگانے لگے۔ نعرے لگا لگا کر اٹھے اور ابی کے پاس پہنچ کر جھک جھک کر اس کے پیر چھونے لگے۔ ابی ہاتھ

اٹھا اٹھا کر انہیں برکت دینے لگا۔ جب یہ لوگ سلام و تنظیم سے فارغ ہو گئے تو افسر نے کہا: مہاراج! یہ مسلمان ساحل پر اتنے ہوئے تھے۔ ہم انہیں گرفتار کر کے لائے ہیں۔

سمئی نے کہا: بہت اچھا کیا تم نے۔

افسر۔ جب ہم قلعے کے دروازے آئے تو ان فاتارہ بنق سینے والا مسلمان دہر سے سامنا ہو گیا۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ ان سب کو تہ خانے میں بند کر دیا جائے۔

سمنی - بہت مناسب ہے ان وحشیوں کے رہنے کی جگہ وہی ہو سکتی ہے۔
اب سمی - ابی کی طرف گھوما - اور اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

پنڈت جی مہراج

ابی نے قہر سے جھک کر کہا اگیا (علم) ہے؟

سمنی - آپ ان کو اپنی حراست میں لے کر تہ خانہ میں بند کر دیں!

ابی - اس اگیا کا پالن کیا جائے گا اس علم کی تعمیل کی جائے گی، ابی نے بچاریوں

کی طرف دیکھا۔ وہ مسلمانوں کو حراست میں لے کر چلے ابھی وہ قدم بھی نہ گئے تھے۔

کہ آواز آئی ٹھہرو!

سب نے پیٹ کر دیکھا۔ جو گئی اس طرف سے آرہی تھی سب کے سب اسے

دیکھتے ہی جھک گئے !!



”مغرور راجہ“

بارون معدس مسلمانوں کے روانہ ہو گیا تھا۔ وہ بصرہ سے چل کر شیراز پہنچا اور مکران ہوتا ہوا نیرون کی حدود میں سے گذر کر سندھ میں داخل ہوا۔ چونکہ وہ قاصد تھا اور جس شہر یا قصبہ میں جانا تھا پہلے بتا دیتا تھا کہ وہ سقیم ہے اور راجہ داہر کے پاس جا رہا ہے۔ اس لئے کسی نے اس سے تعرض نہ کیا۔ بالآخر طے منازل اور قطع مراحل کے بعد وہ الور میں داخل ہوا۔

الور کا قلعہ نہایت بلند اور بہت کچھ لمبا چوڑا تھا۔ یہ قلعہ ویل کے قلعہ سے دگنا وسیع اور بہت کافی بلند تھا۔ آبادی گنجان تھی۔ بازار پر رونق تھی۔ سڑکیں اچھی حالت میں تھیں۔ صفائی کا بھی اچھا انتظام تھا۔

ویل سے زیادہ یہاں مندر تھے۔ اس کے ایک طرف شاہی محلات تھے جو دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ محلات کے قریب ہی فوجی چھاؤنی تھی۔ محلوں کے اندر ہی کئی مندر تھے غالباً جتنی راتیاں تھیں اتنے ہی مندر تھے۔ کیونکہ ایک رانی دوسری رانی کے مندر میں جانا کسر شان سمجھتی تھی اور بھی شہر میں ہر طرف مندر پھیلے ہوئے تھے۔

یہاں بھی مرد برہمن اور عورتیں نیم برہمن رہتی تھیں۔ جب بارون قلعہ کے اندر داخل ہوا اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ولید کا قاصد ہے تو فوراً بدھی من وزیر کو اطلاع دی گئی۔ وہ بارون سے ملا اور اس نے کہا۔ میں حیران ہوں کہ آپ اتنی دور دراز کی مسافت اٹھا کر کس لئے آئے ہیں۔ بارون نے کہا۔ میں خلیفہ کا پیغام لے کر آیا ہوں اور مہاراجہ داہر سے عرض کر سکتا ہوں۔ بدھی من۔ مہاراجہ ویل گئے وہ شہروں میں گھومتے پھر رہے ہیں اور ایک ہی دو روز میں آنے والے ہیں۔

بارون۔ ہم ان کی واپسی تک ٹھہرے رہیں گے!

بدھی من۔ بہتر ہے آپ کے ٹھہرنے کا معقول پر بندھ (انتظام) کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بارون کو مواس کے ساتھیوں کے ایک اچھے مکان میں ٹھہرایا دو ہی تین روز

کے بعد انھوں نے سنا کہ راجہ داہر واپس آ گیا ہے اور عنقریب دربار کرنے والا ہے۔ دربار ہی میں ان کو طلب کیا جائے گا۔ لیکن ہارون کو جلدی تھی۔ کیونکہ اسے ہدایت تھی کہ وہ بہت جلد واپس آئے مگر بغیر داہر سے ملے اور جواب لئے واپس بائبلے کا رہتا تھا۔ اس لئے وہ ٹھہرا ہوا تھا اور نہایت بے چینی سے دربار کا انتظار کر رہا تھا۔

ایک روز چند ہندو آئے اور انہوں نے کہا کہ دربار لگا ہوا ہے آپ کو مہاراجہ نے طلب کیا ہے۔ فوراً یہ سب لوگ ہتھیار لگا کر ان کے ساتھ ہوئے۔

دربار کی عمارت محلوں کے قریب تھی۔ یہ لوگ اس عمارت میں داخل ہوئے۔ نہایت شاندار عمارت تھی۔ خوب سجائی گئی تھی۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا۔ اس میں دو روپہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں پر درباری بیٹھے تھے۔ مگر سب دہوتیاں باندھے ہوئے تنگے بدن تھے۔ کمرے کی سطح سے تین گز اونچا ایک چبوترہ تھا۔ اس پر سنگھاسن تھا اور راجہ داہر اس پر بیٹھا تھا۔ اس کے داہنی طرف اس کی بہن مانی جس سے اس نے شادی کی تھی اور جواب رانی بن گئی تھی بیٹھی تھی۔

اس کے قریب ہی حسین دہری جلال رانی لادی ایک تکیہ کے اوپر جھکی ہوئی تھی اور بائیں طرف تیسری رانی تھی۔ یہ تینوں رانیاں اعلیٰ قسم کی ساڑھیاں شلوکے اور زیورات پہنے تھیں۔ ایک تو وہ تینوں تھی ہی حسین! دوسرے ان کے لباس اور زیورات نے انہیں اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ مگر ان تینوں میں سے سب سے زیادہ خوب صورت رانی لادی تھی۔ کچھ نوجوان مہ پارہ داسیاں اگینزیں تخت کے پیچھے کھڑی گس رانی کر رہی تھیں۔

چبوترے کے نیچے بدھی من وزیر اودھے سید راہہ داہر کا بیٹا کرسیوں پر بیٹھے تھے تمام درباری۔ راجہ۔ رانیاں اور کینزیں غرض کہ سب خاموش تھے اور مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے ہارون اور سارے مسلمان بغیر کسی جھجک کے بڑھ کر چبوترے کے قریب جا کھڑے ہوئے۔

بدھی من وزیر نے ہارون سے کہا۔ اگر تم خلیفہ کا کوئی مراسلہ لائے ہو تو پیش کرو۔ ہارون نے کہا۔ جی ہاں! میں ایک مراسلہ لایا ہوں لیکن اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین کا نہیں بلکہ۔۔۔ بدھی من نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا اور!

ہارون۔ اعلیٰ حضرت کے بلا و شرفیہ کے وائسرائے حجاج کا!

بدھی من۔ خیر کسی کا ہو دو تاکہ مہاراج کے حضور میں گزارنا جاوے۔

بارون نے مراسلہ نکال کر بدھی من کو دیا۔ بدھی من اسے لے کر بیڑھیوں پر چڑھا اور داہر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ داہر نے دریافت کیا کیا ہے؟
 بدھی من نے کہا۔ اندانا! خلیفہ کے واسرائے حجاج کا مراسلہ ہے۔
 داہر۔ اسے کھول کر پڑھو! مگر باواز پلندہ!
 بدھی من۔ بہت اچھا!

اب بدھی من نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:
 بسم اللہ الرحمن الرحیم (شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) یہ خط حجاج بن یوسف کی طرف سے ہے۔ یہ ہمارا ابو داہر کے نام جو سندھ کا حکمران ہے ا

مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات عرض کرنی ہے کہ اٹھاونہ مسلمان جن میں مرد و عورتیں اور بچے سب شامل ہیں۔ جزیرہ سراندیپ سے بھرہ آ رہے تھے۔ بدقسمتی سے طوفان آگیا اور جہاز دہلی کے ساحل پر جا پہنچے۔ وہاں آپ کے سپاہیوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔

مجھے خیال ہے کہ یہ ناخوشگوار واقعہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا اور نہ ہمارے اور آپ کے درمیان مناقشات نہیں ہیں۔ ہم مسلمان کسی مسلمان کو کسی مصیبت میں گھرا ہوا نہیں دیکھ سکتے نہ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت زدہ مسلمان کی مدد کرے اس لئے میں عرض گزار ہوں کہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو رہا کر کے تمام مسلمانوں کو مشکور فرماویں۔

داہر خط سن کر ہنسا اس نے کہا۔ کس قدر بے وقوف ہے یہ حجاج اس نے اتنا نہ سوچا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا ہے تو رہا کیوں کریں گے۔

بدھی من نے کہا۔ مگر حضور ان کا رہا کر دینا ہی مناسب ہے!

داہر نے خستونت کے انداز سے کہا کیوں؟

بدھی من۔ اس لئے کہ مسلمان انھیں چھڑانیکے لئے حملہ کریں گے!

داہر۔ تو کیا میں مسلمانوں کے حملہ سے ڈر جاؤں!

بدھی من۔ بے کار خونریزی سے فائدہ بھی کیا ہے!

تم حجاج سے کہدو کہ ہمارا ج مسلمانوں کو رہا نہیں کرتے ہیں۔

ہارون - بہتر ہے (راجہ سے) انتظار کیجئے اس وقت کا جب کہ شیران اسلام چاروں طرف سے تم پر ٹوٹیں گے اور تمہارا سر کاٹ کر تمہارے غرور کو خاک میں ملا دیں گے۔

واہر کو بہت غصہ آیا۔ اس نے جوش میں آکر تلوار کھینچی لیکن ابھی تلوار میان سے باہر بھی نہ نکل سکی کہ مائی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ نامتھا! دربار میں خود نیزی نہ کیجئے۔ واہر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ جاؤ تم رانی کی بہرانی سے بچگئے بس چلے جاؤ اور حجاج سے کہدو کہ اگر اسے حوصلہ ہے تو مسلمانوں کو چھڑا کر لے جائے۔

ہارون - بچ ہم نہیں گئے بلکہ تم بچ گئے اچھا ہم جا رہے ہیں آپ ابھی سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کیونکہ ہمارے جاتے ہی اسلامی لشکر ایک سیلاب کی طرح آئے گا۔ اور سارے سندھ کو تمہارے ناپاک وجود سے پاک کر دے گا!

واہر خاموش رہا۔ ہارون اور اس کے ساتھی لوٹے۔ دربار سے نکلے قیام گاہ پر آئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اسی وقت روانہ ہو گئے۔



”ہمدرد محافظ“

جوگنی کا لوگ احترام نہ کرتے تھے بلکہ اس سے ڈرتے تھے۔ چونکہ وہ اسے جادو کرنی سمجھتے تھے اس لئے اس کی تعظیم کرتے تھے نیز اس کے غصہ سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ جوگنی آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لبانیزہ تھا۔ وہ آکر جب کھڑی ہوئی تو سارے ہندو مرد اور عورتیں نظریں جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ مسلمان اس کی طرف دیکھتے رہے انھوں نے اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ سمندر کے کنارہ پر اسے دیکھا تھا۔

وہ اس کے مشکور تھے کیونکہ اس نے سپاہیوں سے ان کے چھوڑنے کی سفارش تھی۔ ابی نے نظریں اٹھا کر جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ماما جی! آج ورڈن دینے کا کیا کارن ہے (کیا وجہ ہے)؟

جوگنی نے کہا۔ کیا آپ کو وہ پیشین گوئی یاد ہے جو آج سے مدتوں پہلے بڑے بڑے نجومیوں نے کی تھی۔

ابی۔ کونسی پیشین گوئی کے متعلق آپ کہہ رہی ہیں؟
جوگنی۔ مسلمان کی آمد کے متعلق؛

ابی۔ یاد ہے ماما!

جوگنی۔ بھلا کیا پیشینگونی کی گئی تھی؟

ابی۔ یہی کہ مسلمان سندھ پر قبضہ کر لیں گے۔

جوگنی۔ اور اب مسلمان سندھ میں داخل ہو گئے ہیں۔

ابی نے حیرت سے جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا مسلمانوں کا لشکر سندھ میں داخل

ہو گیا ہے؟

جوگنی تم کو ابھی یہی حیرت ہے۔

ابی اور

جوگنی نے نیزہ سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے قیدی مسلمان

نہیں ہیں؟!

ابی ہاں! یہ مسلمان ہیں! مگر

جوگنی مگر کیا؟

ابی یہ قیدی ہیں!

جوگنی اور ان قیدیوں ہی کی وجہ سے سندھ مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔

سمنی نے جوگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کس طرح سے ماما۔

جوگنی۔ مسلمانوں میں اس قدر اتفاق اور اتحاد ہے کہ اگر ان کا ایک آدمی بھی کسی

ملک میں گرفتار کر لیا جاتا ہے تو ساری دنیا کے مسلمان بے قرار ہو کر اس کو چھڑانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

سمنی۔ کیا آپ کے خیال میں مسلمانوں کا خلیفہ ان مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے اتنے

دور و درازنا صلے پر آئے گا۔

جوگنی۔ یقیناً! تم مسلمانوں کو نہیں جانتے ہو!

سمنی۔ میرے خیال میں یہ غیر ممکن ہے!

جوگنی۔ مگر مجھے ممکن نظر آ رہا ہے۔

سمنی۔ اگر انھوں نے ایسی جرات کی بھی تو ہم سندھی ہر حملہ آور مسلمان کو مار ڈالیں گے۔

جوگنی۔ غیر ممکن ہے! اگر تم ان کے ایک دو شکروں کو شکست بھی دیدو گے تب بھی

ان کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوگا۔ جب تک کہ وہ تم سے انتقام نہ لے لیں گے۔

سمنی۔ کیا ہم سندھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے؟

جوگنی۔ بالکل نہیں!

سمنی۔ نہیں ماما جی! ایسا نہ ہوگا۔

جوگنی نے جوش میں آکر کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ افسوس! جو کچھ مجھے نظر آ رہا ہے اُسے

تم نہیں دیکھ سکتے۔

سمنی۔ ماما جی! ہم کو بھی دکھا دیجئے! جوگنی کچھ سوچنے لگی۔ ابی نے کہا۔ ہاں! دکھا دیجئے ماما جی! جوگنی نے آہستہ آہستہ سے سر اٹھا کر کہا۔ اچھا! میں تم کو دکھا دوں گی مگر ان داسیوں سے مدد کہ وہ اپنے کمروں میں چلی جائیں:-

سمنی نے کہا۔ ماما جی! انھیں بھی دیکھ لینے دیجئے! جوگنی۔ نہیں یہ ڈر جائیں گی! داسیوں نے جھپک کر کہا۔ نہیں ماما جی! ہم ڈرنیگی نہیں! جوگنی۔ اچھا! تم جانو مجھے گروٹے جو علم دیا ہے آج سب کے سامنے اس علم کا کرشمہ دکھانی ہوں۔ مگر اسے دیکھنے سے پہلے یہ بتا دوں کہ جو واقعات نظر آئیں گے وہ پیش آنے والے ہیں گزرے ہوئے نہیں ہیں۔

سمنی۔ اچھی ماما! جوگنی پیچھے ہٹ کر تن کر کھڑی ہو گئی اس نے زیر لب کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتی رہی۔ دیر تک پڑھتی رہی کبھی کبھی اپنے سر کو جھٹکا دے لیتی تھی۔ اس کے سر کے غبار آلود گنجان بال اس کی پشت اور سینے پر بکھر گئے تھے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئی تھیں۔ اس کی صورت نہایت خوفناک معلوم ہونے لگی تھی اب اس نے نیزہ آسمان کی طرف اٹھا کر بلند آواز سے کہا۔ دیکھو!

سب کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ آفتاب چمک رہا تھا۔ جوگنی کے نیزے سے کچھ شعاعیں نکلیں اور فضا میں پھیلنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں نیزے سے نکل ہوئی شعاعوں نے آفتاب کی شعاعوں کو ڈھک لیا اور اب ایسا سماں بندھ گیا جیسے کہ ہلکا سا ابر آگیا ہو۔ سب کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر جنگل نظر آنے لگا۔ درخت۔ دریا۔ سبزہ سب صاف طور پر معلوم ہونے لگے۔

سب نہایت حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً گیارہ سوار گھوڑے ڈورتے نظر آئے۔ ان کا لباس عربوں کا سا تھا۔

جوگنی نے کہا۔ قاصد یہ قاصد ہیں جو مہاراجہ داہر کے دربار میں آ رہے ہیں۔

وہ نکلے چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد پھر نمودار ہوئے۔ جوگنی نے پھر کہا۔ تمام ناکام واپس جا رہے ہیں۔

وہ پھر غائب ہو گئے اور کچھ ہی وقفہ کے بعد ہزاروں سوار اسی لباس میں نظر آئے۔ بیسیوں علم بہا رہے تھے۔ یہ علم اسلامی تھے اور ایک بڑا علم تھا جو کہ ایک نوجوان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ نوجوان نہیں بلکہ ایک لڑکا تھا جس کی عمر تندرہ سال کی تھی۔ انھی موٹھوں۔ دار بھی کچھ بھی نہ نکلا تھا۔ نہایت شان دار اور بڑا تھا۔ جوگنی نے کہا۔ دیکھو فاتح سندھ کی صورت دیکھو۔ اب اس نے پھر کچھ پڑھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ جنگل۔ دریا اور سبزہ وغیرہ سب غائب ہو گیا اور آفتاب اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔

جوگنی نے اپنا نیزہ جھکایا اب بھی اس کا چہرہ لال اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ سب پھر جوگنی کی طرف دیکھنے لگے وہ اب بھی کچھ پڑھ رہی تھی تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ دیکھو یہاں تم سب نے۔

ابنی نے کہا۔ ہاں باتا دیکھ لیا۔ آج تم نے ایک نئی بات دکھائی ہے۔

جوگنی۔ میں پہلے ہی یہ سب کچھ دیکھ چکی ہوں۔

ابنی۔ مگر ماما جی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ لڑائی بھی ہوگی!

جوگنی۔ میں نے اتنا زمین و آسمان کے ڈر جائیکے اندیشہ سے جنگ کا منظر نہیں دکھایا ہے۔

سمنی۔ تو ماما، آپ کو جنگ کا نتیجہ بھی معلوم ہو گیا ہے؟

جوگنی۔ ہاں!

سمنی۔ کیا ہو گا۔

جوگنی۔ داہر کی حکومت مٹ جائے گی۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو جائیں گے۔ ملک ویران ہو جائے گا۔

سمنی۔ مگر جو لڑکا نظر آیا ہے وہ فاتح سندھ نہیں ہو سکتا!

جوگنی۔ مگر ماما اطمینان رکھو اگر یہ لڑکا لڑتیکے لئے آیا تو اس شیر خوار بچہ کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔

جوگنی ہنس اور اس نے کہا۔ مگر یہی بچہ سندھیوں کا قافیہ تنگ کر دے گا!

سمنی۔ کبھی نہ کر سکے گا!

جو گئی نے ابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پنڈت جی قسمت کا لکھا انہیں مٹ سکتا یہ ملک
کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں ان کی سمت ماری گئی ہے میل کام سمجھانا تھا۔ سمجھا دیا۔ اب تم اپنی فکر کرو۔

ابی۔ مجھے کیا اندیشہ ہے مانا؟

جو گئی۔ جو لوگ مسلمانوں پر سختی کریں گے مسلمان ان سے انتقام لیں گے اور جوان پر مہربانی
کریں گے وہ بھی ان پر مہربانی کریں گے سمجھ گئے؟

ابی۔ سمجھ گیا!

جو گئی چھپے ہٹ گئی۔ کچھ دور تک چلی اور پراسرار طریقہ پر غائب ہو گئی! سمنی نے کہا یہ جادو کرنی
ہے نظر بندی کر دیتی ہے جھلا ایک ایسا لڑکا جس کی واڑھی اور مونچھیں دونوں نڈارو ہیں کیا میدان
جنگ میں آکر لڑ سکتا ہے۔

ابی۔ میرے خیال میں نہیں لڑ سکتا۔ ہمارے دیس کے (ملک کے) اتنی عمر کے بالک
(لڑکے) تو رات کو گھر سے باہر بھی نہیں نکلتے۔

سمنی چلا گیا۔ پانڈے اور داسیاں بھی چلی گئیں ابی قیدیوں کو لے کر اس برج میں پہنچا جو مندر
کے قریب ہی تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اس کے اندر داخل ہوا اور قیدیوں کو لے کر زینہ سے
نیچے اترے گا۔ یہ زینہ کافی چوڑا تھا۔ سیرے صیال چوڑی تھیں لیکن جوں جوں وہ نیچے اترتا تھا اندھیرا
بڑھتا جاتا تھا۔

چنانچہ جب یہ سب نیچے ایک کمرے میں پہنچے تو وہاں گھٹا ٹوپ اندھیرا اچھایا ہوا تھا۔ ابی
تمام خانہ سے بخوبی واقف تھا۔ وہ ٹٹول ٹٹول کر ایک طرف بڑھا اور اس طرف کا ایک دروازہ
کھول کر دوسری طرف نکل گیا۔ مسلمان بھی اس کے ساتھ ہی پہنچے۔

اب وہ ایک کٹاؤ کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں روشندانوں کے ذریعہ سے روشنی اور ہوا آ رہی
تھی اور اس قدر اجالا تھا کہ ہر چیز فریضات نظر آتی تھی۔ ابی نے مسلمانوں سے کہا۔ اگر میں تم کو کھول دوں
تو تم میرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہ کرو گے۔

کئی مسلمانوں نے کہا۔ بالکل نہیں! ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔

ابی۔ میں نے مسلمانوں کی یہی تعریف سنی ہے۔ اچھا میں تم کو کھولے دیتا ہوں۔

ابی نے ایک مسلمان کی رسیاں کھول دیں اور پھر دوسرے کی کھولنے لگا ایک کی اس نے

کھولیں اور دوسرے کی مسلمان نے کھول دیں اور اس طرح سے نہایت عجلت کے ساتھ سب کی

رستیاں کھول دی گئیں۔

رستیاں کھل جانے سے مسلمانوں کی تکلیف میں کچھ افاقہ ہو گیا خصوصاً عورتوں اور بچوں کو تو بہت ہی آرام ملا۔ مسلمانوں نے ابی کا شکر یہ ادا کیا۔ ابی نے کہا۔ میں انسان ہوں اور تم بھی انسان ہو۔ میری انسانیت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمہاری خدمت کروں۔

اسلم نے کہا۔ اگر خدا نے ہم کو آزاد کر دیا تو ہم آپ کے احسان کا معاوضہ بالضرور ادا کریں گے۔ ابی۔ مجھے اس کا یقین ہے تمہیں جب اور جس چیز کی ضرورت ہو بلا توقف مجھ سے کہہ پا کرنا۔

اسلم۔ بہت اچھا!

ابی۔ اچھا! اب میں رخصت ہوتا ہوں!



”فرمان“

حجاج نے جب سرانديپ کے مسلمانوں کے قید ہو جانے کی خبر سنی اسی وقت سے بے چین ہو گیا۔ اُسے ہندوؤں پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ جنہوں نے بلاوجہ انہیں قید کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد دربار خلافت سے حملہ کرنے کی اجازت آجائے اور وہ مظلوم مسلمانوں کو رہا کر نیکے لئے فوراً روانہ کر دے۔ نیز تمام مسلمانوں کو بھی بڑا فکر اور رنج تھا۔ چونکہ جمعہ کے روز حجاج نے یہ تمام واقعات مسلمانوں کو بتا دیئے تھے۔ اس لئے بصرہ میں گھر گھر مسلمان قیدیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ بہر شخص کو جوش اور غصہ آ رہا تھا۔ ہر ایک ان کا انتقام لینے کے لئے جنگ پر جانے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ یہیں تک میں جوش و غضب کی لہر دوڑ گئی تھی اور جب کبھی وہ آپس میں اکٹھے ہوتے تھے تو یہی ذکر کرتے تھے اور یہ ذکر کرتے کرتے غضب ناک ہو کر اس طرح سے اٹھ کھڑے ہوتے تھے جیسے کوہ لڑنیکے لئے جا رہے ہوں۔

عورتوں میں بھی انہیں کا تذکرہ تھا۔ سب سے زیادہ انہیں ہی غم و فکر تھا۔ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر کر ان کا ذکر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ نہ معلوم وہ کس حال میں ہیں۔ دشمنوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔ بچے بھی ہیں یہ اللہ میاں نے کیا کیا؟ غرضیکہ مسلمانوں کا ہر فرد پریشان اور مضطرب تھا اور خلیفہ کے فرمان کا انتظار کر رہا تھا۔ اکثر لوگ دوپہر کے وقت اس راستے پر چلے جاتے تھے جو دمشق کو جاتا تھا اور دن چھپے تک قاصد کا انتظار کرتے رہتے اور آفتاب غروب ہوتے کے بعد یا بس ہو کر واپس چلے آتے۔ خود حجاج کو بھی سخت انتظار تھا۔ عورتیں مردوں سے اور بچے عورتوں سے روزانہ قاصد کے متعلق دریافت کر لیتے تھے۔ سچ پوچھو! تو بصرہ والے اس قدر بے قرار ہو رہے تھے کہ ان کا کھانا پینا۔ سونا اور آرام کرنا وغیرہ سب کچھ جانا رہا تھا۔ بہر شخص پانچوں وقت نماز پڑھ کر ان مسلمانوں

کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتا تھا۔

ایک روز ایک سائڈ ہنی سوار و مشق سے آنا نظر آیا۔ جو لوگ قاصد کو دیکھنے کے لئے آج بھی گئے تھے۔ اسے وہ دور ہی سے دیکھ کر خوش ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔ لو مبارک ہو قاصد آ رہا ہے۔

سب بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھ گئے۔ جب وہ قریب پہنچے تو سائڈ ہنی سوار نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ جب وہ ان کے برابر کھڑا ہوا تب ایک مسلمان نے دریافت کیا۔ کیا تم و مشق سے آ رہے ہو؟

سائڈ ہنی سوار نے جواب دیا۔ جی ہاں!

وہی مسلمان۔ کیا خلیفہ کا فرمان لائے ہو؟

سوار۔ ہاں۔

سب یہ معلوم کرنے کے لئے یہ چین ہو گئے کہ خلیفہ نے کیا حکم دیا ہے۔ چنانچہ کئی آدمیوں نے دریافت کیا۔ کچھ معلوم ہے کہ خلیفہ نے کیا حکم دیا ہے؟

سوار۔ مہم نبھانے کی اجازت دے دی۔

سب نے خوش ہو کر کہا۔ خدا کا شکر ہے۔

اب یہ سب چلے اور لبصرہ میں داخل ہوئے فوراً ہی تمام شہر میں قاصد کے آنے کی خبر پھیل گئی۔ ہر شخص مسجد کی طرف دوڑنے لگا۔ مرد تو مرد بچے بھی بھاگ بھاگ کر آنے لگے۔ حقوڑے ہی عرصہ میں مسجد آدمیوں سے بھر گئی۔ حجاج پہلے ہی آچکا تھا اور قاصد سے فرمان لے کر پڑھ چکا تھا۔ اب وہ مکبر پر آیا اور اس نے بلند آواز سے کہا۔

مسلمانوں! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم سب ہی مظلوم مسلمانوں کے لئے اسی طرح سے تڑپ رہے تھے۔ جس قدر میں بے قرار تھا۔ نیز مجھے یہ بھی خبر ہے کہ سینکڑوں مرد۔ عورتیں اور بچے روزے رکھ رہے ہیں اور سارے مسلمان پانچوں وقت نماز پڑھ پڑھ کر مظلوم مسلمانوں کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں سے کیا خطا ہو گئی ہے۔ جو چند مسلمانوں کو بتلائے مصیبت کر کے خدا نے سارے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے۔ یاد رکھو جو خدا کو یاد کرتا ہے خدا اسے یاد کرتا ہے اور جو خدا کو بھول جاتا ہے خدا اسے بھول جاتا ہے تمہاری دعائیں اور روزے بے کار نہ جائیں گے خدا نے چاہا تو ہم مسلمانوں کو

آزاد کرالائیں گے جس طرح سے آپ اور میں بے قرار ہو رہے ہیں اس سے زیادہ خلیفہ المسلمین بے قرار ہو گئے ہیں۔ میں آپ کو ان کا فرمان سنا تا ہوں۔

”فرمان“

بسم اللہ الرحمن الرحیم (شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے) از جانب بندہ خدا ولید بن عبد الملک خلیفۃ المسلمین بجانب حجاج بن یوسف ثقفی وائسرائے بلاد مشرق۔ بعد حمد و صلوات کے واضح ہو کہ تمہارا عزیزینہ پیچھا۔ سرانڈیپ کے مسلمانوں کے قید ہو جانے کی خبر سن کر اس قدر اضطراب ہوا کہ بھوک اور نیند سب اڑ گئی ہے ایک مسلمان کا بال بیکا ہونے سے یہ اچھا ہے کہ میں مریاؤں مسلمان اور تو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کسی مسلمان کو مصیبت میں مبتلا دیکھے۔ خدا اور خدا کے رسول کا یہ فرمان ہے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پھر ایک بھائی کو دوسرا بھائی تکلیف میں کیسے دیکھ سکتا ہے اور اگر کوئی دیکھ سکے تو وہ مسلمان نہیں ہے تم کو اجازت دی جاتی ہے کہ تم فوراً سندھ پر لشکر کشی کرو اور جس شیر دل بہادر افسر کو مناسب سمجھو۔ اس مہم پر مامور کرو۔ لیکن سندھ بہت دور دراز فاصلہ پر ہے۔ معمولی مہم نہ بھیجی جائے اور نہ معمولی لوگوں کو بھرتی کر کے بھیجا جائے بلکہ تجربہ کار اور پر جوش مجاہدوں کو بھیجا جائے اور ان کو ہدایت کر دیجائے کہ اول وہ صلح و آئشی سے کام لیں اگر مفروضہ متکبر راہ نہ مانے تو جنگ کریں اور اس وقت تک لڑیں جب تک کہ یا تو تمام مجاہدین شہید ہو جائیں یا راہمہ کو نہ مار ڈالیں۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ کسی مندر یا معبد گاہ کو نہ گرائیں کسی عورت کسی بچے۔ کسی بڑھے۔ کسی بیمار کو نہ ستائیں۔ نہ کھینٹی کو پامال کریں نہ جلائیں۔ آبادی کو آگ نہ لگائیں غنیم کے فریب میں نہ آئیں۔ غنائے پڑھتے اور روزے رکھتے رہیں مسلمان جس قدر خدا کو یاد کریں گے خدا ان پر اسی قدر لطف و رحم کرے گا۔

اگرچہ میں اور دمشق کے رہنے والے مجاہدوں سے دور ہوں گے مگر ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی۔ آج سے حکم دے دیا گیا ہے کہ ہر مسجد میں مسلمانوں کی عافیت اور مجاہدوں کی فتح یابی کے لئے دعائیں مانگی جائیں فقط اور تمام مسلمانوں سے سلام علیک۔

(ولید بن عبد الملک)

اس فرمان کو سن کر تمام مسلمان بے حد خوش ہوئے اور انہوں نے جوش و مسرت سے مسرور ہو کر نعرے لگائے ولید زندہ باد خلیفۃ المسلمین زندہ باد۔ امیر المؤمنین کی عمر و زائر۔

ان نعروں سے نہ صرف مسجد بلکہ تمام فضا گونج گئی۔ جب نعروں کی گونج کم ہوئی تو حجاج نے کہا چونکہ اس وقت تمام اہل الرائے موجود ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اہم مجمع میں اس افسر کا انتخاب کر لیا جائے جس کی سرکردگی میں یہ مہم روانہ کی جائے گی۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں آپ ہم سے بہتر جانتے اور آپ ہی اس کا انتخاب کریں۔ حجاج۔ مجھے خوف ہے کہ جس کا نام میں پیش کروں گا تم شاید اسے منظور نہ کرو۔ پھر سب نے کہا۔ ہم کبھی اعتراض نہ کریں گے۔

حجاج اچھا تو سنو! میں اس مہم پر اسے بھیجنا چاہتا ہوں۔ جو ابھی بچہ ہی ہے جس کے دائرہ ہی اور مونچھ کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن جو شیر سے زیادہ بہادر ہے مخلص مسلمان ہے۔ پر جوش مجاہد ہے اور جس نے فارس میں کارہائے نمایاں انجام دے کر کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے اور اگر ابھی نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ وہ بیلر چچرا بھائی ہے جس کا نام محمد قاسم ثقفی ہے۔

سب نے کہا۔ تہایت مناسب ہے محمد قاسم جیسا ہی شیر دل اس مہم پر جانے کے قابل ہے۔

حجاج۔ مجھے اس کا نام لینے میں اس وجہ سے پس و پیش تھا کہ تم یہ نہ کہو اپنے قرابت

لے بعض مورخ محمد قاسم کو محمد بن قاسم ابو القدا محمد بن قاسم بھی لکھتے ہیں لیکن مستند مورخوں نے محمد قاسم ثقفی لکھا ہے اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ (مناق۔ صدیقی)

دار کو چچا زاد بھائی کو بڑے بڑے لوگوں پر فضیلت دے دی۔ میں پھر ایک مرتبہ کہتا ہوں کہ اگر یہ انتخاب نامناسب ہو تو کسی اور کو منتخب کر لو۔

پھر سب نے کہا۔ نہیں یہ انتخاب نہایت موزوں اور مناسب ہے ہم سب قاسم کے شجاعانہ کارناموں سے خوب واقف ہیں۔

حجاج۔ سوئے اتفاق سے اس وقت میرا عمزادہ برادر محمد قاسم یہاں آیا ہوا ہے اور اس نے ہی مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ اسے اس مہم پر جانے کی اجازت دی جاوے۔ مگر وہ افسوس نہ کر نہیں بلکہ خادم بن کر جانا چاہتا ہے اور محض حصولِ ثواب کی غرض سے۔ ایک شخص نے کہا۔ وہ بے نفس نوجوان ہے خادم بنا کر نہیں اسے مخدوم بنا کر ہی اسے بھیجنا چاہیے۔

اب حجاج نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے عزیز برادر اور تمام مسلمانوں کا شکریہ ادا کرو۔

ایک نوجوان اٹھا اور حجاج کے پاس مکیہ پر اکھڑا ہوا۔ وہ بالکل بے ریش اور بیروت کا ایک لڑکا تھا۔ نہایت خوب صورت اور چوڑا چکلہ تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی سے اقبال مندی اور بڑی بڑی آنکھوں سے فراست ٹپکتی تھی۔

اس نے مکیہ پر آتے ہی سلام کیا اور کہا۔ میرے بزرگو اور دوستو! جب سے میں نے یہ سننا ہے کہ سندھ کے مغزور و متکبر راجہ نے سراندرپ سے آنے والے مسلمانوں کو بلا قصور گرفتار کر لیا ہے۔ میرے دل کا چین اڑ گیا ہے۔ قسم لے لیجئے جو میں نے اس وقت سے بیٹ بھر کر روٹی کھائی ہو۔۔۔۔۔ کیسے روٹی کھانا اور کیسے آرام کرنا جب کہ میرے بھائی اور بزرگ مصیبت میں مبتلا ہوں۔ میں نے اپنے بھائی سے عرض کیا تھا کہ مجھے عوام اناس کے زمرہ میں سندھ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں شیطان سمیرت ہندو راجہ سے جنگ کے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر سکوں۔ مگر مجھ ناقابل کا انتخاب افسر ہی کے لئے کر لیا گیا ہے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں سردار بننے کے قابل نہیں ہوں۔ میں ایک سپاہی ہوں۔ مگر جب کہ آپ مجھے افسری کی عزت دے چکے ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں اپنی جان تک اس مہم میں دینے سے دریغ نہ کروں۔ میری استدعا ہے کہ آپ سب اصحاب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے کمزور اور ناتجربہ کار انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے فتح عطا فرمائے۔

سب نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگیں۔ بچے سجدوں میں گر گئے اور انہوں نے رورو کر کہا۔ اے اللہ میاں! اسے ہمارے خدا! محمد قائم کو فتح عطا کرنا۔ اس کی حفاظت کرنا اور جو مسلمان قید ہیں انہیں رہائی دلانا۔

اب حجاج نے کہا۔ میں اس قاصد کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ جو راجہ داہر کے پاس بھیجا گیا ہے اگر اس نے مسلمانوں کو رہا کر دیا تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ورنہ انکار کی صورت میں فوراً ہم روانہ کر دیجائے گی۔

آپ تمام اصحاب سے استدعا کی جاتی ہے کہ ہر شخص ہر نماز کے بعد مسلمانوں کی رہائی اور فتح یابی کی دعا کرے۔

چونکہ اب کسی کو اور کچھ کہنا نہ تھا اس لئے حجاج اور محمد قائم دونوں مکہ سے نیچے اتر آئے مسلمانوں نے انہیں کانعرہ لگایا اور اٹھ اٹھ کر وہاں سے چلنے لگے۔



کوئچ

جب سے سندھ پر لشکر کشی کی اجازت دربار خلافت سے آگئی تھی۔ اس وقت سے مسلمانوں نے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ کیونکہ کسی پھلمان کو بھی یہ خیال نہ تھا کہ راجہ داہر مسلمانوں کو رہا کر دے گا۔ لیکن مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ پہلے تمام حجت کر لیتے ہیں چنانچہ حجت کو تمام کرنے کے لئے ہی حجاج نے قاصد کو بھیجا تھا اور اب تمام مسلمان اس قاصد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے ہر انتظار کی حد ہوتی ہے آخر اس انتظار کی حد بھی ختم ہو گئی اور ہارون واپس آ گیا۔ اس نے تمام روئداد حجاج کو سنا دی۔ حجاج کو پہلے ہی یہی توقع تھی۔ دوسرے روز تمام مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ داہر نے صلح کی درخواست مسترد کر دی۔ اب زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ منجینتیں درست کی جانے لگیں۔ منجینتیں چھوٹے چھوٹے برج ہوتے تھے۔ جن کے ذریعہ سے قلعوں پر سنگ باری کی جاتی تھی۔

بعض منجینتیں تو اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ پانچ پانچ سو آدمی کھینچتے تھے اور جب وہ کام دیتی تھیں۔ ان میں ایک منجینتیں نہایت بڑی تھی۔ اس کا نام عرو و سک تھا۔ یہ منجینت خاص ہیر لومین کی تھی۔

چونکہ تمام مسلمانوں کو جوش آ گیا تھا اس لئے ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ اس مہم پر ضرور بھیجا جائے۔ مگر حجاج نے اعلان کر دیا تھا کہ صرف چھ ہزار مجاہدین جائیں گے۔ یہ اتنی محفوظی تعداد مقرر ہوئی کہ ہر ایک شخص کو اندیشہ ہو گیا کہ وہ جاسکے گا یا نہیں۔ اس کے علاوہ اس مہم کا پورا تمام ملک شام اور سارے عراق میں پھیل گیا اور ہر طرف سے مجاہدوں کے گروہ بصرہ میں آئے لگے۔ اب یہ وقت پیش آگئی کہ جو لوگ دور سے آئے تھے ان کو مایوس کر کے واپس بھیجنا ان کی انتہائی دل شکنی تھی۔ چنانچہ ملک شام سے جس قدر مجاہدین آئے تھے وہ سب

کے سب سے لئے گئے اور باقی عراق سے آنے والے کو لیا گیا۔

اس طرح سے چھ ہزار کی تعداد پوری ہو گئی اور مصر کا ایک شخص بھی نہ لیا جاسکا جو لوگ عرصہ سے تیلریاں کر رہے تھے۔ وقت پر مایوس ہو جانے سے ان کو بڑا افسوس ہوا۔ لیکن وہ حجاج کی مجبوری کو خوب جانتے تھے یہی وجہ تھی وہ خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر بھی انھوں نے کوشش کی کہ جو لوگ لشکر میں شامل کر لئے گئے ہیں ان میں سے کوئی انکار کر دے۔ مگر تمام لشکر میں سے ایک بھی ایسا شخص نہ نکلا اگرچہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ سندھ پر لشکر جارہا تھا۔ جہاں لا تعداد ہندو تھے۔ بے شمار لشکر تھا۔ زندہ بچ آنے کی توقع نہ تھی۔ مگر ذوق شہادت ان کو سفر کی تکلیفیں سہنے اور موت کے منہ میں جانے کیلئے برا نگوختہ کر رہا تھا۔ یہ لوگ تنخواہ دار نہ تھے نہ مال غنیمت کی طمع رکھتے تھے۔ محض بوش جہاد۔ خدا کی خوشنودی اور ذوق شہادت انہیں کھینچنے لئے جارہا تھا۔

حجاج نے اس لشکر کے لئے تمام ضروریات فراہم کر دی تھیں یہاں تک کہ سوئی اور دھلگے تک کا انتظام کر دیا تھا۔ جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تب اس نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر لشکر روانہ ہوگا۔

یہ اعلان چہار شنبہ کے روز کیا گیا۔ صرف ایک دن درمیان میں تھا۔ مگر یہ ایک دن ہی مجاہدین کے لئے شاق ہو رہا تھا۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے کوچ کر دیا جائے اور اگر کسی طرح سے زمین کی طنائیں کھینچ جائیں تو وہ ایک ہی دو روز میں ملک ہند کے مغربی حصہ پر جا کر جنگ شروع کر دیں اور یا تو وہ شہید ہو جائیں یا تمام ہندوؤں کو قتل کر کے اپنے مظلوم بھائیوں کو بچھڑا لائیں اور جو لوگ اس مہم پر نہ جا رہے تھے وہ مجاہدین کی خدمت کر رہے تھے۔ ہر ہر شخص سے بار بار پوچھنے تھے کہ اُسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور اگر کوئی جھوٹوں بھی کسی چیز کی فرمائش کر دیتا تھا۔ تو فوراً مہیا کر دی جاتی تھی۔

آخر جمعہ کا دن بھی آ ہی گیا۔ آج صبح سویرے ہی سے لوگ غسل کر کے کپڑے پہن کر جمعہ مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ سارے مجاہدین بھی آ گئے تھے۔ محمد قاسم بھی آ گیا۔ جب نماز پڑھی جا چکی تو حجاج مکبر پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے بلند آواز سے کہا۔

اپنے بھائی مجاہدوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ سب کے سب آگے بڑھ آویں۔
 چنانچہ مجاہدین مکبر کے گرد بیٹھے۔ حجاج نے کہا میں کوئی تقریر کرنا نہیں چاہتا اور نہ تقریر
 ضرورت سمجھتا ہوں۔ صرف چند ہدایات کرنا مقصود ہیں۔ یہ تمام مسلمانوں کو خوب معلوم ہے
 جو جنگ میں شہید ہو جاتا ہے وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور پروردگار عالم اپنے
 پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شہید مرتے نہیں ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ
 لُكُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝
 ترجمہ (جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور

پروردگار ان کو رزق پہنچاتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ شہید ہونے والے مرتے نہیں مگر ان کے خاکی جسم فنا ہو جاتے ہیں۔
 غرضیکہ جہاد میں شریک ہونے والے خواہ شہید ہو جائیں یا فتح یاب ہو کر لوٹ آئیں
 ان صورتوں میں جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں ایک مسلمان کی اس سے زیادہ اور کیا خواہش
 ہو سکتی ہے کہ جنت کا حق دار ٹھہرا دیا جائے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو جہاد میں شریک
 ہوتے ہیں۔

تم اس ملک میں جا رہے ہو۔ جس میں مرد برہنہ اور عورتیں نیم برہنہ رہتی ہیں تمہیں
 رتوں کی طرف مطلق توجیہ نہیں کرنی چاہئے۔ جو شخص عورتوں کے دام فریب میں آگیا۔ وہ دین
 تباہی دونوں کھو بیٹھا۔

ہندوستان میں لوگ پتھروں کی عورتوں اور سونے کے بتوں کو پوجتے ہیں نہ وہ خدا
 و جانتے ہیں اور نہ اس کی پرستش کرتے ہیں تم ان سے دور ہی رہنا کہیں ان کی ہم نشینی
 کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔

پانچویں وقت کی نماز پابندی کے ساتھ پڑھنا اور نفس امارہ کو مارنے کے لئے روزے رکھنا
 ان شریف کی کثرت سے تلاوت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص
 ان شریف پڑھتا ہے وہ اللہ سے باتیں کرتا ہے اگر تم میں کسی بات پر اختلاف رائے
 ہو جس طرف کثرت ہو اس پر عمل کرنا۔

کسی گھر میں آگ نہ لگانا۔ کسی معبد کو نہ گرانا۔ کھیتی کو پامال نہ کرنا۔ عورتوں۔ بچوں۔
 عورتوں۔ بیماروں کو قتل نہ کرنا۔ نہ انہیں ستانا بلکہ ان کی مدد کرنا۔ ہر شخص کے ساتھ نہایت

اخلاق سے پیش آنا۔ امان مانگنے والوں کو امان دینا۔ میں یہ باتیں کچھ اپنی طرف سے نہیں کہ رہا ہوں بلکہ وہ ہدایات ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ اول اور حضرت فاروق خلیفہ دوم مجاہدین کو کیا کرتے تھے۔ بس مجھ کو اسی قدر تم سے کہنا تھا۔ اب تم جاؤ اور سوار ہو کر کھڑے ہوتا کہ تم کو الوداع کہنے کے لئے پھر آؤں۔

تمام لوگوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا اور اٹھا اٹھا ٹھکر روانہ ہونے لگے۔ حجاج اور محمد قاسم بھی اٹھے اور محل میں گئے۔ یہاں حجاج کی بیوی یعنی محمد قاسم کی بھانجی نہایت بے صبری سے اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی لپکی اور اسے اپنے پیٹے کی طرح سے اپنے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ محمد قاسم کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے چچا زاد بھائی نے اس کی پرورش کی تھی اور اسی لئے حجاج کی بیوی اسے بیٹا سمجھتی تھی۔

محمد قاسم اپنے کمرے میں گیا اور مسلح ہو کر واپس آیا۔ اس کی بھانجی نے پھر اسے پیار کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیٹا! خدا تجھے اس مہم میں کامیاب کرے۔ میری دعائیں تیرے ساتھ رہیں گی۔

محمد قاسم نے کہا۔ میں آپ کو اپنی والدہ سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے بے جا فخر کی ہیں مگر آپ نے اور بھائی صاحب نے میری ضدوں کو پورا کیا ہے۔ مجھ سے غلیباں ہوتی ہیں میں نے ضدیں کر کے آپ کو تکلیفیں دی ہیں۔ میں اس وقت جہاد پر جا رہا ہوں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ واپس آؤں گا یا نہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اور بھائی صاحب میری خطاؤں کو ازرہ کر م معاف کر دیں۔

میرے لال! میں نے معاف کر دیا۔ اس کی بھانجی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ حجاج کا بھی دل بھر گیا۔ اس نے کہا۔ میں نے بھی معاف کر دیا میرے بیٹے اب حجاج اور محمد قاسم دونوں چلے۔ محل سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چھاؤنی میں آئے۔ یہاں تمام لشکر تیار کھڑا تھا۔ ان کا سامان پہلے ہی سے روانہ ہو چکا تھا۔ حجاج نے خیرات تقسیم کرنا شروع کی۔ اس قدر صدقات دیئے کہ سزیا مال مال ہو گئے۔

اب حجاج نے تین نعرے اللہ اکبر کے لگائے۔ فوراً سواروں نے اسلامی علموں کے پھر پھر کھول دیئے۔ جو ہوا میں لہر لہنے لگے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا فلک بوس نعرہ لگایا اور نعرہ

لگاتے ہی لشکر نے حرکت شروع کی اور سوار آہستہ آہستہ سے بڑھنے لگے۔

نعرے کی آواز سنتے ہی تمام بصرہ والوں کو لشکر کی روانگی کی اطلاع ہو گئی اور وہ دوڑ دوڑ کر ان کی زیارت کرنے کے لئے آئے لگے۔ حجاج نے محمد قاسم سے کہا دیکھو تم یہاں سے ایران کی طرف میں سے ہوتے ہوئے شیراز جانا۔ وہاں دو روز قیام کر کے مکران میں داخل ہونا اور مکران کو عبور کر کے دیبل کے سامنے جا پہنچنا۔ وہاں جا کر اس وقت تک ٹھہرنا۔ جب تک میں جہاز کو نہ بھیجوں اور وہ جہاز تمہارے پاس پہنچیں۔

میں نے یہ انتقام کر دیا ہے کہ جہاں تک تمہارا لشکر جائے دو دو سوار ہر پانچ میل کے فاصلے پر ٹھہرے رہیں اور جب تم خط بھیجو تو ان میں سے ایک سوار وہیں رہے اور دوسرا سوار دوڑ کر دوسری چوکی والے کو خط دیدے اور دوسرا تیسری والے کو غرضیکہ وہ خط دست بدست ہوتا ہوا میرے پاس پہنچ جائے اور اسی طرح سے میرا خط تمہارے پاس پہنچتا رہے۔ تم روزانہ تمام حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔

محمد قاسم نے بہت اچھا کہا اور سلام کر کے روانہ ہو گیا۔ یہ لشکر جس راستہ سے بھی گزارا مراد بچے خوش ہو ہو کر نعرے لگاتے رہے اور عورتیں پھولوں کی بارش کرتی رہیں۔ آخر بصرہ سے نکل کر شیراز اسلام ایران کی طرف روانہ ہوئے۔



”غمگین قیدی“

بد مہر شہت راجہ داہر طاہرہ کو الور لے کر پہنچ گیا تھا۔ اس نے تمکراستہ اسے پھیلانے اور درغلا کر اسے ہموار کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر طاہرہ نے اس سے بات تک نہ کی تھی۔ راجہ داہر عربی زبان سے بالکل ناواقف تھا اور طاہرہ کی مادری زبان عربی ہی تھی۔ مگر وہ کئی سال مرازیپ میں رہی تھی۔ اس لئے ہندوؤں کی زبان سے بھی واقف ہو گئی تھی اور بڑی فصاحت سے اہل زبان میں بھی گفتگو کر سکتی تھی۔ مگر راجہ داہر سے اسے نفرت تھی اور نہ صرف داہر سے بلکہ ہر ہندو سے۔ اس لئے وہ ان میں سے کسی سے بھی بات تک نہ کرتی تھی۔

جب وہ الور پہنچا تو اس نے طاہرہ کو راج محل کے ایک پر تکلف کمرے میں جا بٹھرایا اور کئی ایک کینیزیں اس کی خدمت پر مامور کر دیں۔ نیز ایک بڑھیا کو بھی اسے سمجھانے یا بہکانے پر مقرر کر دیا۔

اسی دوران میں حجاج کا سفیر ہازون آیا اور راجہ نے اسے نہایت مغرورانہ جواب دے کر رخصت کر دیا۔ غم نصیب طاہرہ کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی اور اگر خبر بھی ہوتی تب بھی وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ اسے راج محل سے باہر آنے کی اجازت نہ تھی۔

داہر نے اس کے لئے پیش بہا جو اہرات کے زیورات اور بیسیلوں ریشمین ساڑھیوں اور شلو کے بھیج دیئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے اسے ممنون بنا کر اپنے ڈھب پر لگالے۔ لیکن وہ نہ جانتا تھا کہ مسلمان عورت یا بردہ لڑکا ہوا لڑکی صریح نہیں ہوتے اور کسی قیمت پر بھی اپنی آبرو نہیں دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کا جو ہر اس کی آب عصمت ہی ہے شریف عورتیں مہربانی ہیں۔ لیکن عصمت پر دھبہ نہیں آنے دیتیں۔ عصمت مآب عورتوں سے خدا اور خدا کا رسول

خدا کے فرشتے سب خوش رہتے ہیں اور دنیا ان کو عزت سے دیکھتی ہے اور جو عورتیں عصمت حیا ناپاب گواہر کھودتی ہیں ان سے خدا اور اس کا رسول ناخوش ہو جاتے ہیں اور فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

دنیا انک ان کو بری نظروں سے دیکھتی ہے بلکہ وہ خود بھی اپنی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہیں۔ طاہرہ پیکر عصمت تھی۔ وہ جو اہرات۔ موتیوں۔ گوہر اور لعل و یاقوت کو اپنی عصمت کے سامنے بے حقیقت سمجھتی تھی۔

چنانچہ اس نے نہ زیورات کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ کپڑوں ہی کی طرف نظر بھر کر دیکھا ہر چند کنیزوں نے اسے سچایا اسے کپڑے بدلنے اور زیورات استعمال کرنے کے لئے کہا مگر اس نے انکار کر دیا اور نہایت استقلال سے اس انکار پر ڈٹی رہی۔

وہ ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا بھی پسند نہ کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ تمام ہندو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مشرک ہیں۔ خدا کی کوئی بھی پوجا نہیں کرتا اور پروردگار عالم مشکوں کو نجس قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (مشرک ناپاک ہیں) ناپاک شخص کی تیار کی ہوئی چیز بھی ناپاک ہی ہوتی ہے۔

اس لئے اس کا جی ان کے ہاتھوں سے تیار کی ہوئی چیزوں کے کھانے کو نہ چاہتا تھا لیکن وہ مجبور تھی۔ اگر اسے خشک رسد سے دی جاتی تو وہ خود تیار کر لیا کرتی۔ مگر خشک چیزیں اسے نہ دی جاتی تھیں اور وہ باہر مجبوری بڑی کراہت کے ساتھ ان کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھاتی تھی۔

ہندو راجہ کے محل میں آکر بھی اس نے ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ ہونے دی۔ جب نماز کا وقت ہوتا۔ وضو کر کے نماز پڑھ لیتی۔ باندھیاں اسے حیرت سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتی جب کئی روز ہو گئے اور طاہرہ داہر کی مرضی پر چلنے کو تیار نہ ہوئی۔ تو اس نے رانی لاند کو اسے ہموار کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ رانی لاندی نہایت نیک۔ بھولی اور صاف گو اور اس کے ساتھ نہایت خوب اسورت بھی تھی۔

وہ طاہرہ کی ہم عمر تھی۔ ایک روز وہ پیش قیمت پرشاک اور لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات لے کر باہر سے ملنے کے لئے گئی۔ اس نے پہلے طاہرہ کو نہ دیکھا تھا۔ البتہ سنا

ضرور تھا کہ اس کے پتی (شوہر) ایک مسلمان لڑکی کو لائے ہیں اور اُسے رنو اس (شاہی محل) میں کھڑا پایا ہے۔

چونکہ یہ کوئی نئی بابت نہ تھی۔ اکثر سندھ کی حسین لڑکیاں راج محل میں داخل ہوتی رہتی تھیں اس لئے اُسے کچھ تعجب نہ ہوا۔ جب وہ طاہرہ کے کمرے کے قریب پہنچی تو اس نے اُسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ رانی لادی تو کیا کسی ہندو نے بھی اس وقت تک کسی مسلمان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی اور متعجب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”اس تے باندھیوں سے دریافت کیا یہ کیا کر رہی ہے؟“

ایک باندھی نے جواب دیا۔ نماز پڑھ رہی ہے۔

لادی نے حیرت سے باندھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نماز کیا۔

پاندھی۔ خدا کی عبادت کر رہی ہے۔

لادی۔ واہ واہ! اور اس کے اُگے نہ پتھر کا خدا ہے نہ سونے کا جب کوئی مورتی

ہی نہیں ہے تو یہ سجدہ کسے کر رہی ہے۔

لادی۔ حضور یہ مسلمان ہے۔ مورتی پوجن ریت پرستی (کو برا بتاتی ہے۔

باندھی۔ اس لئے اس سے دیوی اور دیوتا ناراض ہو گئے ہیں اور اسے قید و بند کی تکلیفیں

اٹھانے کے لئے یہاں بھیجا گیا ہے۔

چونکہ باندھی طاہرہ کے پاس رہتی تھی اس لئے وہ خدا پرستی کے متعلق بہت کچھ واقف

ہو گئی تھی اور جب صبح کے وقت طاہرہ قرآن شریف پڑھتی تھی۔ تو وہ اور اس کے ساتھ دوسری

تمام باندھیاں نہایت سکوت سے بیٹھ کر سنا کرتی تھیں۔

باندھی نے کہا۔ حضور یہ صبح کے وقت کچھ پڑھا کرتی ہے جو کہ نہایت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

لادی۔ کیا پڑھا کرتی ہے؟

باندھی۔ یہ کہتی تھی کہ وہ خدا کا کلام ہے اس کا نام قرآن شریف ہے۔

لادی نے ہنس کر کہا۔ ان مسلمانوں کو یہی ضبط ہے۔ میں بھی کسی روز ضرور سنوں گی۔

اب طاہرہ نماز پڑھ چکی جب وہ دعا مانگ کر اٹھی اور اس نے لادی کو دیکھا تو حیران

رہ گئی۔

حیرت کی بات بھی تھی۔ رانی لادی نے اپنی لمبی لمبی زلفوں کے ہر بال میں چھوٹے چھوٹے سچے موتی جو بالکل سفید تھے پروے ہوئے تھے اور جواہرات کے چھوٹے بڑے ہار گلے سے لے کر ناف تک پہننے ہوئے تھے یعنی یہ ہار چھوٹے اور پھر بڑے اس قدر تھے کہ اس کی صراحی دار گردن گزار سینہ اور سارا پیٹ ان سے ڈھکا ہوا تھا۔

اس کے بازو برہنہ تھے۔ ان میں بھی بازو بند اور دوسری چیزیں بندھی ہوئی تھیں۔ یہ تمام زیورات نہایت خوشنما ساڑھی کے اوپر تھے۔ ایک تو رانی لادی تھی ہی حسین دوسرے اچھی پوشاک اور چمک دار زیورات پہننے تھی اس لئے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ جواہرات کی صفو سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں رسیلی تھیں۔ وہ طاہرہ کی طرف مسکراتے ہوئے بڑھی، طاہرہ ابھی تک آئینہ دار حیران کھڑی تھی۔ ایک بانڈھی نے طاہرہ سے کہا۔ مسلمان کینا مسلمان لڑکی! یہ سب سے چھوٹی رانی ہے تم سے ملنے کے لئے آئی ہے۔ طاہرہ بھی اس کی طرف بڑھی اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانی صاحبہ! خوش آمدید! لادی اس کے قریب پہنچ کر رکی اور اسے نہایت غور سے دیکھنے لگی۔ طاہرہ جو کپڑے پہن کر راج محل میں آئی تھی۔ ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

اگرچہ کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ مگر ان مل گئے کپڑوں میں بھی وہ بیحد حسین معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے پریشانی کیسو پیشانی اور گالوں پر بکھرے پڑے تھے اور ان سیاہ بالوں نے اس کی صورت کو اور چمکایا تھا۔

لادی نے طاہرہ سے کہا۔ اے سندھ صورت والی لڑکی! میں تجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہوں۔

طاہرہ نے کہا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کی زیارت ہو گئی۔

سندھی (حسینہ) تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔

رانی صاحبہ! یہ تکلیف کیا کم ہے کہ مجھے پریشان کیا جاتا ہے۔

طاہرہ کے لئے کئی مسزین فراہم کی گئی تھیں۔ جن میں کچھ کمرے کے اندر اور کچھ باہر ہر وقت بچھی رہتی تھیں۔ مگر وہ خدا کی بندی ان مسندوں پر نہ بیٹھتی تھی بلکہ معمولی چادریں بچھا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

رانی لادی بڑھ کر ایک مسند پر تکیہ کے سہارے سے بیٹھ گئی۔ اس نے طاہرہ سے کہا

اوتھ بھی میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ مسند کے پاس ایک چادر بچھی تھی۔ چادر پر بیٹھتے ہوئے طاہرہ نے کہا ہم مسلمانان تکلفات کو پسند نہیں کرتے۔

لاڈی۔ تمہارا کیا نام ہے سندھی؟

طاہرہ۔ میرا نام طاہرہ ہے۔

لاڈی۔ تم کیسے یہاں آ گئیں؟

طاہرہ نے افسردگی کے لہجہ میں کہا قسمت کھینچ لائی اس کے بعد اس نے مختصر طور پر تمام واقعہ سنا دیا۔ لاڈی نے دلہی کرتے ہوئے کہا کچھ فکر نہ کرو۔۔۔

طاہرہ نے قطع کلام کرتے ہوئے آہ سرد بھیر کر کہا فکر کرنے ہی سے کیا ہوتا ہے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے جو کچھ جس کسی کی قسمت میں لکھ دیا ہے اسے وہ بدلے۔

لاڈی۔ بالکل ٹھیک خیال ہے تمہارا۔۔۔ طاہرہ! تمہارے کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔

طاہرہ۔ کیا کڑوں میں سے پاس اور کپڑے کہاں ہیں جو بدل لوں۔

لاڈی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تمہارے لئے کپڑے نہیں بھیجے گئے؟ ہانڈھی نے کہا۔ حضور بنیسیوں ساڑھیاں اور شلوکے ایک سے ایک اچھے رکھے ہیں مگر یہ بدلیں بھی۔

لاڈی نے طاہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیوں نہیں پہن لیتی ہو تم؟

طاہرہ۔ میں مسلمان ہو کر غیر مسلموں کے سے کپڑے کیسے پہن لوں۔

لاڈی۔ کیا برائی ہے اس میں۔

طاہرہ۔ مسلمانوں کو ممانعت کی گئی ہے کہ وہ کفار کی وضع قطع اختیار نہ کریں نہ ان کا سا لباس پہنیں۔

لاڈی۔ پھر تمہارے لئے کیا انتظام کیا جائے؟

طاہرہ۔ اگر مجھے کپڑے دے دیئے جائیں تو میں خود سی لوں۔

لاڈی۔ اچھا! میں کپڑے بھیج دوں گی۔

اب آفتاب غروب ہونے لگا تھا۔ رانی لاڈی اٹھی۔ اس نے کہا طاہرہ مجھے تم سے

محبت ہو گئی ہے میں چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس ہی رہو۔

طاہرہ - ایک شرط سے۔

لاڈی - وہ شرط کیا ہے؟

طاہرہ - اقرار کرو کہ تم مجھ کو دھوکہ نہ دو گی۔

لاڈی - اقرار کرتی ہوں کہ کبھی تم کو دھوکہ نہ دو گی

طاہرہ - مجھے منظور ہے۔

لاڈی - بس تو آؤ ابھی چلو۔

طاہرہ - چلیے۔

لاڈی نے باندھی سے کہا تم اس کا تمام سامان کپڑے اور زیورات سب وہیں

لے آؤ۔ باندھی نے سر جھبکا کر کہا بہت اچھا! اب رانی لاڈی طاہرہ کو لے کر اپنے کمروں

کی طرف روانہ ہوئی۔



”راہب نیرون“

محمد قاسم اچھ ہزار شیران اسلام کو ساتھ لے کر روانہ ہوا تھا۔ حجاج نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ خشکی کے راستے سے ایران ہو کر مکران اور پھر وہاں سے دیبل پہنچے اور ہمسند کے کنارے پر پھیر کر ان جہازوں کے آنے کا انتظار کرے جن میں منجیقین آنے والی ہیں۔

چنانچہ محمد قاسم عراق سے گزر کر ایران میں پہنچا اور کئی روز شیراز میں ٹھہرا۔ جب مجاہدوں نے آرام کر لیا تو وہاں سے روانہ ہوا اور مکران میں پہنچ گیا۔

مکران میں بھی ایک اسلامی گورنر رہتا تھا۔ گویا اس طرف مکران ہی سرحدی صورت تھا۔ یہاں کے گورنر کو اس لشکر کے آنے کی پہلے ہی سے اطلاع ہو چکی تھی اور اس نے دیبل تک رسد نہ ہم پہنچانے کا انتظام کر دیا تھا ہوا اور اس نے تمام مجاہدین کی بڑی خاطر و مدارات کی کئی منزل تک وہ اس لشکر کے ساتھ ساتھ آیا۔

آخر سر حد پر آ کر رخصت ہو گیا۔ اب اسلامی لشکر اربابیلہ کی طرف بڑھا۔ ان شیران اسلام کے آنے کی خبر اربابیلہ۔ دیبل۔ نیرون وغیرہ میں عام ہو گئی۔ اربابیلہ ہی سے سندھ کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک قلعہ تھا اور اس قلعہ میں داہر کی طرف سے ایک حاکم رہتا تھا۔ جو کہ سرحد کی حفاظت پر مامور تھا۔

جس وقت اسے اطلاع ہوئی کہ مسلمانوں کا لشکر انتقام لینے کے لئے بڑے جوش و خروش سے آ رہا ہے تو اس پر غازیان اسلام کا رعب طاری ہو گیا اور جب کہ ابھی اسلامی لشکر دور ہی تھا وہ تمام لشکر اور ساری رعایا کو وہاں سے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب شیران اسلام اربابیلہ کے قلعے کے سامنے پہنچے تو انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

انہیں کیا خبر تھی کہ قلعہ خالی پڑا ہے۔ چونکہ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ اس لئے وہ دھوکہ میں رہے۔
مگر جب قلعہ کی تفصیل پرسی کو نہ دیکھا تو محمد قاسم کو سخت تعجب ہوا پھر بھی وہ یہ سمجھا کہ
شاید قلعہ والے اُسے فریب دینا چاہتے ہیں اور وہ کہیں کہیں گاہ میں پیچھے ہوئے ہوں۔
چنانچہ احتیاط کے طور پر اس نے ایک شب قلعے پر حملہ نہ کیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز
پڑھتے ہی کچھ لشکرے کر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھا۔ قلعہ میں تھا ہی کون جوان کی مزاحمت
کرتا۔

یہ لوگ بڑھکر دروازے کے سامنے پہنچے۔ محمد قاسم نے خود بڑھکر دروازے کو دہکا
دے کر کھول دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر قلعہ کے اندر داخل ہوا۔
پچھے ہی لشکر بھی پہنچا۔ اندر جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ تمام قلعہ خالی تھا۔ نہ لشکر تھا نہ عام
ادوی تھے۔ گویا کچھ بھی نہ تھا۔

محمد قاسم نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں پر ہمارا رعب طاری ہو گیا ہے اور اسی
وجہ سے وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔
ایک افسر نے کہا۔ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

محمد قاسم۔ یہ خدا کی مہربانی ہے اس نے یہ قلعہ بغیر خونریزی کے ہی فتح کر دیا ہے۔
گویا مسلمانوں پر خاص احسان کیا ہے۔
افسر۔ اور اس لئے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔
محمد قاسم۔ بے شک! اچھا جاؤ۔ اب واپس چلو یہاں ٹھہرنا بے سود ہے
افسر۔ چلئے۔

اب تمام لشکر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ جس وقت یہ لوگ اپنے کیمپ میں پہنچے اسی وقت
ایک سوار حجاج کا خط لایا۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ حجاج نے پانچ پانچ میل کے فاصلے سے ایک ایک منزل مقرر کر
کے ہر منزل پر دو دو سوار متعین کر دیے تھے۔ جو ڈاک لاتے اورے جاتے تھے۔
چنانچہ حجاج کے منہم کے بموجب محمد قاسم روزانہ خط بھیجتا تھا اور روزانہ اس حجاج
کا خط آتا تھا۔ محمد قاسم اپنے خیمے کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے خط کو کھول
کر پڑھا لکھا تھا۔

میرے پیارے عزیز

جوں جوں تم دشمنوں کے درک میں گھسنے جا رہے ہو۔ زیادہ احتیاط کرتے رہو۔ ہندی لوگ زیادہ چالاک ہوتے ہیں کہیں وہ تم کو اتھارے لشکر کو اپنی چالاک سے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ تم ویل کے قریب سمندر کے کنارے پر جا کر رک جاؤ اور اس وقت تک انتظار کرو جب تک وہ جہاز جن میں سنجیتیاں بارہیں تمہارے پاس نہ پہنچ جائیں۔

ویل میں پہنچ کر وہاں کا مفصل نقشہ میرے پاس بھیج دو اور میری ہدایات کا انتظار کرو۔ نیرون کے راہہ سامنی نے اپنی سفارت بھیجی ہے اور اس نے مصالحت کر لی ہے تم کو اس کی اطلاع اس لئے دی جاتی ہے کہ جب ویل پہنچ کر کے تم نیرون کی طرف بڑھو تو احتیاط رکھو کہ اس کی حدود سلطنت میں کسی کو قتل نہ کرو۔ اور نہ اس کے قلعے پر حملہ کرو۔

اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ نیرون سے سوستان تک ہر منزل میں تمہارے اور تمہارے لشکر کے لئے رسد کا انتظام کر دے گا۔ اس شرط پر اس سے مصالحت کی گئی ہے۔

نماز ایک وقت کی بھی قسانہ ہونے دینا۔ دعائیں مانگتے رہو لا حول ولا قہ الا باللہ العلی العظیم رسوائے خدا کے اور کسی کو کوئی طاعت نہیں ہے، کی تمہیں پڑھو۔ خدا سے فتح کی توقع رکھو۔ انشاء اللہ خدا ضرور فتح دے گا اور تمام مجاہدوں سے میرا سلام کہہ دو۔

(حجاج)

محمد قاسم نے اسی وقت تمام لشکر کو جمع کر کے حجاج کا خط سنا دیا اور فوراً ہی جواب لکھا بھی بھیج دیا۔ اگلے روز یہ لشکر ارمابیلہ سے روانہ ہو گیا۔

چونکہ اب وہ دشمنوں کے ملک میں بڑھ رہے تھے اس لئے بموجب فرمان خلیفہ ہر مکان احتیاط سے کام لیا جا رہا تھا۔ نکران کے گورنر نے رسد کا ایسا معقول انتظام کر دیا تھا کہ ہر منزل میں لشکر کے پہنچنے سے پہلے رسد کے چھکڑے پہنچ جاتے تھے اور اس سے اسلامی لشکر کو بڑا آرام پہنچتا تھا۔ ارمابیلہ سے آگے بڑھ کر ایسا جنگل شروع ہوا جس میں اس کثرت سے

دخت کھڑے تھے کہ ان کے نیچے ہر وقت اندھیر رہتا تھا اور ہزار کوشش کرنے پر بھی آفتاب کی شعاعیں زمین تک نہ پہنچتی تھیں۔

چونکہ راستہ اسی جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لئے درختوں کو کاٹ کر راستہ بنانا پڑا تھا اور اس وجہ سے لشکر کے کوچ کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ مگر مجاہدین اسلام کو ایسا جوش ملا کہ وہ درختوں کو گرتے اور راستے کو صاف کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

کیسے کہیں انہیں آبادی بھی ملی۔ مگر بالکل ویران اور ایک متنفس تک بھی اس میں آبادی نہ تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگ گئے تھے اور باوڑوں کو ویران کر گئے تھے۔

اس دشوار گزار جنگل کو طے کر کے یہ لوگ کھلے ہوئے میدان میں پہنچے چونکہ اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لئے وہاں انھوں نے قیام کر دیا۔ جبکہ خیمے نصب کئے جا رہے تھے اس وقت چند ہندو سوار گھوڑے دوڑائے آتے نظر آئے تمام مسلمان ان کو دیکھنے لگے ان میں سے ایک بیس قیمت زیورات پہنے ہوئے تھا اور باقی معمولی دھوتیاں کئے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو ان میں سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ تمہارا سردار کہاں ہے؟ انہوں نے محمد قاسم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سوار اس کی طرف بڑھے۔

اس عرصہ میں محمد قاسم نے فرس کر لیا تھا۔ سوار اس کے قریب جا کر کے اور گھوڑوں سے اتر کر فرس پر جا بیٹھے۔ وہ حیرت سے محمد قاسم کو دیکھ رہے تھے ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا سردار کوئی مہم عمر شخص ہو گا۔ معزز نہ ہو تو ادھیڑ عمر کا ضرور ہو گا۔ لیکن جب دیکھا تو وہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ آنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ کیا آپ ہی اس لشکر کے سردار ہیں؟ محمد قاسم نے جواب دیا میں سردار نہیں بلکہ اس لشکر کا خادم ہوں۔

وہی شخص۔ ہمارے راہہ سامنی ہیں نیرون کے راہہ۔ انہوں نے آپ کے والسر کے نام سے صلح کر لیا ہے شاید آپ کو ابھی یہ باتیں نہ معلوم ہوئی ہوں۔

محمد قاسم۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔

اب سامنی نے کہا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کو یہ بتا دوں کہ دیبل پر واپس ہونے کی لشکر بھیج دیا ہے اول تو وہ قلعہ ہی نہایت مضبوط ہے دوسرے لشکر زیادہ آگیا ہے اس لئے اس کا فتح ہونا آسان نہیں ہے اس کے علاوہ وہ اس فکر میں ہیں کہ شب خون مار کر

آپ کے لشکر کو سراسیمہ اور پرانگندہ کر دیا جاٹے، لہذا آپ کو ہوشیاری سے کام لینا چاہیے
 محمد قاسم میں آپ کی اس اطلاع وہی کا شکر یہ ادا کرتا ہوں
 مجھے راجہ داہرنے طلب کیا ہے اور میں وہاں ضرور جاؤں گا غالباً اس
 نے اپنے تمام محکوم راجاؤں کو مدعو کیا ہے اغلب ہے کہ اس کا ارادہ تمام راجاؤں کا لشکر
 فراہم کر کے انقطاعی جنگ کرنے کا ہے۔

محمد قاسم۔ اسے اپنے لشکر پر بھروسہ ہے اور ہمیں خدا پر!
 سامنی۔ اصل بھروسہ صرف خدا ہی کا ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ آپ ضرور کامیاب
 ہوں گے۔

محمد قاسم۔ انشاء اللہ۔

سامنی۔ میں شکر کھیلنے کے بہانہ سے آیا تھا۔ آپ سے ملنا چاہتا تھا بل لیا۔ اب
 اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ آج قیام کرتے تو اچھا تھا۔

سامنی۔ اس وقت مناسب نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ جیسے آپ کی مرضی۔

سامنی اٹھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہمراہی بھی اٹھے وہ محمد قاسم کو سلام کر کے
 چلے گئے۔ رات کو ٹھہر کر دوسرے روز صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی مسلمانوں نے
 دیبل کی طرف کوچ کر دیا۔



مسلم قیدی کی جرأت

منظوم ویسے کس قیدیوں کو برج کے تہ خانہ میں بند کر دیا گیا اور اپنی کو ان کی حفاظت و نگرانی تفویض کر دی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی نیک دل انسان تھا۔ لیکن پنڈت و اعلیٰ طبقہ کے ہندو شوروں اور اچھوتوں (تنج زالوں بھنگی۔ چار۔ کولی۔ دیہوی وغیرہ) سے اس درجہ بچتے تھے کہ کیا مجال جو ان کا سامنا بھی ہو جائے۔

اگر کوئی پنڈت یا کوئی معزز ہندو کسی راستہ سے گزرتا ہوتا اور اتفاق سے کوئی اچھوت بھی آنکلتا تو اچھوت کے لئے لازم تھا کہ وہ راستہ چھوڑ کر اتنی دور جا کر کھڑا ہو کہ اس کی صورت اچھی طرح سے نظر نہ آئے اور پنڈت کی طرف سے اپنی پشت کر لے۔ منہ اس کی طرف نہ کرے اور جب وہ گزر جائے تب خروچلے۔ اگر کوئی بد بخت اچھوت، اس کے برخلاف کرتا تھا تو اسے مزائے موت دی جاتی تھی۔ ہندو اور پنڈت مسلمانوں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور اس وقت بھی سمجھتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ کوئی ہندو کسی مسلمان کے برتن یا کھانے پینے کی چیز کو چھو دے۔ مگر آج کل کے مسلمان ایسے بے حس ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی اس ذلت کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ اگر سو والیں گے تو ہندو سے جس کے قریب بھی کھڑے نہیں ہو سکتے۔ بھنگی کی طرح سے الگ کھڑے رہتے ہیں اور ہندو دوکاندار اس طرح سے سودا دیتا ہے کہ اس کا ہاتھ میاں جی کے ہاتھ کو تر کیا میاں جی کے ہاتھ کی ہوا تک بھی اس کے ہاتھ کو نہ لگ جائے۔

کیا ہمارے لئے یہ قابل شرم بات نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہم سے زیادہ پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ کوئی قوم نہیں رہتی اور اس کو بھی مانتے ہیں کہ ہندو مشرک ہیں اور مشرکوں کے لئے خدا کا ارتداد انہا المشرکون بنجس۔ مشرک ناپاک اور نجس ہوتے ہیں۔

ہم ایک اس شخص سے جو ہمارے عقیدہ کے مطابق ناپاک ہے چیزے کرکھا نامناسب سمجھتے ہیں اور اپنے بھائی مسلمانوں سے خریدنا برا سمجھتے ہیں۔

حالانکہ ایک ناپاک شخص کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں ناپاک ہی ہوگی اور کیا ناپاک چیز کا کھانا جائز ہے؟

مت خیال کرو اس بات کا کہ مسلمان کم دیتے ہیں یا چیز اچھی نہیں دیتے تم کم اور بری چیز ہی لو وہ پاک تو ہوگی۔ اس سے ایمان جانے کا خطرہ تو نہ ہوگا۔

یاد رکھو! اگر تم کسی مسلمان سے سودا خرید کر اسے فائدہ پہنچاؤ گے تو وہ کبھی نہ کبھی کسی اسلامی تحریک میں چندہ دے کر قوم کو فائدہ پہنچائے گا اور اگر نیر مسلم کو دو گے تو کبھی وہ تم کو ایک پیسہ تک بھی نہ دے گا۔ بلکہ تمہارے اور تمہاری قوم کے خلاف اس روپے کو استعمال کرے گا۔

آنکھیں کھول کر دیکھو آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ اس سے تم اپنی قوم کو بھی نقصان پہنچاتے ہو اور خدا کو بھی ناخوش کرتے ہو۔ تمہارے اس بات کا کہ مسلمانوں ہی سے ہر چیز خریدنا کر دو گے۔ چونکہ ابی بھی ایک پنڈت تھا۔ اس لئے وہ بھی مسلمانوں سے اسی طرح سے پرہیز کرتا تھا۔ جیسے کہ وہ بھنگیوں اور چاروں سے پرہیز کرتا تھا۔

مگر باوجود اس کے بھی وہ مسلمانوں کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آتا تھا اور ان کو حتی الامکان کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتا تھا۔ لہذا مسلمان بھی اس کے محسوس و مشکور تھے۔ جب ایک روز وہ مسلمانوں کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک طرف نہایت سکوت سے بیٹھ گیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تب اس نے کہا۔

یہ تمہارے نماز پڑھنے کا طریقہ میری بھج میں نہیں آیا ہے اگر تم کسی مسجد کرتے ہو۔؟
ان میں سے ایک بڑھے کا نام زید تھا۔ اس نے کہا۔ ہم خدائے لم یزل کو سجدہ کرتے ہیں۔
ابی۔ مگر خدا کی صورت یا تصویر کہاں ہے؟

زید۔ چونکہ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس لئے اس کی شبیہ کون بنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا مجسم نہیں ہے اور وہ ایک پیکر اور ہے۔

ابی۔ ہم لوگ اسی وجہ سے خدا کی صورت سامنے رکھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔
زید۔ لیکن کیا کرنا شخص و توفیق سے کہہ سکتا ہے کہ خدا ایسی ہی صورت کا ہے۔

جیسی کہ تصویریں تم نے بنائی ہیں؟

ابی۔ ہمارے بزرگوں نے دیکھا ہی ہوگا۔

زید۔ سناؤ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا ہے نہ خاکی پتلوں کی اس قدر مجال ہے کہ وہ ان ظاہری آنکھوں سے اسے دیکھ سکیں۔ خدا کی ایسی صورت نہیں ہے جیسی کہ تم نے یا تمہارے بزرگوں نے بنائی ہے، یہ سب خیالی تصویریں ہیں اور محض اپنے نفس کو دھوکہ دینے کیلئے گھڑی گئی ہیں۔

ابی۔ خیر میں مذہبی مسابحتوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میں صرف ایک بات

کھنے کے لئے خاصر ہوا ہوں۔

زید۔ کیا؟

ابی۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلامی لشکر کسی رٹکے کی سرکردگی میں خشکی کے راستے سے آرہا ہے۔

یہ بات سن کر تمام مسلمانوں کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے اور بے ساختہ ان

ابنی زبان سے نکلا۔ خدا کا شکر ہے

.. .. . ہماری توقعات شرمندہ تکمیل ہوئیں۔

ابی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا تم کو یقین تھا کہ مسلمان

پوریش کریں گے۔

زید۔ ایسا ہی جیسا کل صبح آفتاب کے نکلنے کا۔

ابی۔ کس وجہ سے یقین تھا۔

زید۔ اس لئے کہ ہم مسلمان ہیاں قید میں پڑے ہیں۔

ابی۔ گویا وہ تم کو رہائی دلانے کے لئے آرہے ہیں۔

زید۔ اس کے سوا ان کے آنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

ابی۔ خیر وہ کسی وجہ سے آرہے ہوں۔ مگر آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے

ساتھ لشکر بہت کم ہے۔

زید۔ کس قدر ہے؟

ابی۔ معلوم ہوا ہے کہ صرف چھ ہزار ہے۔

زید۔ اس ملک کے لئے اتنا لشکر کافی ہے۔

ابی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی

دی۔ سب نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ ان کو سمئی اور اس کے سپاہی تنگی تلواریں لئے آتے نظر آئے۔

اب ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ سمئی اس جگہ آکر کھڑا ہوا جہاں اب کھڑا تھا اور سپاہی اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

سمئی نے کہا۔ مسلمانو! اب تمہاری موت کا وقت آ گیا ہے تم کو ربائی دلانے کے لئے یہ قوت مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے اور اس نے ارما بیلہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ جنگ محض تمہاری دم سے ہونے والی ہے اس لئے میں نے طے کر لیا ہے کہ آج تمہارا خاتمہ کر دوں۔

زید نے کہا۔ جب کسی کے دن خراب آتے ہیں تو اسے الٹی الٹی سی تدبیریں سوچنے لگتی ہیں۔ تم خوب جانتے ہو کہ یہ لشکر جو آ رہا ہے اس کا مقصد ہم کو ربائی دلانا ہے اگر جنگ میں کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو ہماری موجودگی تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے سود مند ہوگی اور اگر تم نے ہم کو قتل کر ڈالا اور مسلمانوں کو اس بات کا علم ہو گیا تو یاد رکھئے گا کہ وہ ہمارا انتقام لینے کے لئے تمہارے ہر فرد کو قتل کر ڈالیں گے۔

سمئی ہتھیار لگا کر ہنسا۔ اس نے کہا۔ اطمینان رکھو اس بات کی نوبت ہی نہ آئے گی کیونکہ لشکر تو صرف چھ ہزار ہی ہے۔

اسلم نے جوش میں آکر کہا۔ یہ چھ ہزار کم سے کم تمہارے ساٹھ ہزار لشکر کے لئے کافی ہے سمئی نے نفرت اور غصہ کی نگاہوں سے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔
..... ساٹھ ہزار کو؟ میں بتاتا ہوں کہ اس لشکر کو تو میں ہی موت کے گھاٹ اتار دوں گا!

اسلم نے حقارت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا تم؟ جو کہ محض اس وجہ سے اکڑتے ہو کہ ہم نمتے اور تمہارے قیدی ہیں۔ اگر تم مرد ہو اور بہادری کا دعویٰ ہے تو صرف ایک تلوار دے دو اور پھر تم معرا اپنے ان تمام سپاہیوں کے اکیلے مجھ پر حملہ کرو۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو سمجھ لینا کہ شاید تم کا مہیا ہو جاوے۔

سمئی۔ خوب جوش آ رہا ہے تم کو! مگر یہ تمہارا جوش ابھی سرد کر دیا جائے گا۔ اس نے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دلیرو! بڑھو اور ان سب کا خاتمہ کرو۔

اپنی نے کہا۔ لیکن حضور! میری ایک بات سن لیجئے۔
سمٹی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کیا؟

اپی۔ یہ لوگ ہمارے قیدی ہیں۔ ہم کو ان پر تمام احوال دسترس ہے جب چاہیں
گے ان کو قتل کر ڈالیں گے مگر۔۔۔۔۔ اسلامی لشکر حملہ کرنے اور انہیں رہائی دلانے
کے لئے آ رہا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ جنگ کے فیصلہ تک ان کو زندہ رکھا جائے۔
سمٹی نے بگڑ کر کہا ایک پنڈت سے ایک بزدلانہ مشورہ کے اور کیا امید ہو سکتی ہے
(اسلم کی طرف اشارہ کر کے) مگر اس بے ہودہ نوجوان نے میری توہین کی ہے میں ان میں سے
ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

(سپاہیوں سے) ہاں بڑھو اور سب سے پہلے ان کے بچوں کو قتل کرنا شروع کرو۔ تاکہ
ان کے سینے میں اولاد کے داغ پڑ جائیں۔
سپاہی بڑھے۔ عورتوں نے اپنے بچوں کو سینوں سے لگا کر پیار کیا ایک کم سن عورت
نے کہا۔ خدا آزمائش لے رہا ہے ہمارے ایمان کے امتحان کا وقت قریب آ گیا ہے بچوں
والیو! دیکھو کہیں اس وقت تمہارے قدم لڑکھڑانہ جائیں۔

تمام عورتوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اپنے
معصوم بچوں کو دیکھ رہی تھیں۔ بچے بھی بھولی صورت بنائے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔
ایک جوان عورت نے اپنے بچہ کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتے ہوئے کہا! بیٹا! اسلام
قربانی چاہتا ہے جاؤ اور اپنے خون سے اسلام کے درخت کو سینچو۔
فوراً ہی تمام عورتوں نے اپنے اپنے بچوں کو اپنے سینوں سے الگ کرتے ہوئے کہا۔
معصوم ننھو! جاؤ اور اپنے سر کاٹ کر اسلام کی عزت رکھو۔

یہ کہتے ہی کتنے بعض عورتوں کے آنسو نکل آئے اور وہ منہ پھیر پھیر کر رونے لگیں۔
حقیقت میں بڑا کٹھن وقت تھا۔ نہایت سخت امتحان ہو رہا تھا۔ بچے چھپے ہٹ گئے
اور ایک قطار میں جا کھڑے ہوئے سپاہی ان کے سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے تلواریں بلند کیں
عورتوں کے دل ہل گئے اور فرط رنج و قلق سے ان کے کلیجے سینوں سے نکلنے لگے۔
ان سے یہ خوفناک منظر نہ دیکھا گیا۔ انہوں نے آنکھوں کو بند کر لیا۔ یہ دیکھ کر مردوں کو
بڑا غصہ آیا۔ خصوصاً اسلم کو۔

اس نے پک کر ایک سپاہی کے گھونسا مارا۔ وہ چکر اگرا اس نے جلدی سے تلوار
چھین لی اور ڈپٹے ہوئے کہا۔ خبردار پیچھے ہٹ جاؤ۔

سپاہی ڈر کر فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ یہ تمام کارروائی اس قدر جلد ہوئی کہ سمنی اور اس
کے سپاہی اس وقت سمجھے کہ جب اسلم تلوار کھینچ کر ان کے سامنے آگیا۔ سپاہیوں کے ہلنے
ہی اسلم نے سمنی سے کہا۔

مغزور انسان اگر اپنی زندگی چاہتا ہے تو ان شیطانِ خصلت سپاہیوں کو حکم دے کر یہ
چلے جائیں۔

سمنی اس کے تیور دیکھ کر سمجھ گیا کہ اگر اس نے فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ اس
پر حملہ کر دے گا۔

اس لئے اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اچھا! ابھی تم مجھے ہسٹو جاؤ۔ سپاہی اس
کے پیچھے آکھڑے ہوئے۔ سمنی نے اسلم سے کہا۔
"نوجوان! اب تم تلوار میرے حوالے کر دو۔"

اسلم نے کہا اس لئے کہ تم پھر ان معصوموں کا خون بہاؤ۔ شیطان! تم اپنی ذریعات کو لے
کر میرے سامنے سے دوڑو ہو جاؤ۔ ورنہ میں تم کو قتل کر ڈالوں گا۔

سمنی نے سر جھکا کر کہا۔ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ میں جا رہا ہوں۔
وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ابی بھی چل دیا۔ اسلم نے کہا۔
تو دل انسان تو اس وقت بچ گیا۔

بچوں کے بچ جانے سے سب نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر ان کو اپنے بے قرار
سینوں سے لگا کر پیار کرنے لگے۔



”دو چاند“

رانی لادی طاہرہ کو اپنے ساتھ لے گئی۔ جس کمرے میں طاہرہ کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ محل کے شروع حصہ میں دروازے کے قریب ہی تھا۔ چونکہ طاہرہ کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے وہ اپنے ہی کمرے میں پڑی رہتی تھی۔ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ محل کتنا بڑا ہے اور اس میں کیا کیا ہے اب جب کہ رانی اسے لے کر چلی تو اس نے دیکھا کہ محل نہایت وسیع ہے اور اس کے چاروں طرف عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عمارتوں کے دروازے نہایت شان دار۔ منقش اور سفید ہیں جو کہ خوب چمک رہے ہیں۔ درمیان میں کہیں کہیں سبزہ کھڑا ہوا تھا اور عمارتوں سے ملحق چاروں طرف کافی جوڑا چبوترہ ہے۔

وہ محل کو دیکھتے ہوئے لادی کے ساتھ چلتی رہی۔ اس نے دیکھا کہ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے مندر بھی چبوترے کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ جب لادی اسے اپنے خاں کمرے میں لے گئی تو وہ کمرے کا ساز و سامان دیکھ کر حیران رہ گئی۔ تمام کمرے میں نہایت خوش نما مسند بچھی ہوئی تھی۔ جس پر کہ کار چوہی کام ہو رہا تھا۔ دیواروں پر سونے سے بچی کاری ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں سونے کی تصویریں یعنی محسے یا بت رکھے ہوئے تھے اور ان کے گلوں میں تانہ پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ لادی مسند پر بیٹھ گئی اور طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس ہی بٹھالیا۔

دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ جب آفتاب غروب ہونے لگا تو اس نے اس سے کہا۔ دیکھو! اس طرف میرے قبضے میں پنڈرہ بیس کمرے ہیں۔ تم جس کمرے کو پسند کرو اس میں رہو۔ لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اس کمرہ میں میرے ہی پاس ٹھہرو۔

طاہرہ نے کہا۔ تم بڑی خلیق ہو رانی! خود میرا دل بھی تمہارے ہی پاس ٹھہرنے کے لئے چاہتا ہے۔ مگر!

لاوی۔ مگر کیا؟

طاہرہ۔ ایک مجبوری ہے جس کی وجہ سے میں نہیں رہ سکتی!

لاوی۔ اور وہ کیا مجبوری ہے؟

طاہرہ۔ اگر میں عرض کروں گی تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کی ناراضگی کا باعث نہ ہو جائے۔

لاوی۔ اطمینان رکھو! میں ناراض نہ ہوں گی۔

طاہرہ۔ ہم لوگ تصویروں اور بتوں کو اچھا نہیں سمجھتے اس لئے ..

لاوی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ گئی اچھا تم برابر واسے کرنے میں رہو۔

طاہرہ۔ بہت اچھا!

طاہرہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اس میں رہنے لگی۔ رانی لاوی نیک طبیعت اور بھولی تھی۔ وہ چہل کپٹ نہ جانتی تھی۔ اس نے طاہرہ کو بتا دیا کہ راجہ نے اس کے پاس سے پھسلانے کے لئے بھیجا تھا مگر اب وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اور اس لئے اس کے ساتھ کبھی دغا نہ کرے گی۔

دراصل لاوی کو طاہرہ سے بے حد محبت ہو گئی تھی اور یہ محبت ہی کی وجہ تھی کہ اس نے راجہ کا منشا صاف صاف ظاہر کر دیا۔

طاہرہ کو اس سے انسیت ہو گئی تھی اور وہ بھی اس سے اس قدر مانوس ہو گئی تھی کہ اکثر جو وہ کہتی اسے مان لیتی۔

ان دونوں میں اس قدر محبت بڑھ گئی تھی کہ کھانا بھی قریب قریب بیٹھ کر کھا لیتی تھیں اور اکثر رانی دلائی اس کے کمرے میں اس کے پاس ہی سو رہا کرتی تھی۔ رانی نے کپڑے طاہرہ کو دے دیئے تھے اور اس نے تراش کر ان کو سینا شروع کر دیا تھا۔ مگر ابھی تک وہ اتھیں سی کرتی رہ کر سکی تھی۔ اس کے کپڑے روز بروز میلے ہوتے ہوتے جا رہے۔ لیکن رانی اس کے میلے کپڑوں سے کراہت نہ کرتی تھی۔

ایک روز دوپہر کے وقت رانی طاہرہ کے پاس بیٹھی تھی اور طاہرہ کپڑے سی رہی تھی۔

لاوی نے اس سے کہا طاہرہ میری ایک بات مان لو!
 طاہرہ نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیا مان لوں۔
 لاوی اتم میرے کہنے سے آج شلوکہ اور ساڑھی پہن لو!
 طاہرہ نے نفرت بھرے لہجہ میں کہا راجہ داہر کے بھیجے ہوئے ساڑھیاں اور شلوکے؟
 لاوی نے جلدی سے کہا نہیں ان کے بھیجے ہوئے نہ پہنو! بلکہ میرے بالکل نئے
 شلوکے اور نئی ساڑھیاں جن کو میں نے آج تک پہننا تو کیا بکاتے خود رہا ہاتھ بھی نہیں لگایا
 ہے۔ ان میں سے پہن لو۔

طاہرہ نرم پڑ گئی اس نے کہا رہنے بھی دورانی۔ کل یہ میرے ہی کپڑے تیار ہو
 جائیں گے۔

لاوی۔ میں اس وجہ سے نہیں کہہ رہی کہ تمہارے کپڑے میلے ہو گئے ہیں۔

طاہرہ۔ اور کس وجہ سے؟

لاوی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کپڑے پہن کر تم کیسی معلوم ہو گی۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا خوب یہ کیا سوچھی ہے تم کو!

لاوی نے عاجزی کے لہجہ میں کہا یہ میری تناس ہے۔ تم اسے پورا کر دو۔ تمہارا اس
 میں کچھ نقصان نہیں ہے ذرا کی ذرا پہن کر پھر اتار دینا۔

طاہرہ۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے تیار کئے ہوئے کپڑے پہن لیں تو
 کیا آپ منظور کریں گی؟

لاوی۔ بڑی خوشی سے بلکہ تم اگر اجازت دو تو میں یہ تمہارے میلے ہی کپڑے
 پہن لوں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ خیر یہ میلے نہیں بلکہ نئے پہننا!

لاوی۔ ہاں پہن لوں گی۔ اچھا! تو میں تمہارے واسطے شلوکہ اور ساڑھی لاؤں؟

طاہرہ۔ رانی صاحبہ! حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے کسی حکم کو اس وجہ سے نہیں

طاعیت کر سکتی کہ مجھے آپ سے بے حد محبت ہو گئی ہے۔

لاوی۔ یہی حال میرا ہے۔ میں حکم نہیں دے رہی ہوں بلکہ گزارش کر رہی ہوں۔

طاہرہ اچھلے آئیے۔

لاڈی خوش ہو کر اٹھی اور چلی گئی۔ طاہرہ پھر سینے میں مشغول ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں لاڈی نہایت بیش قیمت شلوکہ اور ساڑھی اور جگمگانے والے جواہرات کے زیورات لے آئی۔ اس نے کہا لو پہن لو طاہرہ۔

طاہرہ نے پہلے کپڑوں کو دیکھا۔ پھر لاڈی کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا کیسے پہن لے اسے طاہرہ۔ میں بے چاری تو انہیں پہننا ہی نہیں جانتی۔

لاڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں پہناؤں گی اپنی بہن کو!

طاہرہ نے کپڑے اتارے اور لاڈی نے شلوکہ پہنا کر ساڑھی باندھنی شروع کی۔ وہ ساڑھی باندھتی جاتی تھی اور مسکراتی جاتی تھی۔ آخر ساڑھی باندھ کر اس نے زیورات پہنائے۔

ان کپڑوں میں وہ بالکل پری معلوم ہونے لگی۔ اس کا حسن چہار چند ہو گیا۔ چہرہ چورہویں رات کے چاند کی طرح سے چمکنے لگا۔

لاڈی نے اسے دیکھا اور دوڑ کر اس سے چالیسٹی اور بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔ طاہرہ شرمائی اور اس نے لاڈی کی طرف دیکھا۔ وہ کسی قدر مسخورد ہو رہی تھی۔ لہذا اس نے کہا غلطی ہو گئی بہن طاہرہ! مجھ سے معاف کر دو۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مگر آپ کو یہ سوچھی کیا۔

لاڈی۔ ذرا آئینہ میں دیکھو کہ تم کیا بن گئی ہو! او۔

وہ طاہرہ کو کھینچ کر آئینہ کے پاس لے گئی۔ طاہرہ نے اپنا عکس آئینہ میں دیکھا وہ خود کو دیکھ کر خود ہی حیران ہو گئی اور شرماتے ہوئے آئینہ کے پاس سے ہٹ گئی۔

نہیں وہ دیکھتے اس ڈر سے آئینہ صادق

کوئی نہ عکس کو کہدے تیرا جواب ہوا

لاڈی نے مسکرا کر کہا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیسے ضبط کر سکتی تھی۔

طاہرہ نے شوخی سے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اگر مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکے۔

لاڈی نے ہنس کر کہا۔ تو تم بھی وہی کرو جو میں نے کیا ہے۔

طاہرہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کا ہنہ اوپر کرتے ہوئے کہا ضرور کروں گی۔

طاہرہ اس کا منہ چومنے کے لئے جھکی ہی تھی کہ ایک باندھی آگئی اسے دیکھتے ہی

طاہرہ جلدی سے الگ ہو گئی۔

باندھی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہارانی ان داتا تشریف لارہے ہیں۔
دونوں کچھ بھونچکی سی رہ گئیں اور ایک دوسری کی طرف دیکھنے لگیں۔
لاڈی نے کہا۔ کچھ عرصہ نہیں

ابھی اس کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ داہر آگیا۔ اس نے آتے ہی پہلے لاڈی اور پھر طاہرہ کو دیکھا اسے دیکھ کر وہ دیکھتا ہی رہ گیا اور دیر تک ٹنگٹی لگاٹے دیکھتا رہا کچھ دیر کے بعد پولہ۔
ابا ہا دو چاند ایک کمرہ میں! طاہرہ فرط غیرت و حیا سے جمعگی جا رہی تھی اور داہر برابر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا یہ کفر کیسے ٹوٹا یہ کپڑے کیسے بدے گئے؟ لاڈی نے کہا یہ مجھ پر احسان ہوا ہے۔

داہر۔ اچھا! خیر کسی پر احسان ہوا ہو لیکن ہوا تو سہی۔

اب وہ بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے رانی بیٹھ گئی رانی کے پیچھے طاہرہ بیٹھی۔ داہر کی نگاہیں اب بھی طاہرہ کے رخ روشن کی بلائیں لے رہی تھیں لاڈی نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔ نا تھا! آج خلان معمول کیسے تشریف لائے۔

لاڈی کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں طاہرہ کو یہ خیال نہ ہو جائے کہ اس نے راجہ سے ساز باز کر کے اسے کپڑے پہنائے اور وہ اس سے خفا نہ ہو جائے اس لئے اس نے اس طریقہ سے گفتگو شروع کی جس سے طاہرہ کے دل سے شکوک خود بخود دور ہو جائیں۔ داہر نے کہا ایک استدھرت کے لئے آیا ہوں۔

لاڈی۔ کیا ضرورت پڑ گئی۔

داہر۔ بد بخت مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے اس نے ارما بیلہ کو فتح کر لیا ہے اور اب دجیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پنڈتوں نے یہ بات بتائی ہے کہ دریل کے قریب جو مندر ہے اس میں کوئی رانی جو سب سے زیادہ کم عمر ہو جا کر فتح کی دعوائے ترقینا ہماری ہی فتح ہوگی۔
لاڈی۔ تو مجھے جانا چاہیے؟

داہر۔ تم خوب جانتی ہو کہ سب سے کم عمر تم ہی ہو۔

لاڈی۔ میں تیار ہوں! اور کون جائے گا۔

داہر۔ علاوہ سواروں کے چندر جائیں گے۔

لاڈی نے چونک کر کہا۔ چندر؟

داہر۔ ہاں! کیا تم کو کچھ اعتراض ہے۔

لاوی۔ وہ کچھ اچھا آدمی نہیں ہے۔

داہر۔ اطمینان رکھو۔ وہ اچھا بن گیا ہے تب کرنے لگا ہے۔

لاوی۔ بس تو مجھے کیا اعتراض ہے۔

داہر۔ اچھا تو تیار ہو جاؤ۔

لاوی۔ کیا اسی وقت جانا ہوگا۔

داہر۔ ہاں اسی وقت رتھ اور لشکر محل کے دروازہ پر آگئے ہیں۔

لاوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلئے! راجہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور رانی کے ساتھ کمرہ

سے باہر نکل گیا۔ بگر بگر چہرہ کر طاہرہ کو دیکھتا گیا۔ اس کے جمانے کے بعد طاہرہ نے اطمینان

کا سانس لیا اور ساڑھی و شلوکہ اور تمام زیورات اتار کر اپنے وہی میلے کپڑے پہنتے لگی۔

میں

پرجوش مجاہدین

محمد قاسم معہ لشکر کے دیبل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اس اسلامی لشکر کا شہرہ نہ صرف سندھ بلکہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔ مگر ہندوستان کے جس قدر بھی راجہ۔ مہاراجہ تھے۔ اول تو وہ داہر سے فاصلہ پر تھے۔ دوسرے انھوں نے مسلمانوں کے کارنامے سن رکھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو کوئی بھی داہر کی امداد کے لئے مسلمانوں سے نیرو آتا ہونے کے لئے اپنا لشکر بھیجے گا۔ مسلمان داہر کے بعد یقیناً اس پر بھی حملہ کریں گے۔

گویا ان کو کامل یقین تھا کہ اسلامی لشکر کو فتح ہوگی۔ چنانچہ اسی خوف کی وجہ سے کسی کو بھی راجہ داہر کی امداد کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ مگر راجہ داہر تمام سندھ اور سندھ سے باہر بھی حکمران تھا۔ اس کی سلطنت کی حدود حسب ذیل ہے۔

مشرق میں کشمیر اور قنوج۔ مغرب میں مکران اور ساحل بحر عمان یعنی دیبل کا کچھ حصہ۔ شمال میں قندھار اور سیستان۔ جنوب میں بندرگاہ سورت۔

اس حساب سے اس کی حکومت تمام سندھ۔ سارے پنجاب اور مالک متحدہ کے زیادہ حصہ پر تھی۔ یعنی داہر تقریباً ہندوستان کے نصف حصے پر حکمران تھا۔ اتنی بڑی سلطنت ہونے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے حملے کا کوئی زیادہ خدشہ نہ تھا۔ لیکن جس طرف سے اسلامی لشکر آ رہا تھا۔ اس طرف کے تمام لوگ پریشان سے ہو رہے تھے اور وہ آبادیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔

کچھ لوگ دیبل میں آگئے تھے اور کچھ نیرون چلے گئے تھے اور کچھ جو باقی تھے سرستان

میں جاٹھڑے تھے۔ مسلمان جس گاؤں یا قصبہ میں پہنچتے تھے۔ اُسے خالی اور ویران پاتے تھے۔ کھیتیاں کھڑی ہوئی تھیں جو کہ پختگی کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ مگر ان کو کاٹنے والوں کا پتہ نہ تھا۔ مسلمانوں نے نہ غیر آباد دیہات اور قصبات کو جلایا نہ کھیتوں کو پامال کیا۔ حالانکہ وہ جوش انتقام میں یہ سب کچھ کر سکتے تھے اور ان کا ایسا کرنا کچھ غیر مناسب نہ تھا اور نہ ہی کوئی ان پر حرف گیری کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ منکبر و مغرور راجہ داہر کے سپاہیوں نے بلاوجہ مسلمانوں کو قید و بند کر کے اپنی وحشیانہ بربریت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے شرافت اور انسانیت کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا اور وہ خالی دیہات و قصبات نیز پکی پکائی کھیتوں کو چھوڑ کر برابر دیبل کی طرف بڑھتے رہے۔

دیبل میں جو لوگ بھاگ بھاگ کر آئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تعداد بہت بڑھا کر چمٹھا کر بتائی تھی اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ وہ آبادیوں کو ویران اور کھیتوں کو خاکستر و پامال کرتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کو دیکھا بھی ہو۔ وہ تو شیران اسلام کی آمد کا غمغذہ سنتے ہی نوک دم بھاگ آئے تھے اور ان کو مطلق ہی خبر نہ تھی کہ ان کو چھپے کیا ہوا۔

ان کی ان مبالغہ آمیز باتوں کا یہ اثر ہوا کہ دیبل و اسے بھی ترساں و لرزاں ہو گئے۔ انہوں نے قلعے کا دروازہ نہایت مضبوطی سے بند کر لیا اور فصیل پر پتھروں کے ٹکڑوں اور تیروں کے گٹھوں کے انبار لگا دیئے گئے۔ سپاہیوں کو مناسب مناسب جگہ پر تعینات کر دیا۔ اگرچہ مسلمان ابھی زور ہی تھے مگر دیدبان ابھی سے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ جو شب و روز برجوں میں بیٹھے ہر چہار جانب دیکھتے رہتے تھے۔

محمد قاسم نے درمیانی فاصلہ طے کر لیا تھا اور سمندر کے کنارے پر اس جگہ پہنچا جہاں مسلمانوں کے جہاز آ کر رکے تھے۔ سرانڈیپ سے آنے والے مسلمانوں کے جہاز اب تک سمندر میں پڑے ہوئے تھے اور دیبل کے کچھ سپاہی ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مگر مسلمانوں کو دیکھتے ہی وہ چھپ چھپا کر بھاگے اور سیدھے دیبل میں پہنچے۔

انہوں نے بھی مسلمانوں کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز خبریں بیان کیں اور ان خبروں کو سن کر اہل دیبل اور بھی ڈر گئے تھے۔ اب رات کو دیبل کے ایک طرف آگ روشن کی جانے لگی اور سارا سارا دن تمام لشکر سلا رہنے لگا۔ عیسائیوں کی طرح ہندو بھی مسلمانوں

کو مافوق الفطرت انسان یا جن سمجھتے تھے ان کو خوف تھا کہ کہیں کسی روز رات کو مسلمان کسی طرف سے فصیل پر نہ چڑھ آئیں لیکن محمد قاسم سمندر کے ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا اور ان جہازوں کے آنے کو انتظار کر رہا تھا۔ جن میں منجیقین بلکہ ہو آ رہی تھیں اور جن کے متعلق حجاج نے لکھ دیا تھا کہ جب تک جہاز نہ پہنچیں حملہ نہ کیا جائے۔

محمد قاسم نے یہاں دو دو دور تک چل پھر کر ایک نقشہ تیار کیا اور ایک خط کے ساتھ حجاج کی خدمت میں بھیجا۔ وہ رات کے وقت دیبل کا قلعہ اس کی فصیل کے چاروں طرف کا میدان سب دیکھ آیا تھا اور نقشہ میں سب کچھ درج کر دیا تھا۔ مسلمان نہایت بے صبری سے جہازوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دراصل وہ جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد جنگ شروع کر کے اپنے بھائیوں کو ٹھہرائیں۔

آخر انتظار کی مدت ختم ہو گئی اور ۵ محرم ۹۲ھ جمعہ کے روز جہاز ساحل سمندر پر آئی۔ مسلمان بے حد خوش ہو گئے اور وہ فرط مسرت و انبساط سے مسرور ہوتے ہوئے جہازوں پر سے منجیقین اتارنے لگے۔ ان جہازوں میں مجاہدین بھی آئے تھے۔ مگر وہ زیادہ سے زیادہ صرف دو تلو تھے۔ جو کہ شاید جہازوں کی حفاظت کے لئے آئے تھے اور ان میں کئی تجربہ کار افسر بھی تھے۔

یہ سب لوگ محمد قاسم کے پاس آئے اسے سلام کیا وہ نہایت خوش اخلاق سے پیش آیا۔ انھوں نے حجاج کا خط دیا اور محمد قاسم نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا۔

میرے عزیز بھائی! بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ میری اور تمام مسلمانوں کی نگاہیں تم پر اور تمام لشکر پر لگی ہوئی ہیں فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ یقین ہے کہ خدا ہماری دعاؤں کو قبول کر کے فتح عطا فرمائے گا۔ منجیقین تمہارے پاس پہنچ رہی ہیں ان کو درست کر کر لشکر کے آگے رکھو اور ان کی کافی حفاظت کرو۔

جب تم دیبل کا محاصرہ کرو تو لشکر کو حسب قاعدہ مقدمہ۔ ساقہ۔ میمنہ۔ میسرہ اور قلب میں تقسیم کرو اور لشکر کے ہر ٹکڑے پر تجربہ کار اور بہادر اٹھائیں کو افسر مقرر کرو۔ میں عبدالرحمن بن سلم الکلبی اور سفیان الابروک۔ مجاشع بن زبیر۔

اور ضریح بن مغیرہ کو تھما کے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں راہ خدا میں وقف کر دی ہیں جو میدان کارزار میں شیر کی طرح سے جست لگاتے ہیں۔ نہایت بہادر۔ آزمودہ کار۔ فرمانبردار اور شیردل ہیں ان کی بہادری کی داستانیں ضرب المثل ہیں۔ عبادت گزار خلیفہ اور مسلمانوں کے ہمدرد و ہم خیال خواہ ہیں۔ اگر ضرورت سمجھو تو ان سے مشورہ لو ان کے تجزیوں سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کو بھی شجاعت و مردانگی دکھائے کا موقع دو۔

چونکہ اب تم غنیم کے ملک میں پہنچ گئے ہو اس لئے آزاد ہو کہ موقع مناسب دیکھ کر اور سمجھ کر جو چاہو کرو۔ لیکن یہ خیال رکھو کہ تمہاری کسی غلطی سے مسلمان ابتلا میں مبتلا نہ ہو جائیں ورنہ قیامت کے دن تم سے ہی باز پرس کی جائے گی۔ جو شخص بھی خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ حاکم ہو یا راہبر تم سے امان مانگے فوراً اسے امان دینا اور ہر ممکن اس کی اعانت کرنا۔ رات کو خود لشکر کے گرد گشت کرتے رہو۔ دشمنوں کی طرف سے غافل نہ رہو۔ میں بیان ہی نہیں کر سکتا کہ مجھ کو تم سے کس قدر محبت ہے یہ محبت ہی مجھے بے چین کئے ہوئے ہے خدا تمہاری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت کرے اور فتح دے مجاہدین سے میرا سلام کہہ دو۔

(حجاج ثقفی از بصرہ)

محمد قاسم نے خطا تمام لشکر کو سنا دیا اور اسی وقت منجیقوں کو دیبل کی طرف کھینچ کر لے جانے کا حکم دیا۔ فوراً گھوڑے جوتے گئے اور انہوں نے منجیقوں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ایک دستہ کساروں کی حفاظت کی غرض سے ساتھ کر دیا گیا۔ اب تمام لشکر ڈپرے خیمے اکھاڑ کر تیار ہوا اور سب سے آگے مقدمہ (شکر کا اگلا حصہ) روانہ ہوا۔ اس کے بعد میمنہ (شکر کا دایاں بازو) و میسرہ (شکر کا پایاں بازو) اور قلب (شکر کا درمیانی حصہ) دائیں بائیں پھیلتا ہوا بڑھا۔

سب کے بعد ساقہ و پچھلا حصہ (چلا ہر حصہ دو نمبر سے کافی فاصلے پر تھا اور اس طرح سے یہ لشکر دوڑ تک پھیل گیا اور اس کی تعداد اصل سے دو گنی نظر آنے لگی۔ تیران اسلام نہایت جوش و خروش سے بڑھے چلے جا رہے۔ گویا ہر شخص پر مجاہدانہ کیفیت طاری تھی۔

آہر کوچ و قیام کرتے ہوئے دیبل کے قلعہ کے سامنے جا پہنچے۔ ہندوؤں نے ان غازیوں کو دیکھتے ہی شور کرنا شروع کر دیا۔ ان کے شور سے اہل قلعہ کو مجاہدین اسلام کی آمد کا حال معلوم ہو گیا۔

تام زن و مرد اسلامی لشکر کو دیکھنے کے لئے فصیل پر چڑھ آئے اور جھک جھک کر نیزا بھرا بھرا دیکھنے لگے۔ وہ کوہ پیکر منجنیقوں کو دیکھ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ منجنیقیں عربوں کی ایجاد تھیں اور وہی ان کو چلانا جانتے تھے اور ان کے ہی ذریعے سے بھاری بھاری پتھر برسائے تھے۔

ہندوؤں کی سمجھ میں نہ آیا کہ مسلمان ان برجوں کو کیوں کھینچتے پھرتے ہیں، چونکہ اسلامی لشکر دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کو لشکر کی صحیح تعداد ہی نہ معلوم ہو سکی۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ اسلامی لشکر بڑھتا ہوا نظر آتا تھا۔ اسلامی علم نہایت رعب و داب سے لہرا رہے تھے۔ قلعہ کے قریب آ کر مسلمانوں نے ایک پر زور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور قلعہ سے ذرا فاصلے پر اتر کر خمیے نصب کرنے لگے۔

ہر دستہ علیحدہ علیحدہ فروکش ہوا۔ ہندو اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے جب تک کھلے ہوئے میدان میں خمیوں کا شہر نہ آباد ہو گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مسلمان نہایت اطمینان اور بے فکری سے کام میں مصروف ہیں جب دن چھپ گیا تب یہ لوگ واپس گئے۔



اکھارہ ہواں باب

”دام فریب“

جب رانی لادی اور راجہ داہر کمرے سے باہر نکلے تو کئی داسیاں برآمدے میں کھڑی ملیں۔ لادی نے ان کو چند جوڑے کپڑوں کے لانے کا حکم دیا اور وہ نہایت عجلت سے کئی پٹارے کپڑوں سے بھرے ہوئے لے آئیں اور انہیں محل سے باہر لے گئیں۔

راجہ اور رانی دونوں چلے اور محل سے نکل کر باہر آئے۔ یہاں تقریباً ایک ہزار سواروں کا دستہ کھڑا تھا۔ ایک خوب صورت رتھ جن پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے اور جو آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہا تھا۔ کھڑا تھا اس رتھ میں چار چار گھوڑوں کی چار جوڑیاں یعنی سولہ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔

ہر گھوڑے پر ایک سوار نیزوں میں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لگائے گھوڑوں کی باگیں سہاے بیٹھے تھے۔

یہ رتھ بہت لمبا اور کافی چوڑا تھا۔ اس میں زور لگا رہنے والی تھی اور تھوڑے چھوٹے نکلے لگے ہوئے تھے۔ رتھ کے اندر خوشناریشمین کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ اندر سبھی موتیوں کے اور باہر قدرتی پھولوں کے متعدد ہار لٹک رہے تھے۔

غرض کہ رتھ کو بہت کچھ زینت دی گئی تھی۔ چونکہ رانی لادی کو راجہ داہر بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کے واسطے ہر چیز ایسی بنواتا تھا جس کی نظیر نہ ہو سکے۔

یہ رتھ بھی رانی لادی کے لئے خاص طور پر بنوایا گیا تھا اور اس کے بنائے میں رانی کے آرام و آسائش کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ رانی لادی تھی نازنین و مہ جبین غالباً زیادہ خوب صورت اور زیادہ نیک اور بھولی ہونے کی وجہ سے رعایا کو بھی بے حد محبوب تھی۔

رانی کے آتے ہی تمام سواروں نے پر زور آواز سے کہا۔ ماتا رانی لادی کی جے! لادی ہزار

عشوہ و ناز سے بل کھلتے ہوئے محل سر کی سیڑھیوں سے اتر کر اور راجہ داہر کا سہارا لے کر رتھ میں بیٹھ گئی۔

کئی داسیاں بھی ایک طرف اس کے پاس جا بیٹھیں اور پندرہ بیس اور پیش خدمتیں دوسرے چھوٹے چھوٹے رتھوں میں سوار ہو گئیں۔
لاوی کے رتھ میں بیٹھے ہی ایک نوجوان برہمن آیا جس کی ڈاڑھی نندارو اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔

اس کے سر کے زیچ میں لمبی چوٹی کا ایک گچھا تھا۔ جس میں گرہ دی ہوئی تھی۔ صرف ایک ریشمین دھوتی باندھے تھا۔ وہ بھی گھٹنوں تک نیچی اور کوئی کپڑا نہ پہنے تھا۔ برہمنہ تھا۔ چند دھاگوں کو بل دے کر اڑا رہے شانہ سے بائیں پہلو تک ڈالے تھا۔ ان دھاگوں کو ہندو جینیو کہتے ہیں۔

اس برہمن یا پنڈت کا نام چندر تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر ماتھے کے قریب لے جاتے ہوئے جھک کر رانی کو سلام کیا اور جب اشارہ سے رانی سلام لے چکی تو وہ پیچھے ہٹ کر ایک رتھ میں جا بیٹھا۔

اب رانی کی سواری روانہ ہوئی سب سے پہلے کچھ سوار چلے۔ اس کے بعد رانی کا رتھ چلا اور اس کے رتھ کے پیچھے کنیزوں کے رتھ روانہ ہوئے۔ پھر چندر کا رتھ بڑھا اور سب سے آخر میں بقیہ رسالہ بڑھا۔

اس شان سے رانی چلی اور سے باہر نکل اور دیبل کی طرف روانہ ہوئی چونکہ دیبل وہاں سے کئی ہفتے کی راہ کے فاصلے پر تھا اور درمیان میں ایک زبردست دریا مہراں پڑتا تھا۔

ملہ دریا مہراں کو آج کل دریا مہراں سندھ کہا جاتا ہے اس عظیم دریا کے بہت سے نام ہیں اسے انگریزی میں انڈس کہتے ہیں۔ عام ہندو اٹک کے نام سے پکارتے ہیں جینی سن تاؤ کہتے ہیں اس کا نام باش بھی ہے جس کا ترجمہ و دیاؤں کا باپ ہے۔ یہ دریا نہایت زبردست ہے۔ وہ مانسرو جھیل کے شمالی برفستانی پہاڑوں کی چوٹی کپلاس کے ڈہلوان سے سنگا یاب یعنی دہن شیر سے نکلتا ہے اور صوبجات شمال مغربی سرحدی۔ پنجاب اور سندھ میں ۱۸۰۲ میل بہ کر بحیرہ عرب میں کراچی سے ذرا فاصلے پر گر جاتا ہے۔
(صادق صدیقی)

کئی ولانتیں مثلاً سوستان اور نیرون وغیرہ کی پڑتی تھیں۔ اس لئے داہرے تمام ولایتوں کے حکمرانوں کو رانی لادی کے آنے کی اطلاع دے کر اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کی ہدایت کے احکام جاری کر دیئے تھے۔

چنانچہ رانی لادی کی سواری جس طرف سے گزری۔ وہاں کا حاکم اس کی مدارات کرتا چلا گیا۔ جہاں کہیں رانی کا قیام ہوتا۔ چند راس کے پاس آتا اور گھنٹوں بیٹھا گیان دھیان کی باتیں کیا کرتا۔ آخر یہ کوچ و قیام کرتا ہوا مختصر قافلہ دیبل کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ محمد قاسم نے دیبل کا محاصرہ کر لیا ہے اس خبر پر ان لوگوں پر خوف و ہراس پھیل گیا۔ رانی لادی کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی لشکر کا سردار جس کا نام محمد قاسم ہے بہت مخوڑی عمر کا ہے۔

اس کی عمر سترہ سال کی ہے نہایت خوب رو اور بہادر ہے۔ عورتوں کی یہ کمزوری ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کی تعریف سنتی ہیں تو اس کے دیکھنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نیک اور عصمت باب خواتین نہ ایسی باتیں سنتی ہیں اور نہ ایسے تذکروں میں شریک ہوتی ہیں۔

اسلام نے حماقت کی ہے کہ نہ عورتیں باہر نکلیں نہ غیر مردوں کا ذکر کریں رانی لادی کے دل میں محمد قاسم کی تعریفیں سن سن کر اس کے دیکھنے کی تمنا پیدا ہو گئی مگر وہ خوب جانتی تھی کہ محمد قاسم کو دیکھنا ناممکن ہے اس لئے کہ اُسکے پاس قصداً جانا مشکل اور اس کا اچانک مل جانا غیر ممکن تھا۔

مگر جو خواہش اس کے دل میں پیدا ہو چکی تھی اسے دور کر دینا اس کے بس میں نہ تھا۔ مگر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کسی پر بھی نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ ایک عظیم المرتبت ہندو راجہ کی رانی ہو کر حیثیت سے جس کی تعظیم آدھا ہندوستان کرتا ہونے جس کے حسن کا چرچا عالمگیر شہرت رکھتا ہو۔ وہ ایک مسلمان سے جو اس کے ملک پر چڑھائی کرنے اس کے بستی رشوہ سے لڑنے آیا ہو اُسے دیکھنے کی تمنا کا اظہار وہ کیسے کسی پر کر سکتی تھی۔

چنانچہ وہ اس خواہش کو اپنے ہی دل میں دبائے ہوئے تھی۔ وہ مندر جس میں رانی کو جانا تھا۔ دیبل سے ذرا فاصلے پر سمندر کے ساحل کی طرف گنجان جنگل میں واقع تھا۔ سیدھا راستہ دیبل ہو کر جاتا تھا۔ لیکن اس طرف اسلامی لشکر پڑا ہوا تھا۔ اس لئے اس راستے کو عملاً چھوڑ کر

ایک اور راستہ اختیار کیا گیا۔ جو گنجان درختوں اور ناہموار زمین کی وجہ سے دشوار گزار تھا۔ مگر سوائے اس راستہ کے اور کوئی راستہ نہ تھا لہذا طوعاً کرہاً اسے ہی اختیار کیا گیا اور اس خیال سے کہ رانی کو کوئی تکلیف نہ ہو قریب کے دیہات اور قصبات سے قلیبوں کو بکرا گیا اور ان سے درختوں کو کٹوا کر راستہ ہموار کر یا جاتا اور تب رانی کا راستہ اس پر سے گزرتا۔ یہ جنگل نہایت گنجان اور تاریک تھا۔ اس میں درخت اس کثرت سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ ان کے تنوں میں سے ہو کر گزرتا غیر ممکن تھا کیونکہ ان کی شاخیں ایک دوسرے سے وصل ہو رہی تھیں اور آفتاب کی شعاعیں زمین پر نہ پڑتی تھیں۔ رات تو رات رہاں دن میں بھی کافی اندھیرا رہتا تھا۔ ابھی انھوں نے اس جنگل کا تھوڑا سا ہی حصہ طے کیا تھا کہ ایک روز رات کے وقت جب کہ سب آرام کر رہے تھے اور چاندنی چٹک رہی تھی۔ جو حصہ مزدوروں نے دن میں صاف کیا تھا۔ اس پر چاندنی کی سفید چادر پھیلی ہوئی تھی۔ چند رانی کے خیمہ میں داخل ہو کر رانی کھانا کھا قیلو لہ کر رہی تھی۔ چند راداب عرض کر کے کھڑا ہو گیا۔

لادی نے اپنی ہوشیار نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا کس لئے آئے ہو تم اس وقت؟

چندر نے کہا۔ مہارانی جی! یہاں قریب ہی ایک مہا تما گھر سے ہوئے ہیں۔ میں ان کے درشن کرنے گیا تھا۔ انھوں نے کہا ہے کہ اگر رانی اس وقت میرے پاس آوے تو میں ان کے من کی اچھیا (آرزو) پوری کر سکتا ہوں۔

لادی اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔ وہ میرے من کی اچھیا پوری کرادیں گے۔
چندر۔ جی ہاں!

لادی۔ اچھا تو چلو دس بیس سپاہیوں کو بھی ساتھ لے لو۔

چندر۔ انھوں نے پہلے ہی ہدایت کر دی ہے کہ سوائے میرے اور آپ کے تیسرا کوئی شخص نہ جائے۔

لادی۔ کتنی دور ہیں وہ مہاتما؟

چندر۔ بہت قریب زیادہ سے زیادہ دو سو مدھم کے فاصلہ پر ہوں گے۔ لادی

اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا اچھا چلو۔

دونوں خیمہ سے باہر آئے اور جس راستے سے رکھا آیا تھا۔ اسی راستہ پر چل پڑے
چلتے رہے دیر تک آخر جب لاڈلی تھک گئی اور اپنے لشکر سے دور نکل آئی تو اس نے کہا
تم تو کہتے تھے کہ ہما تمنا قریب ہی ہیں لیکن اتنی دور آنے پر بھی وہ نہیں ملے۔
چندر۔ بس ہم قریب ہی آگئے ہیں۔

پھر دونوں چلے۔ مگر کچھ دور چل کر ناز آفرین رانی رک گئی۔ اس نے کہا ہم سے اب
نہیں چلا جاتا۔ چندر نے خاص نظریں اس کے روشن چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ اگر اجازت
ہو تو میں گود میں اٹھا کر لے چلوں۔
لاڈی نے غصہ بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔ تم؟ چندر نے عاجزی سے کہا کیا
ہرج ہے اس میں۔

لاڈی۔ ایک پتی برتا استری (شوہر کی وقا اور عورت) کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی
کہ غیر مرد اس کے جسم کو ہاتھ لگائے۔
چندر۔ مگر۔۔۔۔۔

رانی نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا مگر کیا؟
چندر۔ کیا مجھے سب کچھ کتنا پڑے گا؟
لاڈی۔ ہاں۔ صاف صاف کہو۔

چندر۔ صاف بات یہ ہے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں۔

لاڈی چونکے پڑی اور اس نے غصہ سے بیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ شرم کرو پنڈت
جی ہمارا ج شرم کرو۔

چندر۔ شرم کی کیا بات ہے اس میں؟

لاڈی جوش و غضب سے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے
تھے۔ چہرہ تہمتا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ رانی بوجا رعیایا کی ماما ہوتی ہے کیا یہ شرم کی بات نہیں
ہے کہ تم اپنی ماما سے محبت کا اظہار کر رہے ہو۔

چندر۔ میں نے بہت ضبط و صبر کیا ہے لیکن جب جان پر بن گئی تب میں نے یہ
چال چلی اور راجہ داہر کو پھسلا کر تم کو یہاں لے آیا۔

لاڈی۔ پاپی! کیا مندر میں دعا مانگنے اور مہاتما جی سے ملنے کا تو نے جھوٹا ہی جال بچایا تھا

چندر۔ جی ہاں! آپ اب اس جال میں اچھی طرح سے پھنس گئی ہیں۔ سینے یا تو آپ میری مرضی پر چلے ورنہ میں آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور پھر دنیا ہی کہے گی کہ رانی کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔

لاوی نے غضب ناک ہو کر کہا۔ خبردار! اب ایسی بات زبان سے نہ نکالنا ورنہ شٹ اپنڈت بنا ہے تو۔

چندر۔ اس میں میری خطا نہیں ہے آپ کی صورت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ رانی کے اور قریب جا کھڑا ہوا اور بولا۔ غصہ کو جانے دو۔ جس راجہ کی تم وفادار رہنا چاہتی ہو سو بھو! اس نے تمہارے ساتھ کہاں وفاداری کی ہے اگر وہ وفادار ہوتے تو کیا کئی رانیاں کرتے؟ جب وہ تمہارے ہی نہیں بنے تو تم بھی ان کی نہ بنو۔

لاوی۔ دور ہو بدکار! مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔

چندر۔ تو کیا آپ خوشی سے رضامند نہ ہونگی؟

لاوی۔ ہرگز نہیں؟

چندر۔ اچھا تو اب مجھے زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔

یہ کہتے ہی اس نے ہتھیلی بجائی۔ کئی لوگ ادھر ادھر سے نکل آئے یہ سب ڈہائے باندھے تھے صرف ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی رانی ان قوی ہیکل انسانوں کو دیکھ کر ڈر گئی۔ چندر نے کہا رانی اب بھی مان بھائی لاوی نے کہا میں پاپ گناہ کرنے سے مر جانا اچھا سمجھتی ہوں۔

چندر نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ بہت اچھا! اب اس نے ڈہائے والوں سے کہا۔ اسے اٹھا کر لے چلو۔ فوراً چند آدمی بڑھے رانی نے غصہ سے چیخ کر کہا۔ پاپیو! الٹک ہٹ جاؤ۔ مگر وہ کیوں مننے والے تھے۔ انھوں نے لپک کر اسے اٹھالیا۔ رانی نے اپنی پوری طاقت سے کہا۔ مدد۔ مدد۔ بچاؤ! بچاؤ۔

چندر نے حقارت سے رانی کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ فضول شور کرنے کا کیا فائدہ رانی تڑپ رہی تھی بل کھا رہی تھی۔ وہ اپنی پوری قوت سے رہائی کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اس نے پھر چلا کر کہا۔ آہ بچاؤ کوئی بچاؤ۔

فوراً ہی ایک گرجدار آواز آئی۔ خبردار! ڈھائے والوں۔ لاوی اور چندر نے لگا ہی

اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ چند مسلمان تلواریں سونتے کھڑے تھے مسلمانوں کو دیکھتے ہی سب ہتھیار
گئے۔ انہوں نے فوراً رانی کو چھوڑ دیا اور سب حیرت بھری نظروں سے شیران اسلا
کو دیکھنے لگے۔



”شرفِ مسلمان“

ان مسلمانوں میں ایک محمد قاسم۔ دوسرا عبدالرحمن۔ تیسرا خیریم اور چار اور مجاہد تھے۔ یعنی وہ صرف سات آدمی تھے اور ساتوں تلواریں سونتے کھڑے تھے۔ محمد قاسم نے جب سے دیبل کا محاصرہ کیا تھا۔ اس وقت سے اس کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ رات کو دور دور تک گھومتا پھرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی جنگل میں سے کوئی سرنگ قلعہ کے اندر گئی ہے لہذا وہ اس سرنگ کی تلاش میں تھا۔ اتفاق سے یارانی لادی کی خوش قسمتی سے آج اس طرف آیا ہوا تھا اور وہ اس طرح سے اس وقت جب کہ لادی کو ڈاکو صفت انسان اٹھا کرے جا کر رہے تھے۔ وہاں پہنچ گیا تھا۔ مسلمانوں کو شمشیر برسنہ دیکھ کر چنر اور اس کے بدکار ساتھی کا پنے لگے۔ سب سے آگے محمد قاسم تھا اور وہ تہرا کو وہ نظروں سے ڈھائے والوں کو گھور رہا تھا۔ اس نے کرک کر کہا:

کار یہ کیا معاملہ ہے؟

ان میں سے کوئی بھی عربی سے واقف نہ تھا اور محمد قاسم نے عربی ہی میں گفتگو شروع کی تھی۔ وہ سندھیوں کی بھاشا سے ناواقف تھا۔

عبدالرحمن ان کی زبان جانتا تھا۔ جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو محمد قاسم سمجھ گیا کہ انہوں نے اس کی بات ہی نہیں سمجھی۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمن سے کہا تم ان سے دریافت کرو یہ کون ہیں اور یہ لڑکی کون ہے۔

یہ کہہ کر اس نے لادی کی طرف دیکھا وہ اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس جگہ چاندنی چٹکی ہوئی تھی اور چاندنی میں لادی کی صورت مصفا آئینہ کی طرح چمک رہی تھی۔ محمد قاسم بھی اس رشک حور کو دیکھ کر دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا اور وہ کچھ کھویا سا گیا۔ حسن کی گہرائیوں میں۔ وادی نور میں۔ ڈوب کر رہ گیا۔ مستانہ نگاہوں کے سرور میں۔

عبدالرحمن نے چندر سے دریافت کیا تم کون ہو؟
 چندر نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ حضور! میں ایک پنڈت ہوں۔
 عبدالرحمن اور یہ کون لوگ ہیں؟
 چندر۔ یہ ڈاکو ہیں۔
 عبدالرحمن۔ اور یہ لڑکی کون ہے۔

چندر۔ یہ مہاراجہ داہر کی رانی لادی ہیں۔

داہر کی رانی کا نام سن کر عبدالرحمن چونک پڑے۔ لاوی کچھ ایسی محو ہو رہی تھی کہ اس نے
 عبدالرحمن اور چندر کی گفتگو بالکل بھی نہ سنی۔ مگر جب اپنا نام سنا تو عبدالرحمن کی طرف دیکھا چونکہ
 رانی لادی اپنی سحر نگار نظروں سے محمد قاسم پر جادو کر رہی تھی اور اس لئے محمد قاسم سحر کھڑا تھا۔
 جب اس نے اپنی نگاہیں پھیریں تو محمد قاسم ہوش میں آیا۔ اس نے بھی عبدالرحمن کو دیکھا۔
 عبدالرحمن نے کہا۔ حضور۔ یہ لڑکی رانی لادی ہے اور راجہ داہر کی بیوی۔ محمد قاسم بھی فرط حیرت سے
 چونک پڑا۔ اس نے کہا۔

رانی لادی۔۔۔۔۔ دریافت کرو! یہ اس خطرناک مقام پر کیسے آئی۔

عبدالرحمن نے چندر سے دریافت کیا۔ رانی اس پر خطر مقام پر ایسے وقت جب کہ اس نواح
 میں مسلمان چھائے ہوئے ہیں کیوں آئی ہے۔

چندر نے جواب دیا۔ حضور یہاں قریب ہی ایک مندر ہے رانی صاحبہ اس مندر میں
 فتح کی دعا مانگنے آئی تھیں۔

عبدالرحمن نے محمد قاسم کو چندر کا مفہوم سمجھا دیا۔

قارئین کرام یہ سمجھ لیں کہ آئندہ جو گفتگو جس ہندو سے بھی ہوئی وہ عبدالرحمن کے ذریعے
 سے کیونکہ ان لوگوں میں ایک وہی بھاشا سے واقف تھا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا۔ یہ لوگ
 کون ہیں اور کیوں رانی کو اٹھا کرے جا رہے تھے؟

چندر نے جواب دیا یہ ڈاکو ہیں۔ رانی صاحبہ کو لوٹنے کے لئے لے جا رہے تھے۔
 ایک ڈھائے والے نے کہا۔

حضور یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم رام نگر کے رہنے والے ہیں یہ ہم کو اس لئے لائے
 تھے کہ ہم ایک عورت کو گرفتار کر کے رام نگر لے جاویں۔ رام نگر ایک معقول قصبہ تھا اس جنگل

سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر زیرون کے قریب واقع تھا۔

محمد قاسم۔ تم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ کس عورت کو گرفتار کرنا ہے۔

وہی شخص۔ نہیں۔ حضور! یہ ہمیں اب معلوم ہوا کہ یہ ہماری ماتا رانی لادی ہیں۔

محمد قاسم نے گھور کر چندر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مکار شخص۔ یہ کیا کہتے ہیں۔

چندر نے فے البدیہہ جو اب دیباہ حضور سے ڈر کر تھوٹ بول رہے ہیں۔

محمد قاسم نے لادی سے دریافت کیا۔ آپ یہاں کیسے آئیں۔

لادی محمد قاسم کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ چندر نے یہ

بالکل سچ کہا ہے کہ میں مندر میں فتح کی دعا مانگنے کے قصد سے آئی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے

کہ مجھے یہاں اس بہانہ سے لایا کہ اگر میں مندر میں جا کر فتح کی دعا کروں تو ہماری وجہ (فتح)

ہوگی۔

آج یہ بدطن مچھ میرے پاس آیا اور کہا کہ ایک مہا تما ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ میرے

من کی اچھیا (دل کی آرزو) پوری ہونے کی ترکیب بتادیں گے۔ میں اس کے دم میں آگئی اور

تھا اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہاں یہ اپنے اصلی روپ میں شیطان بن کر نمودار ہو گیا اور مجھے پریشان

کرنے لگا۔۔۔۔۔

محمد قاسم نے دریافت کیا۔ کیا چاہتا تھا یہ بد معاش؟

لادی نے حیا پرور نگاروں سے دیکھ کر کہا۔ اس پاپی کی باتیں کہتے ہوئے مجھے لجبیا

(شرم) آتی ہے۔

محمد قاسم۔ اور تمہارے دل کی اچھیا کیا تھی؟

لادی۔ میرے من کی اچھیا؟۔۔۔۔۔

اس نے ہوشیار محبت بھری نظروں سے محمد قاسم کو دیکھا۔ دیکھتی رہی۔ پھر شرمناک رہ

جھکا کر خاموش ہو گئی۔

محمد قاسم نے کہا۔ رانی۔۔۔۔۔ بتا دو۔

رانی نے محمد قاسم کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا۔ میری اچھیا؟ آپ کو دیکھنے کی تھی۔

محمد قاسم چونک پڑا۔ تمام مسلمان اور سارے ہندو بھی چونک پڑے اور سب تیز تیز نظروں

سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

محمد قاسم نے اس کے رخ بردش پر نظریں جا کر کہا۔ مجھے دیکھنے کی خواہش کیوں تھی تم کو؟ -

لاڈی۔ اس لئے کہ میں نے سنا تھا کہ ایک زعم لڑکا اسلامی لشکر کا افسر بن کر آیا ہے۔ محمد قاسم۔ اچھا اب تم کیا چاہتی ہو۔

لاڈی۔ میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے اس وقت مجھے ان ظالموں کے جنگل سے رہائی دلائی۔ میں اپنے لشکر میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ محمد قاسم۔ اور ان بد معاشوں کے لئے کیا حکم ہے؟ لاڈی۔ انہیں آپ کی مرضی پر چھوڑتی ہوں۔

محمد قاسم نے اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ان سب کو گرفتار کر لو۔

یہ حکم سنتے ہی سب کانپ گئے۔ چندر! محمد قاسم کے قدموں پر جا پڑا اور اس نے رو رو کر کہا۔ رحم کرو مجھ پر رحم کرو۔

محمد قاسم نے غضب ناک ہو کر کہا۔ بد معاش! تجھے شرم نہ آئی کہ تو اس نازعین (لاڈی کی طرف اشارہ کر کے) کو دھوکہ دے کر لایا اور اپنی ہوس کا شکار بنا چاہتا تھا۔

چندر۔ مجھ سے قصور ہو گیا۔ آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔

محمد قاسم۔ میں تجھے معاف کر سکتا ہوں اگر رانی معاف کر دے۔

اب چندر اٹھ کر لاڈی کے قدموں میں جا لڑا اس نے کہا، معاف کر دو۔ مائارانی

معاف کر دو۔

لاڈی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اب مائا کتا ہے لیکن اب سے فرادیر پہلے کیا شیطان سوار تھا۔ (غصہ سے بل کھاتے ہوئے) میں ہرگز تجھے معاف نہیں کر سکتی۔

محمد قاسم۔ بس سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہاں اسے گرفتار کر لو۔

فوراً سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اب ہندو قلیوں نے گڑ گڑانا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بالکل بے گناہ ہیں۔

محمد قاسم نے کہا۔ تم۔۔۔ شریک جرم بھی مجرم ہوتا ہے تم بھی۔

مسلمان سپاہیوں نے انہیں بھی گرفتار کر لیا۔ محمد قاسم نے لاڈی سے دریافت کیا۔

تمہارا لشکر کہاں ہے۔

لاوی۔ یہاں سے قریب ہی ہے (انگلی سے اشارہ کر کے) اس طرف۔
 محمد قاسم۔ تم چلی جاؤ گی یا کسی کو تمہارے ساتھ بھیجوں۔
 لاوی نے شریلے پن سے کہا۔ مجھے خوف معلوم ہو گا۔ کیا آپ مجھے پہنچانے کے لئے نہیں
 جا سکتے؟

محمد قاسم۔ میں؟ اگر تم چاہو تو میں جا سکتا ہوں۔

لاوی۔ بڑی مہربانی ہو گی۔

محمد قاسم نے سپاہیوں سے کہا۔ تم ان قیدیوں کو لئے یہیں کھڑے رہو۔ ہم سب

ابھی آتے ہیں۔

رانی لاوی کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ محمد قاسم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن محمد قاسم اس
 کی زبان نہ سمجھتا تھا اور وہ محمد قاسم کی طرف سے اس لئے مجبور تھی۔ اب محمد قاسم۔ عبدالرحمن
 اور فریم لاوی کے ساتھ چلے۔

کچھ دور چل کر لاوی نے کہا۔ ایک مسلمان لڑکی جو سراندرپ سے آرہی تھی اور جسے
 راجہ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا تھا اور میں میرے پاس ٹھہری ہوئی ہے۔
 اب تک کسی مسلمان کو بھی یہ علم نہ تھا کہ قیدی مسلمان کہاں رکھے گئے ہیں۔ محمد قاسم نے
 دریافت کیا اور یقینہ قیدی کہاں ہیں۔

لاوی۔ دیبل کے قلعہ میں۔

محمد قاسم۔ مگر صرف ایک ہی لڑکی اور وہ کیسے گئی۔

لاوی اس کا جواب دینے میں پس و پیش کرنے لگی۔ محمد قاسم اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 لاوی نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ میرے سوامی (شوہر) اسے لے گئے تھے۔

محمد قاسم۔ آخر کس وجہ سے؟

لاوی۔ اسے وہی جانتے ہوں گے۔

محمد قاسم۔ اس لڑکی کا کیا نام ہے۔

لاوی۔ طاہرہ۔

محمد قاسم۔ وہ تمہارے پاس رہتی ہے۔

لاوی۔ ہاں، نہایت اطمینان اور آرام سے۔

محمد قاسم۔ کیا تم اسے یہاں پہنچا سکتی ہو؟

لاوی۔ نہیں کیونکہ مجھے اس قدر اختیار نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا! تم میرا اور کل مسلمانوں کا اس سے سلام کہہ دینا اور ہم مسلمان اسے اور دوسرے مسلمانوں کو رہا کرانے کے لئے آٹے ہیں اور جب تک رہا نہ کرا لیں واپس نہ لوئیں گے۔

یہ کہتے کہتے قاسم کو جوشن آگیا اور جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ لاوی اس کے چہرے ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے شوخی کے انداز میں کہا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

محمد قاسم پر جوشش لہجہ میں کہا۔ ہاں! میں کہہ رہا ہوں اور یہ الفاظ مجھ سے خدا ہی کہلوا رہا ہے۔

لاوی۔ لیکن آپ کی عمر بڑھنے کی کہاں ہے؟

محمد قاسم۔ میں کئی بڑائیاں لڑ چکا ہوں۔

لاوی نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔ کئی بڑائیاں لڑ چکے ہیں آپ؟

محمد قاسم۔ ہاں۔

لاوی۔ تعجب ہے۔

محمد قاسم۔ تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ اس وجہ سے اظہار تعجب کر رہی ہو۔ مسلمانوں

کا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی پر جوش اور بہادر ہوتا ہے اس کے دل میں بڑائی کی امنگ ہوتی ہے وہ میدان کارزار کو باز رکھنے اطفال سمجھتا ہے۔

لاوی۔ اس لئے آپ نے اتنی تھوڑی عمر میں نام پیدا کر لیا ہے۔ ہماری قوم

میں اتنی عمر کے بچے تو گھر سے بھی نہیں نکلتے اور اسی وجہ سے آج تمام ہندوستان تعجب کر رہا ہے کہ سترہ سال کی عمر کا لڑکا قوج کا جرنیل بن کر آیا ہے۔

محمد قاسم لیکن زیادہ تعجب اس وقت کریں گے جب کہ خدا مجھ کو فتح دے گا۔

لاوی۔ کیا آپ کو فتح کا یقین ہے؟

محمد قاسم۔ خدا کی ذات سے مکمل یقین ہے۔

لاوی۔ لیکن یہ خیال کہ لیجئے کہ ہندوؤں کا لشکر بہت زیادہ ہے۔

محمد قاسم۔ خدا ہماری مدد کرنے گا۔

اب رانی کی لشکر گاہ قریب آگئی تھی۔ محمد قاسم رک گیا اور اس نے کہا رانی صاحبہ جانیے اور کوشش کیجئے کہ طاہرہ کو وہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ مسلمان تمہارے مشکور ہوں گے۔
لا دی۔ ہاں! میں اُسے تکلیف نہ ہونے دوں گی۔
وہ چلی گئی۔ محمد قاسم اور ان کے ساتھی واپس لوٹے۔ سپاہیوں کے پاس آئے قیدیوں کو ساتھ لے کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔



”حملہ“

محمد قاسم نے قلعے کے سامنے اپنا لشکر مقیم کر کے تمام مجاہدین کو خندق کھودنے کا حکم دے دیا تھا۔ خندق کھودے جانے کے متعلق حجاج کا حکم آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اپنے لشکر کے گرو بارہ گز چوڑی اور چھ گز گہری خندق کھود لو تاکہ دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ ہو جاؤ۔

چنانچہ مسلمانوں نے خندق کھود کر قلعے کے سامنے ایک چھوٹا سا قلعہ بنا لیا تھا۔ انھوں نے اسی مٹی کو جو خندق میں سے نکلی تھی خندق کے احاطہ کے اندر اندر اس کے کناروں پر چاروں طرف ڈال ڈال کر پشتہ بنا لیا اور اس پشتہ سے ایک خام قلعہ بن گیا تھا۔

جس روز لاوی سے مل کر اور چند روز اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے محمد قاسم آیا۔ تو اس کے دوسرے ہی روز صبح کی نماز پڑھتے ہی اس نے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا اور جب تمام لشکر مسلح ہو گیا تو اسے خام قلعے کے سامنے صف بستہ کر دیا۔ ہندوؤں نے انہیں دیکھا اور انھوں نے ایک شور عظیم بلند کرنا شروع کر دیا۔

غالباً وہ دیبل والوں کو اطلاع دے رہے تھے کہ آج مسلمان حملہ کرنے والے ہیں۔ لہذا ہوشیار ہو جاؤ۔ محمد قاسم نے لشکر سے آگے منجینقوں کو جو ہلکی اور معمولی پتھر پھینکنے والی تھیں کھڑا کر دیا۔

ابھی حملہ نہ ہوا تھا۔ تمام مسلمان خاموش کھڑے تھے اور قلعے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مندر صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

انھوں نے دیکھا کہ چند آدمی مندر کی چوٹی پر چڑھ گئے ہیں اور انھوں نے ایک بڑا علم

اس کے کلس کی کلنی میں لگا دیا اور پھر اڑا دیا۔

یہ کلنی ایک لمبے بانس کی طرح پتیل کی تھی۔ پھر اڑا لگا کر وہ جلدی سے اڑ گئے۔ اب پھریرے میں ہوا بھرتا شروع ہوئی اور وہ پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چار حصے ہو گئے۔ یہ پھریرا سبز عریہ کا تھا اور اس کا ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ مندر سے فصیل تک پہنچ گیا تھا۔ ہم مکھ چکے ہیں کہ مندر بالکل قلعہ کے بیچ میں تھا اور مندر سے فصیل کئی فرلانگ پر تھی۔ اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس جھنڈے کا ہر پھریرا کئی فرلانگ لمبا اور اس لمبائی کے اندازہ سے چوڑا تھا۔ جب اس کے چاروں پھریرے کھل کر پھیل گئے تب وہ گردش کرنے لگے اور اس طرح سے وہ تمام قلعے پر چھا گئے۔

مسلمان حیرت بھری نظروں سے اس علم اور اس کے پھریروں کی جانب دیکھنے لگے۔ دیکھتے رہے گاہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کو اور گاہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کو اور گاہ اس کی گردش کو۔

دراصل اتنا بڑا علم انہوں نے تو کیا کبھی کسی نے بھی نہ دیکھا ہو گا۔ دیبل والوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک وہ علم قلعہ کے اندر گردش کرتا رہے گا اور اس کے پھریرے فصیل کو چھو کر چلتے رہیں گے اس وقت تک دیبل کا قلعہ ہرگز ہرگز فتح نہ ہو سکے گا۔ محمد قاسم نے تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس کے ساتھ منجینقوں سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔

قلعے کی فصیل اس قدر بلند تھی کہ پتھر اس کے اوپر نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ فصیل سے ہی ٹکڑا ٹکڑا کر رہ جاتے تھے۔ مگر مسلمان جس کام کو شروع کر دیتے تھے۔ اس کے نتیجے سے بے نیاز ہو کر برابر اُسے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اب بھی وہ برابر پتھر پھینک اور منجینقوں کو آگے دھکیل رہے تھے۔

جب زیادہ نور و قوت سے انہوں نے پتھر پھینکے تو بعض بعض پتھر فصیل کے اوپر پڑنے لگے۔

یہ پتھر اس بلا کے تھے کہ جب کسی کے جا کر لگتے تھے تو اس کے سر و سینہ کو توڑ ڈالتے تھے۔

چنانچہ پتھروں کے فصیل پر پڑنے سے اس طرف کھڑے ہونے والے ہندو مجروح ہو ہو کر گرنے اور گر کر مرنے لگے۔

ہندو بھی خاموش نہ کھڑے تھے بلکہ وہ اپنی پوری قوت سے تیر برسا رہے تھے اور فلاخنوں میں پتھر کے ٹکڑے رکھ رکھ بھینک رہے تھے۔ مگر ان کے تیروں یا پتھروں سے مسلمانوں کو اس لئے نقصان نہ پہنچ رہا تھا کہ اسلامی لشکر قاصطے پر تھا اور منجینقوں کو دھکیلنے والے سپاہی ان چوبلی برجوں کے پیچھے ان کے سامنے میں تھے۔

ہندو فصیل پر کھڑے چیخ رہے تھے۔ غل مچا رہے تھے اور مسلمانوں کو گالیاں دے رہے تھے۔

ان کے شور سے تمام قلعہ۔ قلعے کے سامنے والا میدان اور ساری فضا گونج رہی تھی۔ مسلمان نہایت استقلال سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ دوپہر ڈھلے تک صرف منجینقوں سے ہی پتھر برسائے جاتے رہے۔ مگر جب آفتاب ڈھل گیا تو مسلمانوں نے سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ گویا کہ اب عام دھاوا بول دیا گیا تھا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر اور بھی زور زور سے غل مچانا اور جلد جلد تیر اور پتھر برسائے شروع کر دیئے۔ چونکہ اب مسلمانوں نے بڑھنا شروع کر دیا۔ اس لئے تیر اور پتھر ان کے آگے لگنے اور ان کو مجروح کرنے لگے تھے۔ مگر انھوں نے اس بات کی پرواہ تک بھی نہ کی۔

زخمی ہو رہے تھے اور بڑھ رہے تھے۔ بڑھتے جاتے تھے اور فصیل کی طرف دیکھتے جلتے تھے۔ جب وہ قلعے کے زیادہ قریب پہنچ گئے تب محمد قاسم نے اپنے شانہ سے کمان اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

محمد قاسم جھنڈا لئے سب سے آگے تھا اس کے کمان ہاتھ میں لیتے ہی تمام لشکر نے کمانیں سنبھالیں اور تیر جوڑے جوڑے چلے کھینچ کھینچ کر فصیل پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ ان کے یہ بے پناہ تیر فصیل پر پہنچ پہنچ کر دشمنوں کے سر و سینوں میں ترازو ہونے لگے تیر اندازی میں مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی بھی نہ تھا۔

ان کے تیر اس طرح کمانوں سے نکلتے تھے جیسے کہ وہ سب ایک ہی کمان سے نکلتے ہوں اور چونکہ وہ برابر دوڑتے تھے اس لئے ہندوؤں کو بچنے کی کوئی گنجائش نہ ملی تھی۔

تیروں کی ہربادہ سے ہندو زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اور گرتے ہی تڑپنے لگتے تھے گاہ بگاہ ایک دو مسلمان بھی مجروح ہو کر گھوڑوں سے گر پڑتے تھے۔ ان گرنے والوں کو لوگ فوراً ہی اٹھا کر لے جاتے تھے اور ان کے زخموں پر پٹی کس کر انہیں ایک طرف لٹا دیتے تھے۔ قریقین کے سرفروش زخمی ہوتے تھے۔ جنگ کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔

جب عصر کا وقت ہوا۔ تو محمد قاسم نے جنگ بند کر کے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور اب اسلامی لشکر پیچھے ہٹنے لگا۔

ہندوؤں نے اور بھی شور مچا مچا کر پھرتی اور تیزی سے تیروں اور سنگریزوں کی بارش شروع کی۔ لیکن اب مسلمان اس قدر پیچھے ہٹ آئے تھے کہ ان کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

چونکہ عصر کا وقت تنگ ہوتا جاتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے ہٹتے ہی سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کی۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو منجیقوں کو بھیجیں وہ میدان جنگ ہی ہیں پھوڑ آئے تھے۔ لانے کے لئے بہت سے مسلمان چلے۔ ہندو ابھی تک قلعے کی فصیل پر تاک لگائے بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمان منجیقوں کو لینے کے لئے آریں گے۔ چنانچہ جو نہیں مسلمان انہیں لانے کے لئے بڑے فوراً ہندوؤں نے شور کر کے پھر تیرا فگنی اور سنگ اندازی شروع کر دی اور اس کثرت سے کی کہ مسلمانوں کو منجیقوں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ لیکن جس طرح سے بھی ممکن ہو سکا وہ ان تک پہنچنے اور انہیں کھینچ کر واپس لانے لگے۔

آخر کھینچ لائے۔ محمد قاسم نے ان کو اس حصار میں لے جانے کا حکم دیا۔ جو انہوں نے خندق کھود کر قائم کیا تھا۔ منجیقین ایسی وزنی تھیں جن کا بے جا مادہ شوار تھا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان لپٹ گئے اور انہیں دھکیلتے ہوئے حصار میں لے گئے۔

اس کے بعد زخمیوں کو لے جایا گیا اور پھر لشکر۔ اب صرف محمد قاسم اور اس کے خاص رسالہ کے چند سوار اس کے گرد باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔

چونکہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ بھی روانہ ہوئے۔ لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ کسی نے آواز دے کر لپکارا۔ وہ پھر پھر کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے کسی شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔ چونکہ تھبٹ پٹا سا وقت ہو گیا تھا اور آنے والا ابھی دور تھا۔ اس لئے وہ بھی نہ سمجھ سکے کہ وہ کون ہے اور کیا کنا چاہتا ہے۔ ان کو خیال ہوا کہ شاید کوئی مسلمان ہے جو مجروح ہو کر گھوڑے سے گر گیا ہے۔ مگر یہ خیال ٹوڑا ہی اس وجہ سے دور ہو گیا کہ آنے والا اس طرف سے نہ آ رہا تھا۔ جس طرف جنگ ہو رہی تھی بلکہ اس کی مخالفت سمت سے آ رہا تھا۔ یہ سب حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

ابی محمد قاسم کے حضور میں

چونکہ آفتاب بالکل ہی جلم مغرب کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کی آخری شعاعیں بھی سمٹ سمٹ کر فضا میں غائب ہوتی چلی جا رہی تھیں اس لئے اندھیرا پھیلنے لگا تھا اگرچہ چاندنی راتیں تھیں۔ لیکن آفتاب چھپ رہا تھا اور ماہتاب ابھی روشن نہ ہوا تھا۔ اس لئے ابھی اندھیرا ہی اندھیرا پھیلتا جاتا تھا۔ محمد قاسم اور اس کے چند جاں نثار کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ چونکہ ان کو نماز کی جلدی تھی۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ آنے والا بہت جلد قریب آجائے تاکہ وہ معلوم کر لیں کہ وہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے مگر وہ شخص ان سے اب بھی دور تھا۔

اگرچہ وہ بھی تیزی سے ہی بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مگر فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے پاس نہ آسکا تھا۔ یہ لوگ ابھی آنے والے کو ہی دیکھ رہے تھے اسلامی لشکر میں اذان ہو گئی۔ اذان کی آواز سنتے ہی سب بے قرار ہو گئے اس لئے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جب مسلمان اذان کی آواز سنے تو سارے کام بھوڑ کر فوراً نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے۔ وہ جلد سے جلد نماز میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ محمد قاسم اس لشکر کا سردار تھا اور اس زمانہ میں یہ باقاعدہ تھا کہ سردار ہی نماز پڑھایا کرتا تھا۔

یہ قاعدہ اس وجہ سے مقرر کیا گیا کہ سردار اس شخص کو بنایا جاتا تھا جو زیادہ پرہیزگار و عبادت گزار ہوتا تھا۔ اس لئے اُسے نماز پڑھانا تھی جس وجہ سے اسے ایک ایک سیکنڈ شاق گزار رہا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے آنے والا ہی آگیا۔ سب نے اُسے دیکھا۔ وہ ہندو تھا اور ہندوؤں کے مخصوص لباس میں تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہندوؤں کا کوئی خاص لباس نہ تھا

خاص و عام حتی کہ امراء و وزراء اور راجہ تک نیم برہنہ رہتے تھے۔ گویا اس وقت ان کی تہذیب ہی یہ تھی۔

وہ ایک معمولی دہوتی جو گھٹنوں تک ہوتی تھی باندھے تھے اور باقی خیر سلہ تھی۔ یعنی باقی بدن ننگا رہتا تھا۔ امراء اور راجہ موتیوں اور جواہرات کے زیورات یا پاروں سے گلے سے لے کر ناف تک بدن کو ڈھک لیا کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ نہ ہندوستان پر کوئی قوم چڑھ کر آئی تھی اور نہ ہندوؤں کو باہر جانے کا حوصلہ ہوا تھا۔ اس لئے وہ جانتے ہی نہ تھے کہ ستر پوشی کس طرح کی ہوتی ہے اور مذہب اقوام کی معاشرت کیا ہے۔ ان کے آباد اجداد ننگے رہتے چلے آئے تھے۔ لہذا وہ بھی ننگے رہتے تھے۔ اگر خود ستانی نہ سمجھی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے تہذیب تمدن اور اور معاشرت میں جو کچھ بھی ترقی کی وہ مسلمانوں ہی کی رہین منت ہے۔

خیر مطلب یہ ہے کہ جہاں ہندوؤں کی مخصوص پوشش کا ذکر آئے وہاں قارئین کو رام بھگیا کریں کہ صرف ایک دہوتی باندھے ہوئے تھا۔ آنے والے ہندوؤں نے زمین تک ٹھیک کر محمد قاسم کو سلام کیا۔ مسلمانوں نے فوراً اسے روک کر لیا۔ ہندی براہ اور! اس قدر جھکنا جس سے کہ سجدہ کی شان ظاہر ہو گناہ عظیم ہے۔ ہندی نے کھڑے ہو کر کہا۔ سلام کرنے کا جو طریقہ ہمارے یہاں رائج ہے۔ میں نے اسی طریقہ سے سلام کیا ہے۔

محمد قاسم نے کہا۔ مسلمان اس طرح سے سلام کرنے کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور اس لئے آئندہ احتیاط رکھو کسی کو اس طرح سے سلام نہ کرنا۔

ہندو خوف زدہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ ایسا نہ کروں گا۔
محمد قاسم تم کس لئے آئے ہو؟
ہندو۔ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔

محمد قاسم۔ معاف کرنا نماز کا وقت ہو گیا ہے اس وقت میں یا کوئی مسلمان آپ سے بات تک بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر تم اتنی دیر ٹھہرو کہ ہم نماز پڑھ لیں تو پھر تم سے باتیں کر سکتے ہیں۔

ہندو۔ مگر میں اس لشکر کے سردار سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ایک مسلمان نے کہا۔ لشکر کے سردار بھی تو یہی ہیں۔ جو کہ تمہارے سامنے کھڑے ہیں ہندو محمد قاسم کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے کہا۔
اس تھوڑی سی اوستھا (عمر) میں آپ سردار ہو کر آئے ہیں تعجب ہے میں نے سنا تھا کہ تو عمر سردار ہو کر آیا ہے۔ میں نے سمجھا تھا کہ کوئی نوجوان ہوگا۔ مگر آپ تو بالکل بالک (لکا) ہی ہیں۔

محمد قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میری عمر سترہ برس کی ہے مسلمانوں میں اس عمر کے لڑکے میدان جنگ میں واد شجاعت دیا کرتے ہیں۔ لہذا میں بھی اپنی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے کے لئے آیا ہوں۔

ہندو۔ یہ زندہ اور ترقی یافتہ اقوام کی نشانی ہے۔ جو قوم جفاکش ہوتی ہے اس کے مرد۔ نوجوان۔ بڈھے۔ بچے اور عورتیں وغیرہ سب ہی جفاکش اور بہادر ہوتے ہیں۔
محمد قاسم۔ اگر تم مجھ سے باتیں کرنے کے خواہش مند ہو تو میرے ساتھ چلو۔ نماز پڑھ کر تم سے باتیں کر سکتا ہوں

ہندو۔ میں نہایت ضروری باتیں کرنے کے لئے آیا ہوں چلئے اور آپ پہلے نماز پڑھ لیجئے۔

یہ سب چلے اور حصار میں پہنچے۔ اذان ختم ہو چکی تھی اور تمام مسلمان محمد قاسم کا انتظار کر رہے تھے۔ محمد قاسم بھی پہنچ گیا اور اس نے جلدی جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کی۔
ہندو ایک طرف کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ ہزاروں مسلمان تھے جو کہ دور تک پھیلے ہوئے تھے کئی صفیں تھیں۔

جب سب کھڑے ہوتے۔ رکوع اور سجدہ میں جاتے تو عجب دل فریب منظر ہوتا۔ ہندو نہایت حیرت و استعجاب سے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب نماز ختم ہو گئی تب محمد قاسم اسے اپنے ہمراہ لے کر اپنے خیمے پر آیا۔

ہندوستان کے راجہ ہی نہیں بلکہ عام سردار اور امیر نہایت مٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ مسندوں پر بیٹھتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ لباس نہ پہنتے تھے۔ مگر تموں ظاہر کرنے کے لئے جو اہرات کے زیورات ضرور استعمال کرتے تھے۔ ہندو کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار بھی نہایت شان و شکوہ سے رہتا ہوگا۔ لیکن جب وہ ان کے خیمے پر پہنچا۔

اور اس نے دیکھا کہ خیمے کے اندر صرف کبلوں کا فرش ہو رہا ہے نہ مسند ہے نہ تکیہ ہے نہ روشنی ہے تو وہ حیران رہ گیا۔

محمد قاسم کے خیمے کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی۔ آگ کی روشنی کا عکس خیمہ میں پڑ رہا تھا۔ اس عکس سے ہی کچھ اجالا ہو رہا تھا۔

محمد قاسم ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے ہندو کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اشارہ پاتے ہی ہندو بھی بیٹھ گیا۔

اس نے بیٹھتے ہی کہا۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمان مالدار ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ نہایت شان و دبدری سے رہتے ہوں گے۔ لیکن اب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ معاملہ ہی برعکس ہے۔

محمد قاسم نے کہا ہمارے نبی حضرت محمد بن کے لئے دنیا بنی سادہ طریقے سے رہتے تھے کبھی آپ نے رشیم نہ پہنا تھا اور نہ کبھی کوئی زیور استعمال کیا۔ کبھی پیٹ مہر کر کھانا نہیں کھایا۔ کبھی گراز و نرم بستر پر نہیں سوئے۔

حالانکہ اگر آپ چاہتے تو بہترین رشیم کی پوشاکیں۔ بیش قیمت زیورات پہن سکتے تھے۔ چمچے سے اچھا کھانا کھا سکتے تھے۔ مگر آپ نے ان تمام دنیاوی تکلفات کو برا سمجھا۔ اس لئے ہم مسلمان ان کی تقلید کرتے ہیں اور مسلمان وہی ہے جو رسول خدا کے طریقے پر چلے۔

ہندو۔ بلاشبہ ہر مذہب والے کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہی چلنا چاہئے۔
محمد قاسم۔ تم کون ہو؟

ہندو۔ میں ایک پنڈت ہوں اور میرا نام ابی ہے اور میں اس مندر کا بچاری ہوں۔ جو سب سے اونچا اور قلعہ کے باہر سے نظر آتا ہے۔

محمد قاسم۔ آپ کس لئے آئے ہیں؟

ابی۔ اس لئے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے امان حاصل کروں۔

محمد قاسم۔ آپ کو امان حاصل کرنے کا خیال کیوں ہوا؟

ابی۔ اس لئے کہ ہماری جو قش کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ملک سندھ کو مسلمان فتح کر لینگے محمد قاسم کیا تمہارا راجہ ماہرا اس بات کو نہیں جانتا؟

ابی۔ اچھی طرح سے جانتا ہے۔ لیکن بڑا وقت آنے والا ہے اور اس وجہ سے اس کی عقل جاتی رہتی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا میں تم کو اور تمہارے اہل و عیال کو نیز ہر اس شخص کو جس کی طرف تم اشارہ کرو گے امان دیتا ہوں۔

ابی یہ سن کر نہایت مشکور ہوا اور اس نے کہا۔
میں نے یہ بھی سنا تھا کہ مسلمان نہایت نیک ہوتے ہیں اور میں نے آج دیکھ لیا ہے
میں آپ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔

محمد قاسم۔ کیا اور کچھ بات کہنا ہے؟
ابی۔ آپ کی خوش اخلاقی دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کو وہ طریقہ بتا دو۔
جس سے کہ آپ دیبل کا قلعہ فتح کر لیں۔
محمد قاسم۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ ہم اس صلہ میں آپ کی خدمت بھی کرنے کے
لئے تیار ہیں۔

ابی۔ اس کی ضرورت نہیں ہے آپ نے مجھے اور میرے بچوں کو امان دے
دی ہے۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا بتائیے، قلعہ کس طرح سے فتح ہوگا؟
ابی۔ آپ نے وہ جھنڈا دیکھا ہے جو کہ مندر کے اوپر لہرا رہا ہے اور جس کے
چار پھردے سارے قلعے پر اڑتے رہتے ہیں۔
محمد قاسم۔ ہاں دیکھا ہے۔

ابی۔ دیبل کے ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جب تک وہ جھنڈا جاتی اور سالم رہے
گا اس وقت دیبل کو کوئی فتح نہ کر سکے گا۔ اگر آپ کسی ذریعہ سے اس جھنڈے کو گرا دیں تو اسی
وقت دیبل وائے اپنی شکست مان لیں گے۔ اور قلعہ آپ کے سپرد کر دیں گے۔

محمد قاسم۔ انشا اللہ میں کل ہی جھنڈے کو اڑا دوں گا۔
ابی۔ بس توکل ہی آپ کو فتح ہو جائے گی
محمد قاسم۔ میں آپ کا پھر شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ کیا مہربانی کر کے آپ مجھے ایک بات
بتا دیں گے۔

ابی۔ کیا؟
محمد قاسم۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر کیوں لشکر کشی کی ہے۔

ابی - میں نے سنا ہے کہ طاہر کے سپاہیوں نے چند مسلمانوں کو گرفتار کر لیا ہے اور ان کو آزاد کرانے کے لئے آپ مملہ آور ہوئے ہیں۔

محمد قاسم - آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ یہ لشکر ان کو ہی رہائی دلانے کے لئے آیا ہے۔

ابی - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں بہت زیادہ الفت و محبت ہے۔

محمد قاسم - ہر مسلمان! ہر مسلمان کا بھائی ہے ایک بھائی یہ کیسے دیکھ سکتا ہے کہ دوسرا بھائی مصیبت میں گرفتار رہے۔

ابی - بے شک بھائی کبھی اپنے بھائی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔

محمد قاسم - میں نے سنا ہے کہ مسلمان بھی اسی قلعہ میں ہیں۔

ابی - آپ نے ٹھیک سنا ہے کہ مسلمان مندر کے قریب ایک گنبد ہے اس کے تہ خانے میں قید ہیں اور میں ہی ان کا محافظ و خبر گیر ہوں۔ ان کے ہی کہنے سے مجھے حوصلہ ہوا ہے کہ میں امان مانگنے آپ کے پاس چلا آیا۔

محمد قاسم - وہ سب تو اچھی طرح سے ہیں۔

ابی - ہاں! اچھی طرح ہیں۔

محمد قاسم - ان سے کہہ دیجئے گا کہ ہم انہیں چھڑانے کے لئے آئے ہیں۔

ابی - انہیں خود یہ بات معلوم ہے۔

محمد قاسم - بس تو آپ ان سے ہمارا سلام کہہ دیجئے۔

ابی - بہت بہتر اچھا آپ مجھے اجازت دے دیجئے۔

محمد قاسم - چونکہ آپ ہماری امان میں آگئے ہیں اس لئے آپ کی حفاظت ہم پر فرض ہو

گئی ہے۔ میں آپ کے ہمراہ کچھ سوار کئے دیتا ہوں تاکہ وہ آپ کو قلعہ تک پہنچاویں۔

ابی - یہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی چلا جاؤں گا۔

محمد قاسم - آپ کی مرضی۔

اب ابی اٹھا اور سلام کر کے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد محمد قاسم بھی آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔

”عصمت مآب دو شیرہ“

راجہ داہر اور رانی لادی جس وقت طاہرہ کے کمرے میں سے چلے گئے تو اس نے فوراً ہی تمام زیورات، شلوکہ اور ساڑھی وغیرہ سب اتار کر رکھ دیئے اور اپنے پیلے کپڑے پہن لئے۔ طاہرہ کو عزیزوں کے چھٹنے کا افسوس تھا اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ جو لوگ ویل رو گئے تھے۔ ان کا کیا حشر ہوا۔ جب راجہ داہر اسے زبردستی اپنے رتھ میں ڈال کر بیل سے لایا تھا۔ اس وقت اسلم فرط رنج و فلق سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

اُسے اسلم سے محبت تھی۔ پھر اس کا حال نہ معلوم ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہ اور بھی غم زدہ رہتی تھی۔ یہاں ابھی تک اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی۔ نہایت آرام سے رہتی تھی۔ جو اسٹائش کا سامان رانیوں کے لئے تھا۔ وہی اس کے لئے بھی تھا۔ مگر وہ اسلم دو شیرہ تھی اس نے ان لوگوں میں پرورش پائی تھی جو نہایت سادہ طریقے پر رہتے تھے۔ معمولی کپڑے پہنتے تھے اور بہت کم زیورات استعمال کرتے تھے۔

طاہرہ کو شروع ہی سے نہ کپڑوں کا شوق تھا نہ زیورات کا۔ وہ بچپن ہی سے ان چیزوں کی طرف راغب نہ تھی۔

معمولی قسم کے کپڑے اور معمولی زیورات پہنتی تھی اور چونکہ خدانے اسے حسن کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا اس وجہ سے وہ ہر حالت میں حسین و جمیل معلوم ہوتی تھی۔

جو عورتیں یا لڑکیاں اچھے کپڑے، اچھے زیورات اور اچھے کھانوں کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ ان کو اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا۔ ان کی منتیں بھٹکتی رہتی ہیں اور بد نصیبی کی وجہ سے ایمان میں خلل آجاتا ہے۔

عورتوں کا بہترین زیور ان کی عصمت و عفت اور نیکی۔ پرہیزگاری نیز جلوت گزری ہے۔

آنحضرت صلعم کی پیادری بیویوں نے جو اہبات المؤمنین (تمام مسلمانوں کی ماہیں تھیں) اور جن کے لئے اعلیٰ قسم کے زیورات ادا علی قسم کے کپڑے تیار ہو سکتے تھے۔ کبھی اچھے کپڑے اور اچھے زیورات نہیں پہنے۔

حنود کی صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہؑ نے جن کے ایک اور نئے اشارے پر سب کچھ ہیا ہو سکتا تھا۔ کبھی اچھے کپڑے، اچھے زیورات اور اچھا کھانا کھانے کی خواہش تک نہ کی۔ نیز اور بھی جس قدر ولی اللہ بیبیاں گزری ہیں۔ وہ سب معمولی کپڑے اور معمولی زیورات پہنتی تھیں۔

جب ایسی خواتین نہایت سادے طریقے سے رہتی تھیں تو کون مسلم خاتون اور لڑکی ہے جو سادہ رہنا پسند نہ کرے گی اور جو تکلفات کو پسند کرے ضرور اس کے ایمان میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہوگی۔ مسلمان عورت ہو یا مرد۔ لڑکا ہو یا لڑکی، سچا مسلمان وہی ہے جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے۔

طاہرہ نے لادری کے جلتے کے بعد وہی روز بعد اپنے کپڑے تیار کر لئے اور تیسرے روز کپڑے بدل کر ایک جوڑا اور تیار کرنے لگی۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ طاہرہ ریشمین کپڑوں کو پسند نہ کرتی تھی لیکن وہاں اسے ریشمین کپڑے ہی ملے اور اسے مجبوراً انہی کی پوشاک ہی کر پینا پڑی۔ ان ریشمین کپڑوں میں وہ اور بھی شعلہ جوالہ بن گئی۔ اس کا رنگ پھوٹ نکلا اور وہ رشک حور بن گئی۔

اگرچہ وہ بلا روک ٹوک نماز پڑھی تھی۔ مگر اسے یہ احساس تھا کہ کفرستان میں آگئی تھی۔ صبح آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور رات کو آفتاب غروب ہونے کے کچھ دیر بعد سارے محل میں جھانچھ۔ ناقوس اور گھنٹے بجنے لگتے تھے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ محل کے چاروں طرف ہر رانی کا مندر جدا جدا بنا ہوا تھا۔ ہر مندر میں دونوں وقت ناقوس اور گھنٹے بجنے لگتے تھے یہ آوازیں طاہرہ کو ناگوار گزرتی تھیں لیکن وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ دو مین روز گزرنے کے بعد اس نے ایک جوڑا اور تیار کر لیا۔ اس کے بعد تیسرا سینے لگی۔ دراصل اسے کوئی شغل چاہیے تھا اور وہ اسی شغل میں محو تھی دن بھر اپنے کمرے میں بیٹھی بیٹھی رہتی اور عشا کی نماز پڑھ کر سو جاتی۔ اگرچہ راہبہ داہرنے اسے بہت سے بیش قیمت زیورات دے رکھے تھے اس کے علاوہ رانی لادری کے وہ تمام زیورات اس کے پاس تھے۔

جو اس نے خود لا کر اسے پہنائے تھے۔ مگر اس روز کے بعد اس نے پھر کبھی کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ تمام زیورات کو نہایت احتیاط سے رکھ دیا تھا۔ راجہ داہر نے جو کنیزیں اس کی خدمت پر مامور کی تھیں وہ بے کار بیٹھی رہتی تھیں۔

طاہرہ کبھی کسی سے کا آنہ لیتی تھی بلکہ ہر کام خود ہی کر لیتی تھی۔ یہ کنزریں اگرچہ بند تھیں مگر ان کو طاہرہ سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔ اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھیں اور اسے چھڑ چھڑا کر ہنسانے کی کوشش کرتی تھیں۔ مگر طاہرہ کو ہنسی نہ آتی تھی۔ وہ بالکل اس طرح قید میں تھی۔ جیسے ایک خوب صورت چڑیا کو پنجرے میں بند کر دیا جائے۔

ایک روز وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کپڑے سی رہی تھی۔ دو تین کنیزیں اس کے پاس آ بیٹھیں۔ آفتاب کو طلوع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ نرم گرم دن تھے۔ آفتاب کی شعاعیں سامنے والے درپچوں سے آ کر اس کے روشن چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

جس سے اس کے چہرے میں بجلیاں سی بھری گئی تھیں اور وہ بہت زیادہ چمکنے لگا تھا۔ کنیزیں اس کے جگمگاتے ہوئے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ مسند پر بیٹھی سر جھکاتے شلوار سی رہی تھی کہ راجہ داہر آ گیا۔ وہ بے قدموں آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بواہوسا نہ

نظروں سے طاہرہ کے دلفریب چہرہ کو دیکھنے لگا تھا۔ طاہرہ کو اس کے آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی وہ برابر سر جھکائے سیتی رہی۔ اتفاق سے کنیزوں کی نظر راجہ پر پڑ گئی۔ وہ گھبرا کر عیسیٰ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہاتھ جوڑے جوڑ کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

ان کے گھبرا کر اٹھنے سے طاہرہ کی نظریں بھی اٹھ گئیں اور اس نے بھی راجہ داہر کو دیکھ لیا۔ وہ بھی گھبرا گئی اور اس کے چہرے کا شہابی رنگ اڑنے لگا۔ نازک لبوں پر شکی دوڑنے لگی۔ وہ بے پروائی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ مگر اسے دیکھنے کے ساتھ ہی محسوس کر بیٹھ گئی۔

اب راجہ داہر بڑھکرا اس کے سامنے اکھڑا ہوا۔ طاہرہ بیٹھی رہی اور سر جھکائے روئے کپڑے کی طرف دیکھنے لگی۔

داہر بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ گرم نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر فقرے کے بعد اس نے کہا۔

تم سی رہی ہو طاہرہ ؟

طاہرہ اس سے ہم کلام ہونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن خاموش رہنے سے بد اخلاقی سمجھ کر اس نے کہا: ہاں میں سی رہی ہوں۔

طاہرہ۔ ان کینزوں سے کیوں نہ سلوا لیا؟

طاہرہ میں اپنا کام خود کرنا پسند کرتی ہوں۔

داہرہ مگر تم نے زیورات کیوں نہیں پہنے۔

طاہرہ اس لئے کہ مجھے زیورات سے رغبت نہیں ہے۔

داہرہ مگر ایک روز تم نے پہن رکھے تھے۔

طاہرہ مہارانی لادی نے اصرار کر کے پٹا دیئے تھے۔

داہرہ آج میرے کہنے سے پہن لو۔

طاہرہ نہیں میں نے اب زیورات نہ پہننے کا تہیہ کر لیا ہے۔

داہرہ نے کینزوں کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ جس سے پایا جاتا تھا کہ وہ انہیں وہاں سے ٹالنا چاہتا ہے۔

کینز یہ دیکھ کر فوراً سمجھ گئی اور اٹھ اٹھ کر چلی گئیں۔

اب داہرہ فرزا اور طاہرہ کے قریب ہو گیا اور اس نے کہا۔ طاہرہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔۔۔ ایسی محبت کہ آج تک کبھی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ملک سندھ کی مہارانی بنو اور تمہارے سامنے تمام رعایا کا سر خم کراؤں۔

طاہرہ نے کہا۔ میں اس اعزاز کے قابل ہوں تم کو شاید معلوم نہیں کہ تم کس قدر خوب صورت ہو۔۔۔ تم اس قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔ سارا زمانہ تمہارے قدموں پر ہر جھکائے۔

طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ داہرہ نے پھر کہا۔ میں نے آج تک تم سے بڑھ کر تو کیا تم جیسی حسینہ بھی نہیں دیکھی اور اگرچہ میرے کئی رانیاں ہیں اور ہزاروں خوب صورت کینز ہیں مگر وہ سب تمہارے سامنے ستارے۔ تم میری بن جاؤ اور میں تمہارا پرستار بن جاؤں۔

طاہرہ! اب بھی خاموش رہی۔ داہرہ نے بڑھ کر اس کے نازک ہاتھ پکڑنے چاہے مگر مگر طاہرہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ اسے سخت غصہ آ گیا اور اس نے تیز نظروں سے داہرہ کو دیکھ کر کہا

یہ کیا حرکت . . . ؟

داہر جھجکا۔ لیکن جانتا تھا کہ طاہرہ اس کی قیدی ہے۔ لہذا اس نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ غصہ نہ کرو طاہرہ آخر تو تم کو میری رانی بنا ہی ہے۔

طاہرہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ چھوڑ دو۔
داہر نے اسکی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ضد نہ کرو تم کو میری قیدی ہو۔
طاہرہ۔ آہ! ہٹو ہٹو! مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔

داہر نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ طاہرہ! بے وقوف نہ بنو۔ اگر تم میری مرضی پر چلو گی تو دنیا کی دولت۔ عزت۔ ثروت۔ حشمت تمہارے قدموں پر ہوگی۔

طاہرہ نے پیچ و خم کھاتے ہوئے کہا۔ آہ! میں کچھ نہیں چاہتی مجھے سب سے زیادہ اپنی عصمت عزیز ہے اور میں اسے ہی چاہتی ہوں۔

داہر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ عصمت! نادان لڑکی عصمت کے رہتے ہوئے عزت اور دولت نہیں مل سکتی۔

طاہرہ۔ اور مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

داہر۔ اگر تم بخوشی رضامند نہ ہوگی تو پھر جبر کیا جائے گا۔

طاہرہ اٹھ کر کھڑی ہوگی اور اس نے جوش و غضب سے کہا۔ جبر! . . . جبر! تم جبر کر کے میری جان بے سکتے ہو۔ مگر عصمت نہیں لے سکتے۔

داہر بھی غصہ سے بھر کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا مگر تیری عصمت اسی وقت تاراج کی جائے گی۔

یہ کہتے ہی اس نے طاہرہ کو پکڑ کر اپنے قابو میں کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کا منہ اوپر اٹھایا۔

طاہرہ یہ سمجھ کر کہ وہ اس کا منہ چومنا چاہتا ہے تڑپ گئی۔ اس نے اپنی پوری قوت صرف کر کے زور لگایا۔ لیکن وہ نازک اندام تھی اور داہر کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔

داہر اپنا منہ اس کے چہرے کی طرف بڑھاتا جا رہا تھا۔ اس پر شیطان سوار ہو گیا تھا اور وہ خواہشات سے مغلوب و مجبور ہو رہا تھا۔ اب طاہرہ نے بصد مشکل اپنے ہاتھ چھڑا لئے اور اس نے اپنے سینے کے پاس ہاتھ لے جا کر خنجر کھینچا۔

تو نہی کہ داہر کی نظر خنجر پر پڑی۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے جلدی سے اسے چھوڑ دیا۔
طاہرہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ چونکہ اس نے اپنی رہائی کے لئے جلدی
کی تھی اس لئے اس کا سانس پھول گیا تھا اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

نتھے پھر ک رہے تھے۔ وہ اس وقت اور بھی حسین معلوم ہوتے لگی تھی۔ اس کے
ہاتھ میں خنجر تھا اور وہ خنجر لئے کھڑی تھی۔ داہر کھڑا اسے نہایت غضب ناک نگاہوں سے
دیکھ رہا تھا اور گھور رہا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے تلووار کھینچی اور کہا! کیا تو چاہتی ہے طاہرہ کہ میں تیرا خاتمہ کر دوں۔
طاہرہ نے کہا۔ بے عزتی کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

داہر۔ اب ابھی سمجھ لے ایک طرف دولت ہے عزت ہے اور دوسری طرف
موت ہے ذلت ہے۔

طاہرہ۔ جس کو تم ذلت کہتے ہو وہ عصمت مآب کے لئے عزت ہے اور جسے
تم موت کہتے ہو وہ عزت کی زندگی ہے۔

داہر نے بگڑ کر کہا۔ اچھا! تم مرنا ہی چاہتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔

داہر تلووار لے کر بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ طاہرہ ڈر جائے گی۔ لیکن وہ مطلق بھی نہ ڈری۔
اور خنجر ہاتھ میں لئے بدستور کھڑی رہی۔ داہر نے اس کے قریب جا کر اس پر تلووار کا ہاتھ مارا۔
داہرہ جلدی سے ابھل کر وہاں سے دور جا کر کھڑی ہوئی۔ داہر پھر اس کی طرف

لپکا اور اس نے پھر حملہ کرنا چاہا۔

دفعاً آواز آئی کہ مٹھرو راجن۔

اس آواز کو سن کر داہر اور طاہرہ دونوں آئینہ وار حیران کھڑے کے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

شیرانِ اسلام کی جانباً زانہ پور شش

جب پنڈت آبی۔ محمد قاسم سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ تو وہ آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر آیا اور غلام کو بھیج کر جعوبہ کو بلایا۔ جعوبہ ایک پر جوشش مجاہد تھا۔ وہ عروسک نامی منجیق کو چلایا کرتا تھا۔

غالباً ناظرین کرام بھوے نہیں ہوں گے کہ منجیق عروسک خلیفہ مولید کی تھی جو کہ خاص طور پر اسی ہم کے لئے بھیجی گئی تھی۔

جب جعوبہ آگیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ تب محمد قاسم نے اس سے دریافت کیا۔ تم نے وہ جھنڈا دیکھا ہے جو دیبل کے مندر پر لہرا رہا ہے؟

جعوبہ نے جواب دیا۔ جی ہاں دیکھا ہے آپ شاید اس جھنڈے کا ذکر کر رہے ہیں جو کہ تمام قلعے پر لہرا رہا ہے۔

محمد قاسم۔ ہاں! میں اسی کا ذکر کر رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس جھنڈے کو توڑ کر گرا دو؟

جعوبہ۔ جی ہاں! ممکن ہے۔ لیکن جھنڈے کے توڑنے سے کیا ہوگا؟

محمد قاسم۔ یہ ہندو تو ہم پرست ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ جب تک یہ جھنڈا قائم رہے گا اس وقت تک کوئی طاقت بھی قلعہ کو فتح نہ کر سکے گی۔

جعوبہ۔ خوب! تو اطمینان رکھئے! انشاء اللہ میں اسے گل ہی اڑا دوں گا۔

محمد قاسم۔ بس تو اسی لئے تم کو طلب کیا گیا تھا۔ آج رات رات میں تم منجیق کو دیکھ لو اگر درستی کی ضرورت ہو تو درست کر لو۔

جعوبہ۔ میرے خیال میں منجیق ٹھیک ہی ہے لیکن پھر احتیاطاً اسے ضرور دیکھ لوں گا۔

محمد قاسم میرا مقصد یہی ہے۔

جوابہ لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ منجھتیق اتنی بڑی ہے کہ پانچ سو آدمی تو اس کو آگے سے دھکیلتے ہیں اور پانچ سو آدمی ہی اس کی زنجیریں کھینچ کھینچ کر اسے چلاتے تھے۔ محمد قاسم میں خوب جانتا ہوں تم کو ایک ہزار سوار دیئے جائیں گے۔

جوابہ۔ بہتر ہے! اچھا تو مجھے اجازت دیکھئے۔

محمد قاسم ہاں جاؤ۔

جوابہ سلام کر کے چلا گیا۔ محمد قاسم کھانا کھا کر سو رہا۔ صبح سویرے ہی تمام لشکر اٹھا ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ہی مسلح ہو ہو کر حصار سے باہر نکلنے لگے۔

آج محمد قاسم نے اعلان کر دیا تھا کہ ہر مجاہد پورے ساز و سامان لے اور تمام وکال جوش و خروش سے نکلے ساز و سامان میں سیڑھیاں، فیصل توڑنے کے اوزار، کمندیں وغرضیکہ تمام ضروری سامان لے لیا گیا تھا۔

آج اس نے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان حصوں میں سے ایک پر خرم کو اور دوسرے پر محل بن عبد الملک بصری کو تیسرے پر مجاشع بن زبیر کو افسر مقرر کر کے چوتھے دستہ کو اپنے تحت میں تھا۔ تیسرے جوابہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ ان افسروں میں سے مجاشع کو قلعہ کے جنوب کی طرف، خرم کو شمال کی، محل کو مغرب کی سمت مقرر کیا تھا اور خود مشرق کی جانب رہا تھا۔

ان افسروں کو جانے سے پہلے اس نے نہایت کر دی تھی کہ جس وقت تم دیکھو کہ مندر پر اڑنے والے والا جھنڈا اگرا دیا گیا ہے تو وہاں ہی قلعہ پر حملہ کر کے فیصل پر چڑھنے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ لشکر کے چار حصے ہو گئے اور چاروں طرف روانہ ہوئے۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو وہ ان پر تیروں اور پتھروں بارش کرنے کے لئے مستعد ہو بیٹھے۔

چونکہ مسلمان قلعے کے چاروں طرف چھائے گئے تھے اس لئے انہوں نے بھی فیصل پر چاروں طرف اپنے سپاہی پھیلا دیئے تھے۔ مسلمانوں نے ہر سمت اپنے دستے کھڑے کر دیئے اور جھنڈا اڑنے جانے کا انتظار کرتے لگے تھے۔

چونکہ وہ قلعے سے اتنے فاصلے پر کھڑے تھے کہ ان تک ہندوؤں کے تیر اور

پتھر نہ پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے فصیل وائے بھی کھڑے ہوئے انہیں دیکھ رہے تھے۔ بلکہ زور زور سے چیخ رہے تھے ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان کے شور سے ان کے عرب میں آ جائیں گے۔ مگر وہ اس خیال سے اپنے آپ ہی کو فریب دے رہے تھے۔

مسلمان شور و شغب سے کہاں ڈرنے واسطے تھے۔ آج ایک ایک دودو منجیقیں بھی چاروں طرف لگا دی گئیں تھیں۔ مگر ابھی ان سے بھی سنگ اندازی شروع نہ کرائی گئی تھی۔

ہندو حیران تھے مسلمانوں کے خاموش کھڑے رہنے کی وجہ سے اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مندر پر گڑا ہوا بھنڈا گردش کر رہا تھا اور اس کے پھریرے سے چاروں طرف فصیل سے ملے ہوئے چکر لگا رہے تھے۔

یہ پھریرے اتنے عظیم الشان اور چوڑے تھے کہ ان کو دیکھنے سے ہیبت ہوتی تھی۔ ان کی سائیں سائیں کی آواز دوزخ جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ مسلمان سن رہے تھے۔

جب آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تو عروسک نامی منجیق کو حرکت ہوا۔ تقریباً پانچ سو سپاہی اسے پیچھے سے دھکیلتے ہوئے چلے یہ منجیق اچھا خاصا چھوٹا سا ایک قلعہ تھا۔ لکڑی کا بنا ہوا۔

جس کے سامنے کی طرف اور چھت پر لوہے کی باریک چادر چڑھی ہوئی تھی۔ لوہے کے سپاٹ پہنے تھے اور اتنے اونچے تھے کہ ان کا قطر تقریباً دو گز کے قریب تھا۔ نہایت اونچی اور مضبوط منجیق تھی اور اتنی بھاری کہ پانچ سو آدمی بھی مشکل ہی سے اسے دھکیلتے تھے۔ کچھ آدمی اس کے پیچھے نہایت دزنی پتھروں کو لوہے کی سلاخوں سے ٹھیلے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

یہ پتھر ڈس ڈس۔ پندرہ پندرہ من کے وزنی تھے۔ اس منجیق کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہندوؤں نے اور بھی زور زور سے شور مچانا شروع کر دیا اور ساتھ ہی سنگریزے بھی برسانے شروع کر دیے لیکن سپاہی منجیق کے پیچھے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی کو بھی پتھر نہ لگتا تھا۔

وہ نہایت اطمینان سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ کچھ وقفہ کے بعد محمد قاسم نے نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دستے نے بھی نعرہ لگایا۔

اس کے نعرے کی آواز شمال اور جنوب والوں نے سنی تو وہ سمجھ گئے حملہ شروع ہو گیا ہے لہذا انہوں نے بھی نعرے لگا لگا کر منجینقوں کو بڑھایا شروع کر دیا۔ ان کا نعرہ سن کر مغرب کی جانب والوں نے بھی وہی کیا جو انہوں نے کیا تھا۔ اس طرح سے چاروں طرف سے ایک ہی ساتھ منجینقتیں بڑھیں عساکر اسلامیہ نے حرکت کی۔ ہندوؤں نے ہر طرف زور و شور سے پتھر پھینکنے شروع کئے اور مسلمان سائے میں بڑھنے لگے۔

جوہر عروسک کے اندر بیٹھے ہوئے روزوں میں سے چھانکتے جا رہے تھے وہ وقت کی تلاش میں تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے منجینق کو رکھ لیا اور نیچے اتر آئے۔ اب انہوں نے سنگ اندازی کی مشین کو درست کیا اور اس میں پتھر رکھنے کے لئے کہا۔ پندرہ بیس آدمیوں نے مل کر ایک وزنی پتھر اٹھایا اور مشین میں رگد دیا تو پتھر پانچ آدمی زنجیروں کو لپیٹ گئے اور انہیں کھینچنے لگے۔

جب انہوں نے پوری طاقت صرف کی تب جا کر کہیں مشین کو حرکت ہوئی اور وہ تھیں جس بڑے پتھر رکھا ہوا تھا آگے پیچھے ٹپٹے اور بڑھنے لگا۔ جوہر نے مندر کی شست کی اور تختہ کو اس طرف کر کے پھینکا۔ دست پندرہ من کا پتھر تختہ میں سے نکل کر نفا کو چیرتا ہوا شور کرتا لکڑی کے تختہ کی مانند چلا۔ مسلمانوں نے دیکھنا شروع کیا اور ہندو بھی دیکھنے لگے۔

پھر فیصل پر پہنچا اور اسے عبور کر کے مندر کی طرف لپکا۔ ہندو اور مسلمان دونوں اڑ کر جاتے ہوئے دیکھنے لگے تھے۔ پتھر بڑے زور و شور سے جا رہا تھا آخر وہ مندر کے کھس سے نیچے بڑے زور سے ٹکرایا۔

نہایت ہوناک طریقہ پر تڑپنے کی آواز ہوئی اور متدر کا وہ حصہ جس پر جھنڈا نصب تھا ٹوٹ کر گرا۔ اس کے گرتے ہی جھنڈا بھی اچھل کر قلعہ کے اوپر ہی گر گیا۔ کئی آدمی مندر کے بلیہ کے نیچے آگروں گئے اور دیتے ہی بغیر کوئی نقطہ متہ سے نکلے ہوئے۔ اس اچانک واقعہ سے ہندو حیران و پریشان ہو گئے۔ جب ان کی حیرت دور ہوئی تو وہ سخت غم زدہ ہوئے۔

جب دیبل کا قلعہ بنایا گیا تھا اسی وقت یہ جھنڈا بنا تھا۔ اگرچہ اس کے پھر پرے

خراب ہونے پر تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ مگر یہ جھنڈا کبھی نہ گرایا گیا تھا۔
 نہ قلعہ فتح ہوا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کا خیال ہو گیا تھا کہ جب تک یہ جھنڈا مندر پر گردش کرتا
 رہے گا اس وقت تک یہ قلعہ فتح نہ ہو سکے گا۔

آج مندر کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا تھا اور جھنڈا اگر گیا تھا۔ اس وجہ سے ادھام پرست ہندوؤں
 کے دل ڈوب گئے تھے اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب قلعہ یقیناً فتح ہو جائے گا۔
 حالانکہ یہ ان کا اہم خیال تھا۔ ان کے پاس اس وقت اتنا لشکر تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ
 کھلے میدان میں نکل کر کر سکتے تھے۔ نیز اگر ذرا بھی جرأت و بہمت سے کام لیتے تو شاید مسلمانوں
 کو ہی پیچھے ہٹ کر خندقوں کے حصار میں پناہ لینی پڑتی۔

ان کے پاس تقریباً بیس ہزار آدمودہ کار سپاہی تھے۔ مسلمان صرف چھ ہزار ہی تھے۔
 مگر اتنی بڑی تعداد کے ہوتے ہوئے بھی انہیں قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔
 اب جب کہ جھنڈا اگر گیا تھا۔ بالکل ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے ہمتیں ٹوٹ گئیں
 اور دل شکستہ ہو گئے اور مسلمانوں نے جھنڈے کے گرتے ہی پر شور اٹھا کر کانعرہ لگایا
 اور ہر طرف سے بڑھنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی تیروں کی باریں مارنے لگے۔

ہندو اور بھی ہراسیمہ ہو گئے بدحواسی نے ان پر قبضہ کر لیا۔ مگر راتوں کے باوجود
 وہ فیصل پر سے نہ ہلے۔ بلکہ بدستور کھڑے تیروں اور سنگریزوں کی بارش کرتے رہے۔
 سنی فیصل پر ڈورا دوڑا پھر رہا تھا اور سپاہیوں کی ہمتیں بڑھا بڑھا کر انہیں تیرا فگنی
 اور سنگ اندازی کی ترغیب دے رہا تھا۔ چنانچہ کچھ اس کے کہنے سننے سے۔ کچھ قلعہ
 کو بچانے کی غرض سے ہندو نہایت پھرتی سے تیر چلا رہے تھے اور گینے پھینک رہے تھے۔
 مسلمان ڈھالوں کی آڑ میں خود کو اور گھوڑوں کو بچاتے ہوئے بڑھے چلے آ رہے
 تھے۔ وہ نہ تیر چلا رہے تھے اور نہ پتھر پھینک رہے تھے۔ بلکہ دونوں ہاتھوں میں ڈھالوں
 کو مضبوط پکڑے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

البتہ ان کی منجھتیں قدم قدم بڑھ رہی تھیں اور جلدی جلدی پتھر برسار رہی تھیں۔
 مگر ان کے پتھر کارگر نہ ہوئے تھے۔ کچھ تو فیصل تک ہی نہ پہنچتے تھے درمیان میں ہی گر
 جاتے تھے اور جو فیصل تک پہنچ بھی جاتے تھے وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر جاتے
 تھے۔

عروسک سے جو پتھر جو یہ چلاتا تھا۔ وہ یا تو قلم کے اندر جا کر پڑتا تھا یا فیصل کے اوپر اور ان پتھروں کے نیچے جو شخص یا جو چیز بھی آجاتی تھی زیرہ ریزہ ہو جاتی تھی عروسک کی حشر انگیزی دیکھ کر اس طرف سے ہندو ہٹنے لگے مگر وقت یہ تھی کہ عروسک آدھ گھنٹہ میں ایک پتھر پھینکتی تھی۔ اس لئے وہ کچھ زیادہ کارآمد نہ تھی۔ مسلمان ہندوؤں کے تیروں اور پتھروں سے مجرور ہو رہے تھے اکثر شہید ہو کر بھی گر رہے تھے۔ مگر نہ ان کے قدم پیچھے تھے نہ رکتے تھے بلکہ برابر آگے ہی بڑھ رہے تھے۔

حالانکہ تیروں اور پتھروں کی بوجھاڑ اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ ایک قدم بھی بڑھنا دشوار تھا۔ لیکن وہ بڑھ رہے تھے نہایت استقلال اور بڑے اطمینان سے۔ ہندوؤں کو انھیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ وہ انتہائی پھرتی سے تیر اور پتھر پھینک رہے تھے۔ چاہتے یہ تھے کہ یا تو تمام مسلمانوں کو مار ڈالیں یا ان کی پیش قدمی کو روک دیں مگر دونوں باتیں ان کے قبضے سے باہر تھیں۔

انتہائی جدوجہد کرنے کے باوجود بھی نہ مسلمان سرتے تھے اور نہ ان کی پیش قدمی رکتی تھی حقیقت یہ ہے کہ جس شان بے خوفی سے مسلمان پیش قدمی کر رہے تھے۔ وہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔ چاروں طرف سے مجاہدین بڑھ رہے تھے اور ہر طرف وائے یہ چاہتے تھے کہ وہی سب سے پہلے فیصل کے قریب پہنچ جائیں۔ آخر ہزار ڈھولکی غریم شمالی جانب سے، جبل غریبی جانب سے اور مشرقی جانب سے محمد قاسم فیصل کے پیچھے پہنچ گئے۔

فوراً انہوں نے بروجوں کے قریب بیڑھیاں لگا دیں اور موت و حیات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کھٹ کھٹ اوپر چڑھنے لگے۔ یہ بڑے دل گردے سے نیز بیداری کی بات تھی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ہندو بروجوں میں سنگی تلواریں لئے اس لئے کھڑے تھے کہ جو نہیں یہ سہا بھاریں وہ ان کی بھٹاسی گردن اڑ دیں مگر ان کو یہ بات فکر ہی نہ تھی نہ غم۔ نہایت بے خوفی سے بیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔

سب سے پہلے جو شخص بروج کے قریب پہنچا وہ غریم تھا۔ اس نے کہہ رکھا تھا کہ ہندو اس تاک میں ہوں گے کہ جب کوئی شخص بروج کے سامنے سہا بھارے تو وہ فوراً تلواروں سے اس کا قیمہ کر کے اسے مار ڈالیں۔

اس لئے اس نے یہ ترکیب کی کہ برج کے قریب پہنچتے ہی تلوار کے کچوکے مارنا شروع کر دیئے۔ اس سے برج میں کھڑے ہوئے سپاہی پیچھے ہٹ گئے۔ وہ جلدی سے آفری سیڑھی پر پہنچ کر برج میں کود گیا اور جاتے ہی چاروں طرف تلوار کے ہاتھ چلانے لگا۔

تمام ہندو اسے مارنے کے لئے اس سے ابڑ گئے وہ یہی چاہتا تھا تاکہ اور مسلمانوں کو سیڑھیوں پر چڑھ کر برج میں کودنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان جلدی جلدی چڑھنے اور برج میں کودنے لگے۔

برج میں جاتے ہی وہ لڑائی میں مشغول ہو گئے۔ جب کہ تنہا فریم کا اتار ہندو کچوکے بنا کے متھے تو بہت سے مسلمانوں کا کیا کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ لڑے اور مقدور بھرے مگر کچوکے مسلمانوں کی تلواروں کا ذائقہ کچوکے کو بہت پسند نہیں آتا۔ گئے اور کچوکے کو ہوا کر چلاتے آئے بھاگے۔ جو باقی رہے تھے وہ ڈر کر لوگ دم بھاگ گئے۔ اس طرح سے اس لڑتے کا برج دشمنوں سے خالی ہو گیا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

قبضہ کرتے ہی وہ برج سے نکل کر فصیل پر پھیننے لگے اور فصیل پر کھڑے ہوئے دشمنوں سے لڑنے لگے۔ مسلمانوں کے آنے کا اتنا لگا ہوا تھا۔ جلد جلد سیڑھی چڑھ کر برج اور برج سے فصیل پر آ رہے تھے اور آتے ہی جنگ شروع کر دیتے تھے۔

اوپر مندرجہ کی جانب سے سیڑھیاں لگا دی گئیں اور شعل برج کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو برج والوں پر تیر بڑھانے کا حکم دیا۔ انہوں نے ذرا پیچھے ہٹ کر برج کے دروازوں میں کھڑے ہوئے والوں پر تیر پینکنا شروع کئے۔ ان تیروں سے ہندوؤں کے کئی آدمی مجروح ہو گئے اور باقی ماندہ پیچھے ہٹ گئے ان کے پیچھے ہٹتے ہی شعل نے تیر اندازی موقوف کرنے کا اشارہ کر کے جیت لگائی اور برج کے اندر جا پہنچا۔

اس کے ساتھ ہی کئی مسلمان بھی کود کر پہنچ گئے اور تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر جا لڑے۔ پہلے ہی حملے میں انہوں نے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہندو گھبرا گئے اور برج سے باہر نکل گئے۔

مسلمان ان کے تعاقب میں فصیل پر پہنچ پہنچ کر لڑنے لگے۔ جب کہ شمال اور

اور مغرب کے دونوں برجوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو ٹھیک اسی وقت ہی محمد قاسم بھی برج کے نیچے مشرق کی طرف پہنچ گیا تھا۔

اس نے بھی سیڑھیاں لگوائیں اور سب سے پہلے خود ہی چڑھنا شروع کیا۔ وہ نہایت جوشیلہ اور دلیر جوان تھا۔ جب وہ برج کے پاس پہنچا تو ہندوؤں نے اس پر تلواروں کا مینہ برسایا۔

اس نے تمام تلواریں ڈھال پر روکیں اور خود بھی تلوار سے حملے کرتا رہا۔ یہ بڑی جیداری اور بڑی جرات کا کام تھا۔ کیونکہ برج زمین سے قریباً ۴۰ فٹ اونچا تھا اتنی بلندی پر سیڑھی کے ڈنڈے کے اوپر کھڑے ہو کر بلا کسی چیز کو پکڑے ہوئے لڑنا معمولی بات نہ تھی۔ ذرا سی غلطی سے سیڑھی سے پھسل کر گر جانا ممکن اور گرتے ہی مرجانا یقینی تھا۔ لیکن محمد قاسم کو موت و حیات کی پرواہ نہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یا تو برج میں داخل ہو جائے یا اسی جدوجہد میں اپنی جان دے دے۔ کچھ وقفہ کے بعد اسے ذرا سا موقع ملا۔ جب اس نے حملہ کیا تو ہندو بھیچے ٹھگے ان کے پیچھے ہٹتے ہی اس نے زقند لگائی اور برج میں پہنچ گیا۔ برج میں پہنچتے ہی تلوار لے کر ہندوؤں پر برس پڑا اور اس پھرتی سے حملے کرنے لگا کہ دشمن حیران و ششدر رہ گئے۔

اس تھوڑے ہی عرصہ میں کئی ہندوؤں کو مار ڈالا۔ بہادر مسلمان بھی کو دود کر برج میں اُتے اور لڑتے لگے۔ ہندوؤں کے قدم اکھڑ گئے اور سر پر سر رکھ کر بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے انہیں مارتے کاٹنے چلے گئے۔ اس طرف سے مسلمان نہایت پھرتی سے کود کود کر آ رہے تھے اور آتے ہی برج سے گزر کر فصیل پہنچتے اور لڑائی شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح تین طرف سے تین بوجوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور فصیلوں پر جنگ ہونے لگی۔ محمد قاسم شیر زربا ہوا حملے کر رہا تھا۔ اس کی تلوار جس کے اوپر پڑتی تھی اسے کاٹ کر ڈال دیتی تھی۔ وہ جس طرف حملہ کرتا تھا پر سے کہے پر سے صاف کرتا چلا جاتا تھا۔ اس نے چشم زون میں بیسیوں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا اس مجاہد اعظم کی ہندوؤں پر ایسی ہیبت طاری ہو گئی کہ وہ اس کے سامنے آنے سے کتراتے لگے اور اس کے دستہ کے سپاہیوں نے بھی بڑی پھرتی بڑے جوش اور بڑی جان بازی سے حملے کر کے ہندوؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہندو اگرچہ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو شہید اور زخمی کر رہے تھے۔

مگر وہ ان کو پیچھے ہٹاتے ہیں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی کافی تعداد فصیل پر پہنچ گئی اور ان شیران اسلام نے انہیں جین جین کر قتل کرنا شروع کر دیا اور ان کی لاشوں سے فصیل پینے لگے۔ تو ان پر ہر اس طلبی ہو گیا اور وہ بے تحاشہ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمان ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور قتل کرتے ہوئے ان کے تعاقب میں سایہ کی طرح لگے چلے گئے۔ انہوں نے قدم قدم پر ان کی لاشیں بچھادیں۔ فصیل اور زیتوں پر ان کے پستے لگا دیئے۔ جب محمد قاسم اور اس کے ساتھی فصیل سے نیچے قلعے کے اندر اترے تو انہوں نے دیکھا کہ سارے قلعہ میں افراتفری پڑی ہوئی ہے۔ وہ قلعہ کے اندر پھیل گئے اور ہر اس شخص کو قتل کرنے لگے جو تلوار لٹے ہوئے تھا۔ ادھر خرم اور عجل بھی فصیل کے ہندو سپاہیوں کو قتل کر کے انہیں سپا کر چکے تھے اور فصیل سے نیچے اتر کر لڑنے لگے تھے۔ اس طرح سے تین اطراف سے مسلمان بوجوں پر چڑھ کر فصیلوں پر پہنچے اور فصیلوں کے اوپر سے ٹخنوں کو جا مار کر بھجگاتے ہوئے اندر جا داخل ہوئے۔



نعرہ توحید

عام ہندوؤں نے جب مسلمانوں کو قلعہ کے اندر دیکھا تو وہ سخت بدحواس ہو کر چہیتے ہوئے اُدھر سے اُدھر بھاگنے لگے۔ مردوں کو خوف زدہ دیکھ کر عورتیں اور بچے بھی دہشت سے کانپنے لگے۔ وہ بھاگ کر گھروں میں گھس گھس کر دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور تمام دیوگی دیوتاؤں کے نام سے لے کر ان سے رحم اور کرم کی التجائیں کرنے لگے۔ سارے قلعہ میں عجیب افراتفری مچی ہوئی ہوئی تھی۔ گروہ کے گروہ اُدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ ہندو شور زیادہ کر رہے تھے۔

چنانچہ وہ اس نڈر نڈر مچا رہے تھے کہ نہ صرف قلعہ ہی گونج رہا تھا بلکہ قلعہ سے باہر میلوں دور تک آواز پہنچ رہی تھی۔ اگرچہ لڑنے والے ہندو بھی اپنی جائیں بچانے کی فکر میں تھے لیکن ابھی ان کے سردار للکار للکار کر انھیں لڑنے پر آمادہ کر رہے تھے اور جہاں جہاں مسلمانوں کی صاف و شفاف تلواریں بلند ہو رہی تھیں ان کے سروں کے فیصلے کر رہی تھیں۔ ہندو جلد جلد قتل ہو رہے تھے۔ دراصل ہندوؤں کے دل ٹوٹ چکے تھے۔ محض جھنڈا ٹوٹ کر گر جانے کی وجہ سے وہ ہر بات سے شگون لینے کے عادی تھے۔ اوباما پرست تھے انہیں بالکل اس پر اعتماد تھا کہ جب تک جھنڈا قائم رہے گا دیول ہرگز فتح نہ ہو سکے گا۔ آج جھنڈا ٹوٹ کر گیا تھا اور اس لئے ان کی ہمتیں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔

اگر وہ اس وہم میں نہ پڑتے اور مردانہ وار لڑتے تو اب بھی مسلمانوں سے دگنے تھے۔ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے اور اگر انہیں شکست بھی نہ دے سکتے۔ تو باسزوت صلح کی سبیل نکال سکتے۔ لیکن تھا کہ ہوا مسافر دل شکستہ سپاہی کچھ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان سے بھی کچھ نہ ہو رہا تھا۔ وہ لڑ رہے تھے بے ہمتی کے ساتھ اور قتل ہو رہے تھے۔

مسلمانوں میں جوش تھا۔ غصہ تھا اور بڑھ بڑھ کر بھپٹا بھپٹا کر چلا رہے تھے۔

ادھر ہر شخص ہر جملے میں ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ چونکہ ہندوؤں کا لشکر سارے قلعے میں پھیل گیا۔ تھا اس لئے مسلمان بھی ہر طرف چھاگئے تھے اور نظریں جھکائے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ سمی، اس وقت مندر کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے گرد ڈوڑھائی ہزار مسلح سپاہی کھڑے تھے وہ جوش و غضب سے بل کھا رہا تھا اس کو اس لئے ہندوؤں پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ ابھی طرح سے نہیں لڑ رہے تھے بلکہ وہ بے ہوئے جنگ کر رہے تھے اور اس لئے وہ قتل ہو رہے تھے اس نے لکار کر کہا۔ بہادر ہندو یہ کیا بزدلی ہے تم اب بھی مسلمانوں سے دگنے ہو اگر مل کر جوش و خروش سے لڑو تو ان کے ٹکڑے اڑا سکتے ہو۔ یہ لوگ اپنے اسیروں کو پھرانے آئے۔ میں تم ان کا خاتمہ کر کے ان کے بھائیوں کو جو ہماری قید میں ہیں دیوتاؤں کی تذر کر کے قربانی کر ڈالو۔ سنو اگر تم نے بزدلی کی تو مسلمان تم سب کو قتل کر کے تم سب کا دہرم بھرنٹ (خواب) کر دیں گے تمہاری عورتوں کو اپنی بیویاں اور تمہارے بچوں کو اپنے غلام بنا لیں گے کیا تم اس بات کو گوارا کر لو گے؟

آخر تم ہندو ہو تم میں جوش ہے مذہبی غیرت ہے بڑھو اور پانی (کنہکار) مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔

ابن کی اس جوشیلی تقریر سے ہندوؤں میں بھی حرارت پیدا ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تھا اور وہ ان کے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اتفاق سے محمد قاسم اس طرف آنکلا۔ جس طرف سمنی معہ فوجی دستوں کے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ صرف اس کے خاص رسالہ کے پانچ سو سپاہی تھے اس نے اس کے سپاہیوں نے نہایت جوش سے سمنی کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ ہندو حیران رہ گئے۔

مسلمانوں کی تلواروں نے کاٹ چھانٹ شروع کر دی ہر مسلمان شیر کی طرح سے جسٹ لگا لگا کر حملے کر۔ نہ اور ہر جملے میں ہندوؤں کے پیچھے اڑانے لگا۔ چونکہ یہ جنگ سمنی کے سامنے شروع ہوئی تھی اس لئے ہندو بھی کسی قدر جوش سے لڑنے لگے۔ لیکن ان میں اتنی جرات نہ رہی تھی کہ وہ بڑھ کر حملے کرتے صرف مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے لیکن مسلمان بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ معنوں پر صغیر گرا دیتے تھے۔ تلواریں جھک جھک کر نہایت سرعت سے اٹھ رہی تھیں۔ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون بہ رہا تھا مردوں کے ڈھیر لگتے جاتے تھے۔ محمد قاسم نہایت جوش سے لڑ رہا تھا۔

اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا وہ تلوار لے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا وہ جس طرف دوڑ کر حملہ کرتا تھا ایک دو سپاہی مار کر ہی لوٹتا تھا۔ ہندو دیکھ رہے تھے کہ وہ کم سن بچہ تھا مگر آزمودہ کار نوجوان کی طرح لڑ رہا تھا۔ نہایت جوش اور بڑی دلیری سے اس کی تلوار گویا پیغام اجل یا فرشتہ موت بن گئی تھی۔ جسے اس کی ہوا بھی لگ جاتی تھی وہ ہی سرودہ ہو کر گر پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ بیس ہندوؤں نے ہمت کر کے اس تہا پر حملہ کر دیا اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر اس پر تلواروں کا مینہ برسایا۔ محمد قاسم ان کے حملے سے ڈرا نہیں بلکہ وہ نہایت اطمینان و استقلال سے ان کے حملے روک کر اپنے حملے کرتا اور ہر ایک حملے میں ایک دو کو موت کی آغوش میں پہنچا دیتا تھا۔ اس وقت اس دستہ کا ہر سپاہی ہندوؤں سے الجھ رہا تھا۔ چونکہ ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک مسلمان کو دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی۔ ہر مسلمان اپنے درمقابل سے لڑ رہا تھا یہی وجہ تھی کہ محمد قاسم کو لگ نہ پہنچ سکی اور تنہا ہی اس قدم ہندوؤں میں گھرا ہوا تھا اور نہایت جانبداری سے لڑ رہا تھا۔

سنتی قریب ہی کھڑا تھا وہ محمد قاسم کو لڑتے ہوئے دیکھ دیکھ کر حیران رہا تھا اس کی حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ سترہ سال کا لڑکا نہایت بے جگری ہندوؤں کے ترغیب میں گوسا ہوا جنگ کر رہا تھا اور بڑی سرعت سے پلنیرے بدل بدل کر دشمنوں کے ویز پچاتا تھا اسے رشک ہوا کہ اس کی فوج کے نوجوان ایسے بہادر کیوں نہیں جیسے کہ مسلمان ہیں وہ محمد قاسم کو نہ جانتا تھا۔ اگرچہ اس نے یہ سن رکھا تھا ایک اسلامی لشکر کا سردار ایک تو عمر لڑکا ہے وہ سمجھتا تھا کہ پچیس بیس برس کا نوجوان ہو گا۔ اس نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون تو لڑتا ہے جو لڑ رہا ہے کسی نے اس سے کہہ دیا کہ یہ اسلامی لشکر کا سردار محمد قاسم ہے یہ سنتے ہی فرط حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا۔ تعجب ہے اتنی عمر کا لڑکا اور اسلامی لشکر کا سردار ہے اس وقت اس کے پاس ابلی آگیا۔ اس نے کہا دیکھ لیجئے یہ لڑکا ہی ہے مگر کس جوش و فروروش سے لڑ رہا ہے۔

ابی۔ میرے خیال میں اگر آپ اس وقت مسلمان اسیروں کو چھوڑ دیں تو شاید قلم نچ جائے۔ سنتی نے جوش میں آکر کہا۔ قیدیوں کو چھوڑ دوں مسلمانوں سے ڈر کر؟ میں کبھی ایسے نہیں کر سکتا۔ میں محمد قاسم پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔

یہ مرا اور مسلمان سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

ابی نے سنجیدگی سے کہا اس بھروسہ پر نہ رہتے ہیں نے سنا ہے کہ مسلمان سرداروں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے جب ان کا کوئی افسر مارا جاتا ہے تو فوراً ہی وہ دوسرے کو منتخب کر لیتے ہیں ہماری طرح نہیں کہ جب سردار مارا جائے تو تمام لشکر ہتھیار ڈال دے یا بھاگ جائے۔

سمنی۔ تم ابھی دیکھ لو گے کہ محمد قاسم کے مارے جاتے ہی تمام مسلمان کس طرح سے پسپا ہوتے ہیں۔

ابی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ اس شیر پر حملہ نہ کریں۔

سمنی نے بڑا سامنہ بنا کر کہا۔ یہ شیر ہے؟ ممکن ہے کہ تم اسے شیر سمجھ رہے ہو۔ میں تو اسے گیڈر کے برابر بھی نہیں سمجھتا تم کھڑے ہوئے دیکھو میں اسے کس قدر جلد قتل کئے دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہی سمنی محمد قاسم کی طرف چلا اور ابی وہاں سے بڑبڑاتا ہوا ہٹ کر مندر کی طرف چل دیا۔

ادھر سمنی نے محمد قاسم پر حملہ کیا اگرچہ محمد قاسم عرصے سے جنگ کر رہا تھا۔ بہت کچھ جدوجہد کر چکا تھا مگر ابھی تک اس کے حلوں میں کمزوری نہ آئی تھی۔ جونہی سمنی نے اس پر حملہ کیا اس نے پشیرا بدل کر اس کا وار روکا اور شیر کی طرح جست لگا کر اس پر جا ٹوٹا اور تلوار کا ایک پھر پود ہاتھ مارا کہ سمنی مرتے مرتے بچ گیا۔ سمنی نے بھی جوابی حملہ کیا۔ محمد قاسم نے ڈھال سامنے

کر دی۔ تلوار سمنی کی ڈھال پر پڑ کر اچھٹ گئی۔ اب محمد قاسم نے لپک کر پھیر حملہ کیا۔ سمنی کی آنکھ جھپک گئی۔ آنکھ جھپکتے ہی تلوار اس کی گردن پر پڑی اور سر کٹ کر دور

جاگرا۔ بے چارہ سمنی آہ بھی نہ کر سکا اور اس کا دہڑتنا اور درخت کی طرح چکر کھا کر زمین پر آ رہا اسے مارتے ہی محمد قاسم نے ان ہندوؤں پر حملہ کر دیا جو نرغہ میں لٹے ہوئے تھے۔

اور جلدی جلدی حملہ کر کے انہیں بے ذریعہ قتل کرنا شروع کر دیا اب دوپہر ڈھل گئی تھی اور ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ مگر اس وقت جنگ ہو رہی تھی اور کسی مسلمان کو بھی سوائے رٹنے

کے اور کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ اس وقت قریب قریب تمام قلعہ میں تلواریں ایسا کاکا کر رہی تھیں۔ ہندوؤں کے شور اور مجروحین کی پکار سے تمام قلعہ گونج رہا تھا ہر مسلمان جہاں کہیں

کا تھا جنگ کر رہا تھا اگرچہ ہندو مقدور بھرزور سے لڑ رہے تھے مگر مسلمان ایک انچہ

پیچھے نہ ہٹتے تھے بلکہ نہایت بے خوفی سے اور بڑی جرأت سے لڑ لڑ کر دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ بلکہ سارے قلعہ میں یہ ہنگامہ وارد گیر بلند تھا۔ اس وقت مندر کے احاطہ کے قریب سے اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز آئی۔ مسلمان کچھ ایسے جنگ میں مصروف تھے کہ نعرہ لگانا ہی بھول گئے تھے۔ اس نعرہ کی آواز سن کر سب چونکے اور سب نے اس نعرہ کی تکرار کی اور اس روز سے نعرہ لگایا کہ تمام قلعہ طے لگا۔ ہندو تھرا گئے۔

محمد قاسم اور ان کے ہمراہیوں نے مندر کی طرف دیکھا۔ اور سے مسلمان مرد عورتیں اور بچے تلواریں لئے آتے نظر آئے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی مسلمان ہیں جنہیں بے رحم داہز کے سنگدل سپاہیوں نے قید کیا تھا اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ہندوستان پر حملہ کرنا پڑا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دوڑ کر ان مسلمانوں سے بنگلگیر ہو کر ملیں مگر ابھی ان کا موقع نہ تھا کہ جنگ ہو رہی تھی اور ہر مسلمان مصروف جنگ تھا۔ مندر کے اندر سے آنے والے مسلمانوں نے بھی حملہ کر دیا۔ ان کے مرد عورتیں اور بچے سب ہی نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ اور تمام مسلمانوں نے نعرہ لگا کر حملہ کیا کہ ہندوؤں کے پیر اکھر گئے اور وہ ہر محاذ سے جانیں بچا بچا کر بھاگنے لگے۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور بے ذریعہ ان کو قتل کرنے لگے۔ جو ہتھیار بند ہندو جہاں کہیں ملا قتل کر دیا گیا اب چونکہ ہندو ہیں لڑائی کی ہمت باقی نہ رہی تھی۔

اس لئے انہوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے اگرچہ مسلمانوں کو اس پر غصہ آ رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ہندو ہتھیار نہ ڈالیں بلکہ لڑیں لیکن جب وہ ہتھیار ڈالنے لگے تو مسلمانوں نے جنگ سے ہاتھ روک لئے اور انہیں اسیر کرنے لگے اس عرصہ میں محمد قاسم کے گرد جو ہندو لڑ رہے تھے وہ بھی یا تو قتل ہو گئے یا بھاگ گئے۔ یا ہتھیار پھینک پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ محمد قاسم نے چند مسلمانوں سے کہا۔ ظہر کی نماز کا وقت تنگ ہو جا رہا ہے جلدی سے کچھ آدمی اذان کہیں مندر کے قریب ہی کناں تھا۔

کئی مسلمان کنڈیں پر پہنچے اور وضو کرنے لگے اور باقی مسلمانوں نے ان ہندوؤں کو گرفتار کر لیا۔ جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اب پانچ آدمیوں نے مل کر اذان کہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دیبل میں ترمید کا نعرہ بلند ہوا اور وہ خدائے یکتا

کا نام پکارا گیا۔ مسلمانوں نے اذان کی آواز سنی۔ وہ ہر طرف سے سمت کر
 اور قیدیوں کو صراست میں لے کر اس جگہ آنے لگے جہاں محمد قاسم اور اس
 کے ساتھی جمع تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی وضو کیا اور محمد قاسم کے ساتھ
 نماز پڑھنے لگے۔



مسلمانوں کا بے نظیر لطف و کرم

جب مسلمان نماز سے فارغ ہو گئے تب وہ ان مظلوم مسلمانوں سے ملے جنہیں اس کے قید کر لیا گیا تھا۔ یعنی جو دیل کے تہ خانہ میں رکھے گئے تھے۔ یہ سب مسلمان بھائیوں کی طرح آپس میں بغل گیر ہو کر ملے اور مل کر نہایت خوش ہوئے۔ محمد قاسم نے ان سے دریافت کیا تمہیں کس نے رہا کر دیا۔ کس کے دل میں اتنا رحم آیا۔ اسلم نے کہا۔ اس نے جو ہمارا محافظ ہے۔

محمد قاسم کون محافظ تھا۔

اسلم۔ ابی جو اس مندر کا بچاری تھا۔

محمد قاسم۔ نہایت اچھا آدمی ہے ابی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے اہل و عیال کو اور جس کو وہ کہے گا اسے امان دوں گا۔ لیکن اس نے تم کو رہا کر کے تمام مسلمانوں پر نہایت زبردست احسان کیا ہے اس لئے اس کے اس احسان کے صلے میں سے انعام دے کر مال مال کر دوں گا۔ لیکن ابھی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے ابھی بہت سے سپاہی ہندوؤں کے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں انہیں تلاش کر کے قتل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور ہر ہتھیار بند سپاہی کو قتل کر ڈالو لیکن اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو انہیں گرفتار کر لو اور تمام شہریوں کو بھی گرفتار کر لاؤ۔ چلو پہلے اس کام سے فراغت کر لو۔ فوراً سب اٹھے اور سواتی آدمیوں کے گروہ بن بن کر قلعہ میں پھیل گئے اور گھروں میں گھس گھس کر تمام لوگوں کو اسیر کر کے باہر کھینچ کر لانے لگے۔ جنگ کے وقت قلعہ میں اس نذر ہنگامہ آرا نہ ہو رہا تھا۔ جس قدر کہ اب ہو رہا تھا۔ ہندو مرد عورتیں اور بچے رونے لگے۔ لیکن کسی مسلمان نے کسی بچہ اور عورت

کو ہاتھ نہ لگایا۔ تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں ہاں مردوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا۔ سب کو ایک سر سے اسیر کرنا شروع کر دیا اور ہتھیار بند ہندوؤں کو جنگ پر آمادہ کر کے لڑکر قتل بھی کرنے لگے۔ لیکن اب جس قدر بھی سپاہی تھے انہوں نے ہتھیار پھینک پھینک کر امان مانگنا شروع اور اب انہیں بھی گرفتار کیا جانے لگا۔ محمد قاسم بھی سزا سپاہیوں کو ہمراہ لے مندر کے احاطہ میں جاگھٹا۔

اس نے وہاں پہنچتے ہی دیکھا کہ مندر کے سامنے سینکڑوں من سوختہ ڈال کر آگ لگا دی گئی اور اس میں گھی ڈال ڈال کر آگ کو بھرا یا جلایا ہے۔ کچھ پاندھے اس کے چاروں طرف اٹکیں بند کئے کھڑے کچھ پڑھ رہے ہیں۔ پاندھیوں کے پیچھے تقریباً چار سو نازک اندامان ہو شر یا اعلیٰ قسم کے ریشم کے شلر کے پہنے ساڑھیاں پاندھے مومن کے زیورات سے لدی کھڑی ہیں ان کے عقب میں تین تلو عورتیں جن میں جوان اڈھیر اور بڑھیاں سب ہی تھلیوں پر بٹھائی ہوئی ہیں اور زیورات پہنے تھیں یہ بھی واسیاں ہی تھیں لیکن چونکہ ان کی عمریں زیادہ تھیں اس لئے اب ان کی ایسی قدر و منزلت باقی نہ رہی تھی۔ جیسی نوجوان اور شیریں اور لڑکیوں کی تھی۔

محمد قاسم اور تمام مسلمان اس نظارہ کو دیکھ کر حیران ہوئے اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں اس قدر آگ روشن کی گئی ہے کیوں آگ میں گھی ڈالا جا رہا ہے کیوں پنڈت اور واسیاں کھڑی ہیں مسلمانوں کو دیکھتے ہی تمام پاندھے اور وہ سب خون زدہ نگاہوں سے ان فاتح مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ خصوصاً ماہوش لڑکیاں بہت زیادہ جم گئیں اور ان کے چہروں سے سرخی غائب ہو گئی اور آنکھوں سے خون ظاہر ہونے لگا۔ نازک بچوں پر خشکی سے پیڑیاں جم گئیں۔

وہ مسلمانوں کو بالکل اس طرح دیکھنے لگیں جس طرح کوئی صیاد کو دیکھنے لگتی ہے جس وقت محمد قاسم اور اس کا دستہ ان لوگوں کے پاس پہنچے ٹھیک اسی وقت مندر سے نکل کر وہاں آگیا اور اس نے محمد قاسم کو سلام کر کے کہا۔ حضور کیا میں اور میرے اہل و عیال امان میں ہیں؟ محمد قاسم نے کہا ہاں امان میں ہیں۔ محترم پنڈت تم نے تمام مسلمانوں پر نہایت زبردستی حاصل کیا تمام مسلمان آپ کے مشکور ہیں۔

ابی۔ اور میں تمام مسلمانوں کا مشکور ہوں۔ اس وقت اگر جہ تمام قلعہ کے لوگوں کو

گرفتار کیا جا رہا ہے ہر گھر والے پریشان ہیں لیکن میرا گھر بالکل محفوظ ہے اور یہ کیا کچھ تقویٰ بات ہے۔

محمد قاسم۔ میں نے پہلے ہی مسلمانوں کو ہدایت کر دی تھی تم نے کس قدر وفاداری کا ثبوت دیا ہے کہ مسلم قیدیوں کو رہا کر دیا۔
ابی۔ میں جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔

محمد قاسم۔ اور اب جو میرے دل میں ہے وہ کروں گا یہ مثال قائم کروں گا کہ مسلمان احسان فراموش نہیں ہیں بلکہ احسان ملنے والے ہیں!

ابی۔ اس کا مجھے یقین ہے دنیا جانتی ہے کہ مسلمان وعدہ کو ایفا کرتے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ آگ کیسی روشن ہے اور یہ پنڈت وڑکیاں یہاں کیا کر رہی ہیں۔

ابی۔ انہوں نے چتا روشن کی ہے اور اس میں ان واسیوں کو بھلایا جانے والا ہے۔

یہ سن کر محمد قاسم اور تمام مسلمان نہایت حیران ہوئے۔ محمد قاسم نے کہا یہ طاقت ہے

ابی۔ ہم ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ شب ہمارے مرد مارے جاویں یا ہمیں شکست

ہر جاوے تو ہماری عورتوں کو زندہ بچل جانا چاہیے۔

محمد قاسم۔ کس قدر بے رحمی کی بات ہے۔

ابی۔ لیکن ہماری عورتیں اسے زیادہ پسند کرتی ہیں۔

محمد قاسم۔ لیکن ابھی تو مرد ہیں بھی زندہ اور مرد کیوں نہیں جلائے جاتے۔

ابی۔ اس لئے کہ ہر قوم کی عزت عورتوں سے ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہماری

عورتیں غیر قوم کے لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ کر اپنے تنگ و ناموس کے ساتھ قوم کی شرافت کو بٹھ لگائیں۔

محمد قاسم۔ کیا مرد غلام بن کر قوم کے ناموس کو دھبہ نہیں لگاتے۔

ابی۔ ہاں قوم کی اس میں تزیل ہے۔

محمد قاسم۔ پھر کیوں عورتوں کے ہمراہ مرد بھی نہیں جلا جاتے۔

لے جس وقت جنگ ہو رہی تھی اس وقت یہ چتا روشن کی گئی تھی اور اس میں سات سو واسیوں کو بھلایا جانے والا تھا۔ جو بیش قیمت کپڑے اور زیورات پہنے تھیں (از قلع ہند (صفحہ ۱۱۲۶)

ابی۔ اس لئے کہ ہماری مذہبی کتابوں میں عورتوں کے سستی ہونے کا ہی تذکرہ ہے مردوں کا نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ یہ شاید اس لئے کہ کتابوں کے مصنف مرد ہیں انہوں نے اپنی بچت تو کر لی اور عورتوں کا مطلق خیال نہ رکھا اگر عورتوں کی طرح مرد بھی زندہ جلائے جاتے تب انہیں معلوم ہوتا کہ زندہ جلنے والوں کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ کس قدر بیرحمی کی بات ہے کہ عورتیں جو بے زبان مخلوق ہیں جن پر مرد حکومت کرنے میں زندہ جلا دی جائیں اور مرد خواہ کچھ بھی کریں زندہ نہ جلائے جائیں یہ وحشیانہ قانون ہے کوئی مذہب اسے پسند نہیں کر سکتا!

ابی۔ یہ قانون جیسا بھی ہے لیکن ہم ہندو اس پر عمل کرتے ہیں۔
محمد قاسم۔ مگر میرے سامنے یہ بیرحمی نہ کی جائے میں حکم دیتا ہوں کہ ان عورتوں میں سے ایک عورت کو بھی نہ بلایا جائے یہ پنڈت جس قدر بھی کھڑے میں آگ میں ڈال دیئے جائیں۔

ابی نے پنڈتوں کو محمد قاسم کے اس حکم سے مطلع کیا تمام پنڈت بدحواس ہو کر رونے لگے محمد قاسم نے کہا۔ بد بختو تم عورتوں کے جلانے کے لئے آمادہ تھے مگر خود جلنے کے لئے تیار نہیں ہوئے کیا عورتوں میں جان نہیں ہے بیرحمو آج تم جلنے کا مزہ چکھو۔
محمد قاسم کو جوش آ رہا تھا جوش آنے کی بات بھی تھی۔ ہندو اپنی عورتوں کو زندہ جلا دینے اور مرد نہ جلتے تھے۔ پنڈت نار و قطار رو رہے تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے۔ آخر جب وہ روتے روتے بے حال ہو گئے تو محمد قاسم کو رحم آ گیا اور اس نے انہیں معاف کر دیا۔ وہ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے اب تمام داسیوں کو حراست میں لے لیا گیا اور مندر کے جس قدر سیم وزر جو اہرات تھے سب نکال لئے گئے یہ تمام سلمان اور داسیوں کو لے کر یہ مندر سے باہر آئے اور محمد قاسم نے چند سپاہیوں کو سمنی کے محل کی طرف بھیج دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ جو سامان اس کے محل میں ملے اور جس قدر آدمی ملیں سب لے آویں یہ دستہ روانہ ہو گیا ادھر مسلمانوں نے قلعہ کے تمام باشندوں کو حراست میں لے لیا اور سب کو لاکر محمد قاسم کے سامنے پیش کیا۔ جس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس کے بھی انبار لگا دیئے گئے جب

سمنی کے محل سے دستروا ہیں آیا تو رات ہو گئی تھی وہاں بہت کچھ زرقعت میں قیمت سامان اور عورتیں اور مرد نیز سمئی کی دوڑ لڑکیاں اسیر کر کے لائی گئیں۔ محمد قاسم نے سمئی کے رسد خانے کھول کر تمام قیدیوں میں رسد تقسیم کرائی اور انہیں حکم دے دیا کہ وہ کھانا تیار کر کے کھالیں۔ اسلامی لشکر بھی کھانا تیار کرنے لگا۔ کچھ رات گئے سب کھانا کھا کر فارغ ہوئے اور رات کو آرام کرنے لگے۔ صبح بیدار ہوتے ہی مسلمانوں نے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر محمد قاسم معہ لشکر کے اسی مندر کے سامنے وائے میدان میں پہنچا جہاں اس نے سمئی کو مارا تھا ابھی تک وہاں لاشیں پڑی تھیں سب سے پہلے محمد قاسم نے ہندوؤں کے قیدیوں کو حکم دیا کہ وہ لاشوں کو اپنے مذہب کے مطابق جلا دیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام لاشیں اٹھا کر ایک جگہ جمع کر لیں اور پھر ایک بڑی چٹا تیار کر کے لاشوں کو اس میں ڈال دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آگ میں لاشیں جلنے لگیں۔ اب محمد قاسم نے اپنی سے مخاطب ہو کر کہا۔

معزز پنڈت بتاؤ اب تمہاری کیا آرزو ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ اپنی نے کہا صرف اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے ایمان !!

محمد قاسم۔ وہ تو تم کو دی جا چکی ہے کچھ اور مانگو

اپنی۔ بس میں اور کچھ نہیں چاہتا۔

محمد قاسم۔ مگر میں تم کو دنیا چاہتا ہوں یہ عورتیں اور لڑکیاں جس قدر تمہارے سامنے

بکھری ہیں ان میں سے جس قدر چاہو رہا کرو۔ سونے چاندی اور جو اہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں ان میں جو کچھ چاہو لے لو۔

اپنی نے مشکورانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں کچھ نہیں چاہتا حضور۔

محمد قاسم۔ تمہاری خوشی اب میں ایک بات تم سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔
اپنی۔ فرمائیے۔

محمد قاسم۔ تم نہایت نیک اور خلیق انسان ہو میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ میں دباؤ ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ دوستانہ انداز سے کہتا ہوں کیونکہ ہمارے مذہب میں جبر کرنا منع ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ لَا كُفْرًا فِي الْإِيمَانِ
مذہب کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے یہ خوشی کا سودا ہے اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمام دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ گے یہ حقوق مسلمانوں کو سال ہیں وہی

تم کو حاصل ہوں گے۔ جب اور جہاں تم جاؤ گے۔ مسلمان تمہاری عزت کریں گے۔
ابی۔ میرا خود ارادہ تھا میں خوشی سے مسلمان ہوتا ہوں۔

تمام مسلمان نہایت خوش ہوئے اور انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔
محمد قاسم نے اسے مسلمان کر لیا اس کے بعد اور بھی چند عورتیں اور مرد مسلمان ہو گئے انہیں فدا
رہا کر دیا گیا اب محمد قاسم نے تمام عورتوں اور مردوں کو جریر لے کر رہا کر دیئے جو غریب تھے
وہ جزیرہ نہ دے سکے ان کو ویسے ہی رہا کر دیا گیا لیکن سپاہیوں داسیوں اور سمنی کی دو لڑکیوں
کو رہانہ کیا گیا وہ جنگی قیدی تھے اور ان کو رہا کرنا یا تو حجاج کے اختیار میں تھا جو دوسرے
تھا اور یا خلیفہ ولید کو مجاز تھا اب محمد قاسم نے چار حصے تمام لشکر میں اعلیٰ قدر مراتب تقسیم
تقسیم کر دیئے۔ لیکن وہ زبیرات جو داسیاں اور سمنی کی پوری زاد لڑکیاں پہنے ہوئے تھیں
پرستور ان کے پاس ہی رہیے دیے گئے اور ان کا فیصلہ حجاج یا خلیفہ پر منحصر رکھا گیا۔ اسی
دن مال غنیمت کا حصہ داسیاں۔ سمنی کی دونوں لڑکیاں اور قیدی تنو آدمیوں کی حراست میں
حجاج کے پاس روانہ کر دیئے گئے۔ چونکہ سمنی حاکم ریبیل مارا گیا تھا۔ اس لئے محمد قاسم نے ابی
کو مسلمان ہو گیا ریبیل کا حاکم بنا دیا گیا۔ وہ اس اعزاز کو پا کر نہایت خوش ہوا۔ دوسرے دن
صبح کی نماز پڑھتے ہی محمد قاسم نے موٹے لشکر کے نیردن کی طرف کوچ کر دیا۔



نصیحت

طاہرہ اور داہر دونوں آواز سن کر حیران رہ گئے اور حیرت بھری نظروں سے اس طرف دیکھنے لگے جس طرف سے آواز آئی تھی۔ یہ دونوں دیکھ رہے تھے کہ سامنے سے جو گنی نمودار ہوئی اس کے خاک آلودہ اچھے ہوئے سر کے بال بڑی ہی بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ سے کچھ پریشانی کے آثار ظاہر تھے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں اس کے دیکھتے ہی داہر نے بڑا سامنے بنا لیا۔ اس کی شان کہہ رہی تھی کہ اسے اس کا آنا ناگوار گزرا ہے۔ لیکن جس طرح وہ اس کی طرف مخاطب ہوا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سے ظاہر ہے چنانچہ اس نے کہا آہا ہا ماما جو گنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو جو گنی کا رعب پڑ گیا اور ہر شخص اسے ماما کہتا تھا۔ وہ ضعیف العمر تھی اس لئے ماما کہا جاتا ہے یا ہندو اسے جادو کرتی سمجھ کر ڈرتے تھے اور ڈر کے مارے اُسے ماما کہتے تھے۔ راجہ سے پرجا تک اونے سے اعلیٰ تک سب اسے ماما کہتے تھے۔ جو گنی نے شکستہ دل ہوتے ہوئے کہا۔ ہاں میں جو گنی ہوں۔

داہر۔ آپ نے بڑی کرپا (مہربانی) کی آئیے پدہاریئے (تشریف رکھئے) جو گنی ان دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا راجہ جن تم کو اس وقت میرا آنا ناگوار گزرا ہے اگرچہ اس نے بالکل صحیح بات کہی تھی۔ راجہ داہر کو اس کا آقا سمجھتا تھا مگر اس نے کہا نہیں ماما مجھے تمہارا آنا کیوں ناگوار گزرتا۔

جو گنی۔ مگر تمہاری آنکھیں یہی بتا رہی ہیں حقیقت میں زبان سے زیادہ آنکھیں ساف گوئی کیا کرتی ہیں۔

داہر۔ لیکن میری زبان آنکھوں سے زیادہ راست گوئی کرتی ہے۔

جو گنی۔ ایک راجہ کو سچ بولنا چاہیے۔

داہرہ اور میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

جوگنی۔ اسے پر ماتا ہی جانتا ہے۔

داہرہ۔ میری تمام رعایا جانتی ہے آپ بھی جانتی ہوں گی۔

جوگنی۔ رعایا کی مابیت میں کہہ سکتی ہوں۔

داہرہ۔ رعایا مجھے کیا سمجھتی ہے۔

جوگنی۔ تمام رعایا کا یہ خیال ہے کہ جو راہ عیاش ہوتا ہے وہ کبھی سچ نہیں بولتا۔

داہرہ کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ذرا بھی نفرت یا غصہ کا اظہار ہوا تو جوگنی اسے جادو کے زور سے جلا کر بھسّم کر دے گی اس لئے اس نے غصہ ضبط کر کے کہا یہ خیال میری رعایا کے بے وقوف لوگوں کا ہے۔

جوگنی۔ خیر کیسے ہی لوگوں کا ہو لیکن حقیقت بھی یہی ہے۔

داہرہ۔ کیا آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتی ہیں۔

جوگنی نے ذرا ترشروئی سے کہا۔ مجھ سے مت پوچھو کہ میں تم کو کیا سمجھتی ہوں۔ داہرہ کو غصہ آیا لیکن پھر اس نے ضبط کیا حقیقت یہ ہے کہ بزول انسان کو ہر ت جلد غصہ آتا ہے اور جلدی ہی دور بھی ہو جاتا ہے۔ داہرہ بزول ہی تھا اس کا بھی یہی خیال تھا اس نے کہا ماما۔ بتاؤ تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔

جوگنی۔ جو شخص اپنی سگی ہمشیرہ سے شادی کرے تم ہی سوچو وہ کیا ہو سکتا ہے۔

داہرہ یہ سن کر بے حیائی سے ہنس پڑا۔ ماما تم ہی بتاؤ کہ ہماری پستکوں میں یہ کتابوں ہیں یہ لکھا ہی کہاں ہے کہ سگی ہمشیرہ سے شادی مت کرو۔

جوگنی یہ سن کر جل گئی۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں لکھا کہ کوئی اپنی ماما سے شادی نہ کرے۔

لیکن کیا کوئی شخص ایسا بیجا بن سکتا ہے کہ اپنی بہلا سے شادی کرے۔

داہرہ۔ اور اگر کوئی کرے تو اسے الزام نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ مذہب وہی ہے جو تمام باتوں کو کھول کر بتا دے یہ نہیں کہ صرف یہ بتائے کہ کس کس دیتا کی پوجا کریں اور کس وجہ سے کریں۔

جوگنی۔ اب تم مذہب کو الزام دینے لگے ہو؟

داہرہ۔ تم ہی بتاؤ کہ میرا الزام درست ہے نہیں کیا تم نے کسی مذہبی کتاب میں یہ دیکھا

ہے کہ کس سے شادی کرو اور کس سے نہ کرو۔

جو گنتی بگڑ دنیا کا دستور کیا ہے۔

داہر۔ بہترین دستور یہ ہے کہ جو عورت پسند آئے اس سے شادی کر لی جائے۔
جو گنتی۔ چاہے وہ ماں ہی کیوں نہ ہو۔

داہر۔ ہاں وہ کوئی بھی ہو۔

جو گنتی۔ کس قدر ناپاک اور بوالہوسانہ خیالات ہیں تمہارے
داہر نے غصہ کے لہجہ میں کہا تم پھر میرے خیالات کو بڑا کہتی ہو لیکن مذہبی کتب کے
مصنفوں کو بھی کچھ کہئے۔

جو گنتی۔ میں کسی کو کچھ بھی نہیں کہتی مگر ہاں تم سے ایک بات کہنے آئی ہو۔

داہر۔ فرمائیے کیا۔

جو گنتی۔ جو تم اپنی شامت اعمال سے اپنی جہنم بھومی (پیدائش کی جگہ) کے دشمن کیوں
بن رہے ہو۔

داہر نے حیرت سے دیکھ کر کہا میں یہ کیسے؟

جو گنتی۔ تم نے مسلمانوں کو کیوں چھیڑا۔

داہر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ میں نے چھیڑا؟ میں کب ان پر لشکر کشی کرنے گیا تھا۔

جو گنتی۔ اور وہی کب تم پر لشکر کشی کرنے آ رہے ہیں۔

داہر۔ مگر اتنا ایک لونڈا اس ملک کو فتح کرنے کے ارادہ سے آ رہا ہے۔

جو گنتی۔ وہ لونڈا شیر ہے ایسا شیر جو اس بھومی (زمین) کے ایک ایک بچہ کو کھا

پھاڑ کھائے گا۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا۔ خوب بات کہی یہ تم نے۔ عنقریب تم سن لو گی کہ وہ طفل

شیر خوار (دودھ پینے والا بچہ) مارا بھی گیا۔

جو گنتی۔ کاش میں ایسا سن سکتی راجن اپنے ملک کے اپنی رعایا کے دشمن نہ بتوا

داہر۔ میں کیسے دشمن بن رہا ہوں۔

جو گنتی۔ تم مسلم قبیلوں کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔

داہر۔ وہ سرحد میں کیوں بغیر اجازت کے آئے ہیں کبھی انہیں نہ چھوڑوں گا بلکہ

دو چار ہی روز میں انہیں یہاں پلو کر ایک ایک کو قتل کر ڈالوں گا۔

جوگنی۔ قتل کر چکے اب کس کو قتل کرو گے تم؟

داہر۔ قیدیوں کو!

جوگنی۔ قیدی ہیں کہاں؟

داہر۔ دیل میں۔

جوگنی نے ٹھنڈا سانس عبھر کر کہا۔ دیل تباہ ہو چکا۔ سمٹی مارا گیا۔ مندر تاراج کر دیا گیا۔
داسیاں اور سمٹی کی ڈوڑکیاں مع ہزاروں، دیروں (پہادروں) کے خلیفہ کی خدمت
میں بھیج دی گئیں اور وہ مسلمان جن پر یہ جھگڑا اٹھا تھا آزاد کر دیئے گئے۔ داہر یہ باتیں
سن کر غم و الم سے آزرہ ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا کس نے یہ حرکت کی۔

جوگنی۔ اس نے جسے تم طفل شیر خوار کہہ رہے ہو۔

داہر۔ کیا محمد قادم نے؟

جوگنی۔ ہاں

داہر نے سخت غم زدہ ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔
انہوں میں کس خیال میں تھا وہاں کیا ہوا لیکن کچھ پرواہ نہیں میں بھی جب تک ان مسلمانوں سے انتقام
نہ لے لوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ جوگنی نے افسردہ لہجہ میں کہا۔ انتقام تم نہ لے سکو گے۔ جو
عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہو جس کے راج محل میں کئی رانیاں ہوں اور پچاسوں دامستہ لڑکیاں
ہو جو پود و لعب ہی کو سب کچھ سمجھتا ہو کیا انتقام لے سکتا ہے میں اس زمین میں پیدا ہوئی ہوں
مجھے اس زمین سے محبت ہے میں چاہتی ہوں کہ تم ہوش میں آؤ اور دانش مندی کر کے ملک
کو تباہی سے بچا لو ورنہ جو دیل کا خسر ہوا ہے وہی تمام ملک کا ہوگا۔

داہر۔ تم جس قدر بھی مجھے برا کہو حق بجانب ہو واقعی آج تک میں آرام اور عشرت میں

ڈوبا رہا۔ مگر اب مطلقاً ہی اس طرف رغبت نہ کروں گا۔ اب میں اس قدر لشکر اور اتنے ہاتھی میدان

جنگ میں بھیجوں گا کہ وہ ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔

جوگنی۔ تم جانتے ہو مسلمانوں نے کیوں حاکم کیا ہے؟

داہر۔ اپنے بھائیوں کو چھڑانے کے لئے۔

جوگنی۔ یہی بات ہے انہوں نے اور سب کو چھڑا لیا ہے نہ تو ایک یہ لڑکی (طاہرہ

کی طرف اشارہ کر کے) باقی رہ گئی ہے۔ عقلمندی اور مصلحت اسلمی میں ہے کہ اسے محمد قاسم کے پاس بھیج دو اور اس سے استدعا ئے صلح کرو۔

داہرتے بگڑ کر کہا۔ میں وہ کر کبھی صلح نہ کروں گا یہ لڑکی مجھے پسند ہے اور یہ سندھ کی مہارانی بنے گی۔

جوگنی نے غضب ناک ہو کر کہا راون سیتا کو بھگا کر لے گیا تھا آخر اس کا ماش ہو گیا تم اس کینا (دوشیزہ) کو لائے ہو کہیں تمہارا بھی راون جیسا حشر نہ ہو۔

داہر۔ اطمینان رکھو میں مسلمانوں کو مسل کر رکھ دوں گا۔
جوگنی۔ یہی راون کا خیال تھا کہ رام چندر جی کو مسل ڈالے گا مگر کچھ بھی نہ کر سکا۔
داہر۔ مگر میں راون نہیں ہوں۔

جوگنی۔ راون تم سے زیادہ طاقت ور تھا تم سے زیادہ اس کے ہمراہ سپاہ تھی۔

داہر۔ نہیں ماما اس سے زیادہ میرے پاس فوج ہے۔
جوگنی۔ افسوس تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں اچھا تم جاؤ مگر ایک بات مان لو۔
داہر۔ کیا۔

جوگنی۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو اس کینا (طاہرہ) کو اس وقت تک کچھ نہ کہو جب تک مسلمانوں سے لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

داہر۔ میں منظور کرتا ہوں۔

طاہرہ کچھ خوشی اور کچھ غم۔ کچھ غصہ اور کچھ خوف پھری نظروں سے جوگنی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا اب جوگنی۔ اور کمرہ میں چلی اور پراسرار طریقہ سے غائب ہو گئی داہر اس کے چلے جانے کے بعد کچھ سوچتا رہا۔ آخر اس نے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ طاہرہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم کو ستایا میں معافی چاہتا ہوں کہ آئندہ تم کو کچھ نہ کہوں گا۔ اطمینان سے رہو۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ چلا گیا اور طاہرہ نے اطمینان کا دم لیا وہ بیٹھ گئی اپنی حالت داہر کی کیفیت جوگنی کے فرمودہ واقعات پر غور کرنے لگی۔

پیکر غرور

داہر طاہرہ واے کمرہ سے باہر نکل آیا اسے جو گئی نے بتایا تھا کہ دیبل کا قلعہ مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے لیکن اسے یقین نہ آتا تھا اس لیے کہ دیبل کا قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس کے خیال میں اس کا فتح ہونا قریب قریب ناممکن تھا اور اس کے علاوہ وہاں لشکر بھی کافی تھا اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کل چھ ہزار ہی ہے اسے خیال نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ اہل دیبل مسلمانوں کو ہزیمت دے کر بھاگیں گے۔ مگر آج جو گئی نے بتایا کہ دیبل فتح ہو گیا اسے حیرت تھی اور افسوس بھی۔ وہ وہاں چل کر اپنے خاص کمرہ میں پہنچا یہاں اس کی سگی ہمشیرہ ملاوی جس سے اس نے شادی کر لی تھی اور جو رانی کہلاتی تھی بیٹھی تھی اس نے راجہ کا چہرہ ادا اس دیکھا تو اسے تعجب ہوا اسے یہ معلوم تھا کہ راجہ ایک مسلم دوشیزہ کو لایا ہے اور اسے اپنی مرضی پر چلنے کی ترغیب دے رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس نے کئی لڑکیوں کو اسی طرح ہموار کر کے اپنی نفس پرستی کا شکار بنا لیا تھا اور یہ سب کچھ تمام رانیوں کے سامنے ہوا تھا۔ چونکہ رانیاں ایسے واقعات کی عادی ہو گئی تھیں اس لئے اب انہیں رشک یا حسد نہ رہا تھا۔ چنانچہ رانی ملاوی تے بھی باوجود بھنے کے کہ راجہ مسلم دوشیزہ کے پاس سے آ رہا ہے کسی کبیرگی کا اظہار نہ کیا بلکہ اسے پریشان حال اور افسردہ خاطر دیکھ کر وہ بھی غمزدہ ہو گئی اور جب داہر آ کر بیٹھ گیا۔ تب اس نے کہا۔

تاہر کیسی طبیعت ہے؟ داہر نے کہا اچھی ہے۔

لاوی۔ مگر ہشیرہ سے تو قدر سے پریشانی ظاہر ہے۔

داہر۔ ماما جو گئی نے ایک ایسی ہی خبر سنائی ہے۔

لاوی۔ وہ خبر مجھے بھی سناؤ گے سوامی؟

داہر۔ اس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں نے دیبل کا قلعہ فتح کر لیا ہے۔

اس وقت دانیوں کو سیاسی معاملات سے کچھ بھی تعلق نہ ہوتا تھا وہ یہ بھی نہ جانتی تھیں کہ اگر جنگ ہو کر ملک کا کچھ حصہ بھی نکل جائے تو اس سے کیا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ لادی بھی ایسی ہی راتی تھی اس نے کہا کہ اگر ایک قلعہ جانا رہا تو کیا نقصان ہو گیا۔ آپ کے پاس تو سیکڑوں قلعے ہیں۔ داہر۔ لیکن ممکن ہے کہ میں طرح مسلمانوں نے ایک قلعہ فتح کر لیا ہے اسی طرح اور بھی کر لیں گے۔

لادی۔ کر لینے دو۔ دو چار قلعے قبضے میں کر کے لوٹ جائیں گے۔ سارے قلعوں پر قبضہ کرنے سے تو وہ رہے۔

داہر۔ تم مسلمانوں کو نہیں جانتیں وہ انسان نہیں شیطان ہیں ان میں ضرور اتنی قوت ہے کہ ایک ایک کر کے تمام قلعوں پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

لادی یہ سن کر کچھ خوف زدہ ہو گئی۔ اس نے کہا کیا اس اور کے قلعہ کو بھی فتح کر لیں گے۔ داہر۔ ہاں اگر ان کو روکا نہ گیا تو وہ اسے بھی فتح کر لیں گے۔ لادی۔ جب تو روکنے پھر انہیں سوامی۔

داہر۔ روکوں گا اور صرف روکنے ہی کا نہیں بلکہ انہیں شکست دے کر ان کے

ملک پر چڑھانی کروں گا اور جب ان کے خلیفہ کو امیر کروں گا تب واپس آؤں گا۔

لادی کچھ گھبرا گئی۔ اس نے کہا نہیں نا تم وہاں جانے کا ارادہ نہ کیجئے وہ تو سمندر پار رہتے

ہیں میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سمندر پار شیطانوں بھوتوں اور جادو گروں کی آبادی ہے

جو وہاں جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا اس زمانہ میں ہندوستان کے تمام ہندوؤں کے

یہی خیالات تھے اس لئے وہ سمندر میں سفر کرنا اخلاقی مذہب بناتے تھے گویا انہوں نے

سمندر پار نہ جانے کے لئے مذہب کا ایک پہانا بنا لیا تھا ورنہ وہ اس خوف سے کہ سمندر

پار شیطان بھوت۔ دیو۔ جن اور جادو گر رہتے ہیں وہاں جاتے ڈرتے تھے داہر نے کہا مگر

مسلمان بھی تو سمندر پار ہی میں رہتے ہیں۔

لادی۔ مگر آپ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان شیطان ہیں شیطانوں میں ہی رہ سکتے ہیں۔

داہر۔ لیکن مسلمان دیکھنے میں تو انسان معلوم ہوتے ہیں۔

لادی۔ کچھ ہی ہوں مگر میں آپ کو وہاں نہ جانے دوں گی

لادی۔ اچھا تو دن جاؤں گا کسی سردار کو بھیج دوں گا۔

لاوی۔ ہاں کسی اور کو بھیج دو۔ اس وقت آپ کی طبیعت کچھ بد مزہ ہو رہی ہے ناچنے اور گانے والیوں کو بلا لیجئے!
 داہر نے قطع کلام کر کے کہا، خوب یاد دلایا تم نے اچھا کسی داسی کو بھیج دو۔ فوراً لاوی نے ہتھیلی بجائی۔ ایک خادمہ اندر آئی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگا کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔
 لاوی نے کہا جاؤ ناچتے اور گانے والیوں کو بھیج دو۔ خادمہ چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں کئی حسین دو تین لڑکیاں مع ساز کے آئیں اور سلام کر کے موڈ بانہ بیٹھ گئیں یہ تمام لڑکیاں خوب صورت تھیں اور ایک ایک انگیا جس سے صرف سینہ کا کچھ حصہ ڈھکا ہوا تھا پہنے تھیں سادھیاں باندھتے تھیں مگر اس لباس سے ستر پوشی نہ ہونہ ہی تھی بلکہ جسم کا اکثر حصہ نظر آ رہا تھا۔ لاوی نے ان سے کہا کوئی اچھا گانا بناؤ۔ انہوں نے ساز اٹھائے اور سر ملا کر گانا شروع کیا۔ جیسی وہ حسین تھیں ویسی ہی خوش آواز تھیں۔

ان کے مل کر گانے سے سماں بندھ گیا اور داہر اور لاوی کی روحیں موسیقی کے بحرناپید میں تیرنے لگیں۔ کچھ دیر کے بعد گانا بند کر دیا گیا اور داہر باغیچہ میں جا بیٹھا۔ دراصل دیبل کی فتح نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا تھا۔ اس کے دل کا سکون جاتا رہا اور وہ کچھ پریشان رہنے لگا۔ مگر جب کوئی اس کے پاس آتا تو وہ خوش رہنے کی کوشش کرتا تاکہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ راجہ غم زدہ رہنے لگا ہے یا ایک دن اسے معلوم ہوا کہ محمد قاسم کا قاصد آیا ہے اس نے دربار منعقد کیا تمام درباریوں کو طلب کیا جب وہ آگئے تب وہ بھی دربار میں آ بیٹھا اور اس نے قاصد کو حاضر ہونے کا حکم دیا قاصد ایک مسلمان تھا اس نے سنگھاسن کے قریب جا کر مراسلہ بڑھایا۔ بڑھی من ڈیر نے مراسلہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں تحریر تھا۔

از جانب محمد قاسم ثقفی بندہ خدا سالار لشکر اسلامیہ بھانوب راجہ داہر والئی ہندو سندھ افسوس ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو قید کر کے فرزند ان اسلام کو سندھ پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ کاش آپ قیدیوں کو اسی وقت رہا کر دیتے جبکہ پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں قاصد بھیجا گیا تھا اب دیبل فتح کر لیا گیا ہے اور وہاں جو قیدی تھے ان کو بھیج دیا گیا ہے۔ صرف ایک لڑکی طاہرہ اللہ میں آپ کے پاس ہے مناسب یہ ہے کہ آپ اسے باعزت ہمارے پاس روانہ کریں اگر آپ ایسا کریں گے تو وجہ محاسنت ختم ہو جائے گی چونکہ میں

خونریزی کو پسند نہیں کرتا اس لئے دوستانہ مشورہ دیتا ہوں۔

(از محمد قاسم)

داہر اس خط کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا اس نے کہا شاید محمد قاسم دیبل کی فتح پر کچھ مغزور ہو گیا ہے اور اسی لئے اسے یہ خط لکھنے کی ہمت ہوئی ہے مگر وہ میری طاقت سے واقف نہیں ہے۔ اس سے کہہ دو کہ طاہرہ میرے پاس ہے اور میرے ہی پاس رہے گی کوئی طاقت اسے مجھ سے چھین کر نہیں لے جاسکتی۔ اس کی یہ لالیعنی گفتگو سن کر قاصد کو غصہ آ گیا اس نے کہا۔ مغزور محمد قاسم نہیں آپ ہیں آپ کو اپنی طاغوتی قوت پر غرہ ہے مگر آپ خدا کو بھول گئے ہیں نہیں جانتے کہ وہ فرعون کی حکومت کا منٹوں میں خاتمہ کر دیا کرتا ہے ہمیشہ کمزوروں کا ساتھ دیتا ہے اگر وہ کمزوروں کا ساتھ نہ دے تو زور آور نہیں مل ڈالیں آپ زور آور سہی لیکن ہم کمزوروں کا خدا مددگار ہے اور اس لئے ہمیں اطمینان اور اعتماد ہے کہ اگر آپ نے ہماری صلح کی درخواست کو ٹھکرا دیا تو خدا ہماری مدد کرے گا اور جس طرح سے ہم نے دیبل کی فتح کر لیا ہے اسی طرح آپ کی تمام اور راجدھانی فتح کر لیں گے۔ داہر غصہ سے پونج و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ تمہارا یہ حوصلہ؟ تم کو معلوم نہیں کہ دیبل میں بڑوں لوگ تھے اب جن بہادروں سے مقابلہ ہو گا وہ شیروں کے گلے چیر ڈالتے ہیں اس لئے میں تم کو مستنبہ کرتا ہوں کہ دیبل سے آگے قدم نہ بڑھانا ورنہ تم میں سے ایک بھی زندہ بچ نہ جائے گا۔

قاصد۔ آپ ہم مسلمانوں سے بالکل واقف نہیں ورنہ صلح کو غنیمت جانتے ہم وہ ہیں جو بجز خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے اور جس کام کو شروع کرتے ہیں اسے پورا کئے بغیر نہیں چھوڑتے ہم نے تمہیں کر لیا ہے کہ یا تو طاہرہ کو رہائی دلاؤ گے یا اسی کی کوشش میں خود شہید ہو جائیں گے۔

داہر۔ ہاں یہ دوسری بات ممکن ہے۔

قاصد۔ نہیں وہ ممکن نہیں بلکہ ممکن یہ ہے کہ ہم تمہاری حکومت کا تختہ ہی الٹ دیں گے۔

داہر۔ اچھا دیکھوں گا منتہی جی (وزیر جی) مغزور محمد قاسم کو جواب لکھ دو اور اس گستاخ

قاصد کو دے دو۔

بدعہ من نے جواب لکھا۔ داہر کو دکھایا اور مہر لگا کر قاصد کے حوالے کر دیا۔ قاصد روانہ ہو

گیا اس کے جانے کے بعد داہر نے وزیر اعظم سے کہا تم نیرون کے راجہ ساہنی۔ سوستان

کے بلا جہ بھگرا۔ بدیہہ کا راجہ کا کا۔ بیت کے راجہ موکہ کو ہماری طرف سے فرمان لکھو کہ محمد قاسم کو اپنی اپنی اس سرحد پر روکیں اس طرف نہ بڑھنے دیں اور اگر وہ لڑے تو اسے شکست دے کر بھگا دیں اور کوشش کریں کہ اس مفروضہ کو قتل کر کے اس کا سر ہمارے حضور میں بھیج دیں۔ اسی وقت یہ فرماں روانہ کر دو۔ بہتر ہے وزیر اعظم نے کہا اور اپنے نائب وزیر سلیاگر کو بلا کر اس سے فرمان لکھوانے لگا۔ جب فرامین تیار ہو گئے تب قاصد کے حوالہ کر کے اسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ اب داہرنے دربار برخواست کر دیا اور اٹھ کر راج محل میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی تمام درباری بھی ایک ایک کر کے چلے گئے۔

غازیان اسلام

محمد قاسم مع لشکر کے دیہل سے نیرون کی طرف چل پڑا۔ نیرون دیہل سے پنتیا لیس فرسنگ یعنی تقریباً چونسٹھ میل تھا۔ دس میل روزانہ کے حساب سے چھ دن میں یہ لشکر نیرون پہنچا۔ محمد قاسم جس قدر پر جوش اور بہادر تھا اسی قدر رحم دل تھا اور اس رحم دل کی ہی وجہ تھی نہیں چاہتا تھا کہ فضول خونریزی ہو اور خلق اللہ ماری جائے۔ چونکہ یہ مہم ان مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے بھی گئی تھی جو کہ ہرانڈیپ سے آتے وقت راجہ داہر کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے تھے دیہل فتح ہونے سے اور تمام قیدی رہا ہو گئے تھے۔ صرف ایک طاہرہ رہ گئی تھی۔ محمد قاسم چاہتا تھا کہ داہر طاہرہ کو بھی رہا کر دے تو وجہ نزلت مٹ جائے اور یہ مہم ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس نے نیرون پہنچنے سے پہلے ہی راجہ داہر کو ایک خط لکھا تھا اور اس میں مطالبہ کیا کہ وہ طاہرہ کو چھوڑ دے۔ جب حجاج کو معلوم ہوا کہ محمد قاسم نے اس قسم کا خط راجہ داہر کو لکھا ہے تو اس نے فوراً ناراض ہو کر ایک تہدید نامہ لکھا جس کا اقتباس یہ ہے۔

فرزند من میں اس بات کو سن کر خوش نہیں ہوا کہ تم نے راجہ داہر کو مصالحت کے لئے لکھا ہے تم نے اپنی نیک ولی سے ایسا لکھا لیکن داہر اسے تمہاری کڑویا پر محمول کرے گا اور وہ ہرگز صلح پر آمادہ نہ ہوگا۔ تم ہندوستان کے راجاؤں سے واقف نہیں ہو یہ خود سر مغرور۔ نیم وحشی اور نہایت سنگ دل ہوتے ہیں۔ میں نے یہ تمہیں ہدایت کی ہے کہ جو خود تم سے مصالحت کی درخواست

۱۔ ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل سترہ سو ساٹھ گز کا ہوتا ہے اور ایک گز چھ مٹھی کا ہوتا ہے اس طرح ایک فرسنگ اڑھائی میل اور پنتیا لیس فرسنگ تقریباً چونسٹھ میل ہوتے (صادق صدیقی)

کرے اس سے فوراً صلح کروان جن شرائط پر صلح کروان کی پوری پابندی کرو۔
 لیکن اپنی طرف سے ہرگز تحریک صلح نہ کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے پاس لشکر
 کم ہے اور غنیم کے پاس بے شمار ہے مگر مسلمان کبھی دشمنوں کی کثرت سے نہیں
 گھبراتا اس لئے کہ وہ خدا پر عبور و سہ کرتا ہے اور اسی سے امید کی اعانت رکھتا
 ہے۔ ہندو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ اس سے امید رکھتے ہیں اس لئے تم اندیشہ
 نہ کرو انشا اللہ خدایم کو فتح دے گا آج تمام اسلامی قلمرو کی ٹکائی تم پر لگی ہوئی
 ہیں اور ہر مسلمان ہر دعوت اور پکے تمہاری فتح یابی کی دعائیں مانگ رہے
 ہیں جب دشمن ہاتھیوں کو لے کر حملہ کرے تو تم اپنے گھوڑوں کے مہینزیں
 لگا دو یا پیدل ہو کر نیروں سے حملہ کرو۔ جب دریائے سندھ پر پہنچو تو اس کا
 ایک نقشہ میرے پاس بھیج دو نیز تمام مسلمانوں کو میرا سلام کہہ دو۔

حجاج از بصرہ

جب یہ خط محمد قاسم کے پاس آیا تو اس نے فوراً تمام لشکر کو سنا دیا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ
 حجاج نے ڈاک بٹھادی تھی اور پانچ پانچ میل کی ایک منزل مقرر کر دی اور ہر منزل پر دو دو سوار مقرر
 کر دیئے تھے جو خط لاہر سے ادھر ادھر سے ادھر لاتے اور لے جاتے تھے یہ انتظام
 بدستور قائم تھا اور جوں جوں اسلامی لشکر بڑھتا جاتا تھا ڈاک کی منزلیں بھی بڑھتی جاتی تھیں اور
 قریب قریب ہر تیسرے دن خطوط آتے جاتے تھے۔ جب یہ لشکر نیرون پہنچا تو سامنی حاضر
 ہوا۔ غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ سامنی نے حجاج سے مصالحت کر لی تھی اور اس کی اطلاع محمد قاسم
 کو مل چکی تھی اس نے آتے ہی بیان کیا کہ وہ قاصد جسے محمد قاسم نے داہر کے پاس بھیجا تھا۔
 جواب لے کر آگیا ہے اور سامنی نے اسے روک لیا ہے اس نے یہ بھی کہا کہ داہر کا ایک فرمان
 اس کے نام آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ محمد قاسم کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دو اسے سرحد پر
 روکو اور جنگ شروع کر دو اس نے یہ بھی بتایا کہ طاہر نے اسی قسم کے فرامین تمام راجاؤں کے نام
 بھیجے ہیں۔ محمد قاسم نے سمجھ لیا کہ داہر مصالحت کرنے پر آمادہ نہیں ہے اس کی سمجھ میں یہ بات
 آگئی کہ حجاج نے بالکل درست لکھا ہے کہ میری درخواست مصالحت میری کمزوری پر عمل
 کی جائے گی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی کسی راجہ سے مصالحت کی تحریک نہ کرے گا
 اس نے قاصد کو بلایا۔ قاصد نے اگر طاہر کا ایک مراسلہ پیش کیا۔ محمد قاسم نے مراسلہ کھول کر پڑھا

اس میں تحریر تھا: از جانب راجگان داہر فرمانروائے بحر و بر بجانب مغرور و کبرکش محمد قاسم

اسے شیر خوار بچہ تو دیل کو فتح کر کے اترا گیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ دیل کی طرح سے اور قلعوں کو بھی فتح کرے گا حالانکہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ دیل میں تیار اور پیشہ ور لوگ رہتے تھے لڑنے والے بہت کم تھے اسی لئے تم نے اسے فتح کر لیا اور اب اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ تو ہم کو دھمکی دینے لگا کہ یا تو ہم طاہرہ کو چھوڑ دیں ورنہ ہمارا حشر دیل والوں کا سا ہو گا۔ بے وقوف بیچے اس خیال خام کو اپنے دل سے نکال دے اور اگر تو اپنی اور اپنے لشکر کی زندگی چاہتا ہے تو واپس چلا جا ورنہ ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہے گا تو میرے بیٹے راجہ جے سیاہ کے زور و قوت سے واقف نہیں ہے کہ اس سے ہندو سیندھ کے تمام فرمانروا کانپتے اور اس کے آستانہ پر ماتھا گرٹتے ہیں۔ مکران اور توران کے بہادر لوگ اس کے حلقہ بگوش اطاعت ہیں ہمارے پاس اس قدر ہاتھی ہیں کہ ان کا ایک ہی ریلہ تیرے تمام لشکر کو مل کر رکھے گا۔ عقل مندی اسی میں ہے کہ میرے بہادروں کو پہنچنے سے پہلے ہی لوٹ جا۔

محمد قاسم اس خط کو پڑھ کر مہنسا اس نے کہا داہر کو غرہ ہے اپنے لشکر پر اپنے بیٹے کی بہادری پر اپنی رعایا کی کثرت پر۔ ہاتھیوں کی ہنگامہ خیزی پر مگر ہم کو زخم سے خدا پر اور خدا پرستی پر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے جس کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہم مسلمانوں کی مدد کرتا رہا ہے اور اب بھی کرے گا اس نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے **وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ** (ہم پر خدا کو) مسلمانوں کی مدد کرنا لازمی ہے یہ ظاہر ہے کہ جس کی مدد خدا کرے اس کی فتح یقینی ہے اس لئے ہمارا اعتقاد ہے کہ فتح ہماری

لے جے سیاہ راجہ داہر کا بیٹا تھا۔ تاریخوں میں اس کی پیدائش کا افسانہ اس طرح لکھا ہے کہ اس کی ماں حلالہ تھی۔ داہر شکار کے لئے گیا تھا۔ اتفاق سے شیر سامنے آ گیا سیاہی ڈکھ جاگ گئے۔ راجہ داہر نے شیر مار ڈالا۔ سیاہی جب شہر میں پہنچے تو انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے بھی سنا۔ وہ بے ہوش ہو کر مر گئی۔ جب راجہ نے واپس آ کر سنا تو اس نے رانی کو دیکھا اس کے پیٹ میں بچہ زندہ تھا چنانچہ پیٹ چیر کر بچہ نکالا گیا اور اس کا نام جے سیاہ رکھا گیا (صادق صدیقی)

ہوگی راجہ داہر کے ہاتھی۔ اس کا بے شمار لشکر اس کا بیٹا اس کے بہادر لوگ سب دھڑے جائیں گے اس میں شبہ نہیں کہ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور اس لئے چاہتا تھا کہ داہر سے ملحت ہو جائے لیکن وہ ایسا مغرور اور جاہل ہے کہ اس نے میری صلح کی پیشکش کو میری کمزوری کو ٹھکرا دیا اب انشا اللہ اس سے صلح ہو گزرنہ کروں گا اور یا تو اسے قتل کر کے دم لوں گا یا خود میدان ہو جاؤں گا۔

سامنی نے کہا راجہ داہر نے جو فرامین جاری کئے ہیں ان میں یہ لکھا ہے کہ آپ کو زندہ فساد کر کے یا آپ کا سر کے حضور میں پیش کیا جائے۔
محمد قاسم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے ڈرتا ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو میں اس سر حجاج کے پاس بھیجوں گا۔

نیرون میں محمد قاسم نے اس لئے قیام کر دیا تھا تاکہ لشکر آرام کرے اور رسد کا انتظام کر لیا جائے لیکن اسلم کو ایک ایک گھنٹہ بلکہ ایک ایک منٹ ناگوار گزار رہا تھا جب تک وہ خود ہیر نا اور تہ خانہ میں مقید تھا اس وقت تک مجبور تھا اور طاہرہ کی خبر نہ لے سکتا تھا۔ مگر اب آزاد ہو گیا تھا کہ جلد سے جلد طاہرہ کو رہا کرنے کا متمنی تھا۔ لہذا دو دن گزارنے پر اس نے محمد قاسم سے کوچ کرنے کو کہا محمد قاسم کو اسلم سے محبت ہو گئی تھی وہ اسے پر جوش بہادر سمجھتا تھا اس نے نصد سواروں پر اسے مقرر کر کے اس کے لئے ایک علم بنا دیا تھا ہر دستہ کا علم جدا گانہ تھا اور ہر شخص اپنے علم کی کمال عزت کرتا تھا لیکن محمد قاسم کے علم کو سب پر ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ محمد قاسم نے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا اور اگلے دن کوچ کی ٹھہر گئی۔ نیرون سے آگے بڑھ کر سوستان کی ولایت تھی۔ سوستان کا دارالسلطنت بھرج تھا جو کہ سوستان کے قلعہ کے قریب ہی تھا۔ سوستان نے بھجرا راجہ داہر کا بھتیجہ تھا۔ چنانچہ دوسرے دن لشکر اسلام نے اس طرح کوچ کیا کہ سب سے پہلے اسلم کا دستہ پھر عبدالرحمن پھر سفیان البروک کا۔ پھر عجل کا۔ پھر فریم کا اور پھر محمد قاسم اور مجاشع کا دستہ سب کے آخر میں اس روز روانہ نہ ہو سکا بلکہ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا۔ سامنی نیرون میں ہی رہ گیا لیکن اس نے اس اسلامی لشکر کے لئے رسد کا انتظام یہ ہو گیا کہ غلہ کے بیروں کو ہدایت کر دی کہ ہر منزل پر رسد پہنچا دیں اور یہ انتظام سوستان تک جاری رہا۔

”حسین رانی“

رانی لادی محمد قاسم سے وداع ہو کر اپنے لشکر میں چلی گئی تھی۔ چونکہ ابھی رات زیادہ نہیں آئی تھی اس لئے تمام سپاہی جاگ رہے تھے اور آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے خوش فعلیاں کر رہے تھے لیکن رانی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ اٹھ کر ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور سروں کو جھیکا جھکا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ رانی ان کے سامنے سے گزر کر اپنے خیمہ میں پہنچی اس کی کینیزیں ابھی تک بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں لادی کو دیکھتے ہی وہ بھی کھڑی ہو گئیں اس وقت خیمہ میں چاندی کے کسی قبیل سوز تھے اور ان میں چراغ روشن ہو رہے تھے۔ ان کی روشنی سے خیمہ اور خیمہ کی ہر چیز جگمگا رہی تھی۔ لادی کو دیکھتے ہی تمام کینیزیں اٹھ کر سرو قد کھڑی ہو گئیں جب رانی بیٹھ گئی تب انہوں نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اس کا گلابی رنگ قدرے پھیکا پڑا ہوا تھا اس کی دایاں یا کینیزیں اس کی نیکی یا بھوسے پن کی وجہ سے قدرے گستاخ ہو گئی تھیں ان میں سے ایک کینیز نے کہا۔ ہمارا رانی جی کیا بات ہو گئی ہے چہرہ کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟

لادی اپنی کیفیت چھپانا چاہتی تھی۔ مگر نہ چھپا سکی راز دار کینیزوں نے معلوم کر لیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی کہا کوئی خاص بات ہو گئی ہو اب رات زیادہ آگئی ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں کینیزوں نے جلدی جلدی اس کے کپڑے تبدیل کر لے اور خیمہ سے نکل نکل کر چلی گئیں کینیزوں کے جلتے ہی رانی مسہری آرا چار پائی پر جا پڑی اور خیالات کے سمندر میں غوطے کھانے لگی کبھی اسے خیال ہوتا کہ چند دنوں سے کس قدر دعا بازی کی کہ اسے اور راجہ کو فریب دے کر یہاں لایا اور اس آبروریزی کے درپے آزار ہو گیا کبھی محمد قاسم کا خیال آتا اور اس کی نیکی بہادری اور خوش خلقی کی تعریف کرتی کبھی کہتی کہ کس قدر کسٹن لڑکا ہے اور فوج کا سپہ سالار بن کر آیا ہے۔ یہ کس قدر ہوشیار ہے کہ رات کو آرام نہیں کرتا بلکہ دشمنوں کا سراخ لگاتا پھرتا ہے الغرض اس قسم کے خیالات میں ادھی رات تک پڑی

الجبتی رہی آدمی رات کے بعد سو گئی اس نے خواب میں بھی محمد قاسم ہی کو دیکھا تو اس کی آنکھ کھل کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی اور جب کسی کو بھی وہاں نہ پائی تو کچھ اپنے اس نازیبا خیال پر غصہ اور انسوس کر کے بن بن کر پڑ جاتی اور کچھ دیر کے بعد سو جاتی۔ اس طرح سے سوتے جاگتے صبح ہو گئی اٹھتے ہی اس نے ضروریات سے فراغت کر کے اور اسی وقت لشکر کو واپس کوچ کرنے کا حکم دے دیا یہ کس کی مجال تھی کہ رانی لادی کے حکم کو ٹال سکے فوراً تمام لشکر کیل کانٹے سے لیس ہو گیا لادی رتھ میں بیٹھ گئی اور لشکر کے ساتھ اور کی طرف روانہ ہو گئی۔

اور وہاں سے بہت دور تھا۔ یہ لشکر منزل منزل کوچ و قیام کرتا چلا جا رہا تھا لشکر والوں نے راستہ میں سن لیا تھا کہ مسلمانوں نے دیبل فتح کر لیا ہے یہ سن کر ان پر ہراس طاری ہو گیا تھا اسے اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمان ان پر اچانک حملہ نہ کر دیں اس لئے وہ دو منزلہ اور سہ منزلہ کمرے جلد سے جلد اور پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک رانی لادی دھان پان تھی۔ وہ اس قدر سفر کی شقت برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دوسرے اس طرح بھاگ کر چلنے سے ان پر بزدلی کا الزام عائد ہوتا تھا اس لئے وہ بظاہر اطمینان سے چل رہے تھے۔ حالانکہ ان کے دل خوف اور دہشت سے کانپ رہے تھے ایک دن اس لشکر کے سردار نے لادی سے کہا بھی کہ اگر آپ اجازت دیں تو رات اور دن سفر کو جاری رکھا جائے مگر رانی نے نہ مانا اور صاف طور کہہ دیا کہ شاید تم لوگ مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہو لیکن میں نہیں ڈرتی میں جس طرح آرام و اطمینان سے آئی تھی اسی آرام و اطمینان سے جاؤں گی۔ بڑی بزدلی ہو گی میں مسلمانوں سے ڈر کر رات دن بھاگم بھاگ چلی جاؤں۔ افسر رانی کی یہ بات سن کر چپ ہو گیا اور سفر بدستور جاری رہا۔ چونکہ رانی لادی سے رعایا کو عام طور پر محبت تھی اس لئے وہ جن گاؤں یا قصبہ یا شہر سے گزرتی اس کی رعایا اگر اس کے سامنے جھکتی اور اس کے قدموں پر نذر و عقیدت کے پھول چڑھاتی چلی گئی آخر یہ لشکر بحیرت اور پہنچ گیا۔ رانی راج محل میں داخل ہوئی۔

چونکہ وہ اتنا لمبا سفر کرنے سے تھک گئی تھی اس لئے اس نے اپنے کمرہ میں جا کر آرام کیا اور تمام شب آرام سے سوتی رہی صبح کو بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے غسل کیا اور غسل کرتے ہی سفید ریشمین ساڑھی اور سفید شلوکہ پہن کر کنیروں کے ساتھ مندر کی طرف روانہ ہوئی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر رانی کا مندر علیحدہ تھا اور رانی اپنے ہی مندر میں پوجا پاٹھ کے لئے جایا کرتی تھی۔ چنانچہ رانی لادی اپنے مندر میں پہنچی۔ مندر کی عمارت نہایت خوب صورت

تھی۔ اندر اور باہر ہر طرف سفید استاکاری ہو رہی تھی مندر کے برآمد میں دو تین پنڈت گھنٹوں سے
 اپنی دھوتیاں کئے کھڑاویں پہنے جینیو ڈالے تھے۔ لادی ان کے پاس پہنچتے ہی ہاتھ جوڑ کر بھکی اور
 ان کے قدموں کو چھو چھو کر سر و قد کھڑی ہو گئی۔ آج جس طرح لکھے پڑھے۔ جاہل مسلمان مرد عورتیں مٹا ہلا
 پیروں کے قدم چھو کر گناہ کار ہوتے ہیں اور پیروں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ ہندو عورتیں
 اور مرد پنڈتوں سے ڈرا کرتے ہیں اور ڈر کر ان کی تعظیم کے لئے ان کے سامنے بھجک جاتے ہیں۔
 چنانچہ رانی لادی بھی پنڈتوں سے ڈرتی اور ڈر کر ان کی تعظیم کرتی تھی جب وہ کھڑی ہوئی تو ایک
 بڑھے بڑھمن نے کہا۔ سندر رانی (حسین رانی) ایک آپ کے نہ ہونے سے پر سندر سونا ہو گیا تھا۔
 چلے درشن دکھتا دیکھے لادی کے ساتھ جو کینزیں آتی تھیں ان میں سے دو کے پاس پھولوں کے
 چنگیز دان تھے جن میں پھولوں کی مالائیں رہاں تھیں اور باقی کینزیں متفرق اشیاء لئے ہوئے تھیں۔
 لادی مندر کے اندر گئی اس میں ایک سونے کا بت رکھا تھا۔ رانی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بھجکا
 کرا نکھیں بند کر کے بیٹھ گئیں دیر تک بیٹھی رہیں کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ کینزوں کی طرف دیکھا
 فوراً کینزوں نے پھونکے چنگیز دان پیش کئے اس سے ہارے کر مورتی کے گلے میں ڈالے اور تین مرتبہ
 کے پیروں کو ہاتھ لگا لگا کر اپنی پیشانی سے لگایا پھر سیدھے قدموں واپس ہوئی اور مندر سے باہر نکل کر
 پنڈتوں کو خیرات دی اب وہ وہاں سے چلی اور اپنے کمرہ میں آگئی ان کا ارادہ کپڑے بدلنے کا تھا کہ دو
 تین داسیاں گھبرائی ہوئی آئیں اور انہوں نے آتے ہی کہا مہراج پدھلنے (تشریف لانے) واسے ہیں لادی
 سفیر پوشاک میں تھی۔ اس کے سر کے بال کمر تک لمبے اور کندھوں پر پکھرے ہوئے تھے ان نے جلدی سے ساٹھی دست
 کی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فوراً ہی راجہ داہر آگیا۔ لادی دوڑ کر اس کے قدموں جو منے کے لئے جھکی۔
 راجہ نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا اور کہا پر یہ (پیاری) تم آگئیں۔ لادی نے کہا واٹھ بھاگ
 (قسمت! میں آپ کے درشن زیارت) کرنا لکھے تھے آگئی ورنہ

راجہ حیران ہو کر اسے دیکھتے ہوئے کہا ورنہ کیا؟

لادی۔ ظالم چندرنے دھوکہ دینے میں کسرنہ اٹھار کھی تھی۔

داہرنے کہا۔ دھوکہ۔ چندرنے دھوکہ دیا؟

لادی۔ جی ہاں!

داہر۔ کیا دھوکہ دیا اس نے؟

لادی۔ وہ پاپی مجھے اس لئے لے گیا تھا تاکہ

.. .. لادی نے شرمناک آنکھیں جھکا لیں راجہ کو غصہ آ رہا تھا اس نے کہا شرمناک پر یہ
 (بیاری) مجھے سب کچھ صاف صاف سناؤ لادی نے اپنی ہوشربا آنکھیں اس کی طرف اٹھا کر دیکھتے
 ہوئے کہا۔ وہ پاپی میری آبرو لینا چاہتا تھا۔ راجہ غصہ اور حیرت سے چونک پڑا اس نے دانت
 پیتے ہوئے کہا بدکار کہاں گیا پاپی۔

لادی۔ اسے محمد قاسم نے گرفتار کر لیا۔

داہر کی حیرت کی کچھ اتہانہ رہی محمد قاسم نے کیسے اسے اسیر کیا؟ اب رانی لادی نے تمام
 واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کئے اس نے محمد قاسم کی شرافت کی داستان بڑے
 مؤثر طریقہ پر بیان کی داہر سنتا رہا اس نے کہا کیا تم نے محمد قاسم کو دیکھا ہے؟

لادی۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

داہر۔ کیا وہ نوجوان ہے؟

لادی۔ جی نہیں نو عمر لڑکا ہے سترہ سال سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہے۔

داہر۔ تعجب ہے اتنی مختصر عمر کا لڑکا سپہ سالار بن کر آیا ہے۔

لادی۔ ہر ایک کو حیرت ہے۔

داہر۔ حیرت کی بات ہی ہے جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس لڑکے محمد قاسم سے صلح کر
 کے اسے اس کی بہادری کی داد دوں مگر راجپوتی آن روکتی ہے۔

لادی۔ سو امی میری بات اگر مانو تو صلح ہی کر لو۔

داہر۔ نہیں میں صلح کر کے راجپوتوں کی قوم کو دھبہ نہ لگاؤں گا میں اس سے لڑوں گا
 اور اسے اسیر کر کے چھوڑوں گا کہ اس نے میری رانی کو ایک پاپی کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

لادی۔ لیکن ہاتھ اچھا تو یہی تھا کہ آپ صلح کر لیتے

داہر۔ نہیں میں صلح نہیں کر سکتا میں نے تمام راجاؤں کو لکھ دیا ہے کہ وہ محمد قاسم کو
 گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کریں۔

لادی۔ مگر محمد قاسم آسانی سے گرفتار ہونے والا نہیں۔

داہر۔ تم دیکھو گی کہ کس آسانی سے وہ گرفتار کیا جاتا ہے اچھا تم کپڑے بدل لو۔

داہر چلا گیا رانی نے کنیزوں کو کپڑے لانے کے لئے کہا اور جب کپڑے آگئے تو وہ

بیٹے لگی۔

راجہ بھرا

اسلامی لشکر کے سوستان کی طرف بڑھنے کا غلغلہ تمام سندھ میں پھیل گیا۔ ہندوؤں پر عام ہراس طاری ہو گیا اور وہ آباویاں چھوڑ چھوڑ کر کچھ برہمن آباد کی طرف بھاگ گئے کچھ اور چلے گئے اور کچھ راجپوتانہ کے ریگستان میں جا گئے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سوستان کا دارالخلافہ بہرج تھا اور وہاں کا راجہ بھرا تھا۔ وہ داہر کا بھتیجہ تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمد قاسم اور اس کا لشکر سیلاب کی طرح سے اس کے ملک کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں تو وہ بڑا متفکر اور پریشان ہو گیا اس نے فوراً اپنے وزیر اور سپہ سالار کو بلا کر مشورہ کیا اس نے کہا منتری جی (وزیر اعظم) تم نے سن لیا کہ ملیکش محمد قاسم چند لوگوں کا لشکر لئے بڑھا چلا آ رہا ہے۔

وزیر اعظم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا ہاں میں نے سنا ہے اور یہ بھی سن لیا کہ نیروں کے راجہ سامنی نے اس سے صلح کر لی ہے۔

بھرا۔ اس نے ملک و قوم کے ساتھ غداری کی ہے معلوم ہوا ہے کہ راکشش مسلمانوں کے لئے اس نے ہر منزل میں رسد کا انتظام بھی کر دیا ہے۔

وزیر اعظم۔ اور یہ بالکل صحیح ہے؟

بھرا۔ آخر کس چیز نے اسے مسلمانوں کی امداد پر آمادہ کیا۔

وزیر اعظم۔ اسے تو ایشوری جانتا ہے۔

بھرا۔ شاید وہ مسلمانوں سے ڈر گیا۔

وزیر اعظم۔ یہی کہا جاسکتا ہے۔

بھرا۔ اس نے بڑی بزدلی کی۔ اب مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے ہوں گے۔

وزیر اعظم۔ اس نے ہی کیا بزدلی کی سوستان والے بھی بزدلی کر رہے ہیں۔
 بھرانے حیرت بھری نظروں سے وزیر اعظم کو دیکھتے ہوئے کہا وہ کیا بزدلی کر رہے ہیں۔
 وزیر اعظم۔ مسلمانوں کے آتے سے پہلے ہی آبادیاں چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔
 بچھرا۔ بلاشبہ یہ ان کی بزدلی نہیں ہے۔
 بھرانے ایسی نظروں سے جن میں غصہ اور حیرت کی ملی جلی جھلک تھی سپہ سالار کو دیکھتے ہوئے
 لگا اگر یہ کاٹرین (بزدلی) نہیں ہے تو کیا ویر تائی (بہادری) ہے۔

سپہ سالار۔ حضور وہ مجبور ہے۔
 بچھرا۔ کیا مجبوری تھی؟
 سپہ سالار۔ ان کی ڈھانسن بند ہانے اور ان کی حفاظت کرنے کے لئے لشکر نہیں بھیجا گیا
 بچھرا۔ لیکن کیا وہ خود مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔
 سپہ سالار۔ ہندوؤں پر مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب چھا گیا ہے کہ ان کے سامنے آنا تو درکنار
 ان کے آنے کی خبر سنتے ہی لڑ جاتے ہیں۔

بچھرا۔ ایسے بزدلوں کو تیروں سے اڑا دینا چاہیے۔
 سپہ سالار۔ لیکن اگر حضور دیہاتی ہندوؤں کی مدد کی جائے تو وہ ہمارے قوت و
 بازو بن کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔
 بچھرا۔ بیکار ہے میں ایسے ایک ہندو کی بھی امداد نہیں کر سکتا جو مسلمانوں سے ڈرتا ہو۔

وزیر اعظم۔ مگر ہمارا ج؟
 بھرانے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تم کیا کہتے ہو۔
 وزیر اعظم۔ اگر ہم ہندوؤں کی مدد کریں گے تو وہ بھاگ کر تمام سوستان کو دیران کر دیں گے۔
 بچھرا۔ کرنے دو میں بہادر ہندوؤں کو چاہتا ہوں ایسے بہادروں کو جو مسلمانوں کا خاتمہ کریں۔
 سپہ سالار۔ ایسا ہندو تو شاید تمام سندھ میں ڈھونڈھے سے ایک بھی نہ ملے گا۔
 بھرانے پھر حیرت اور غصہ کی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا کیا ہندو بزدل ہو گئے ہیں یا
 کہ مسلمان ہی بہادر ہیں؟

سپہ سالار۔ دونوں ہی باتیں ہیں حضور!
 وزیر اعظم۔ ہمارا ج آپ نے مسلمانوں کے کارنامے نہیں سنے۔

بجھرانے قبضہ لگا کر حقارت بھری نظروں سے وزیر اعظم کو دیکھتے ہوئے کہا کارنامہ
اور مسلمانوں کے قبہ قہ

منتزعی جی آپ کیا کہنے لگے دنیا کے اندر ہندوؤں سے زیادہ بہادر کوئی قوم نہیں ہے
کارنامے ہندوؤں کے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے ؟

وزیر اعظم کو بجھرا کی طفلانہ ہنسی بُری معلوم ہوئی۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ بجھرا جوا
تھا پچیس تیس سال کی عمر تھی۔ رنگ رلیوں میں مصروف رہتا تھا اس کے یہاں بھی کئی رائیاں تھیں
اور اس کے ہی کیا قریب قریب ہر راجہ ہمارا جہ کے پانچ پانچ سات سات رائیاں تھیں ان
رائیوں کے علاوہ تمام راجے نو عمر حسین کینز سوتلا اور ڈوڈو سو رکھے تھے۔ ان حسین عورتوں
سے ہر وقت ان کے محل راجہ اندر کا اکھاڑہ بنے رہتے تھے۔ چونکہ رام چندر جی کے باپ راجہ
دستہ کے کئی رائیاں تھیں اس لئے وہ بھی کئی رائیاں رکھتے تھے۔ اکثر ایسے بھی تھے جو حسین عورتوں
کو اغوا کرتے تھے۔ چنانچہ راجہ داہر ہی ایک ایسا راجہ تھا۔ جس نے اپنی سگی ہمیشہ سے اس
لئے شادی کی تھی کہ وہ حسین تھی۔ بجھرا کے لیل و نہار حسین عورتوں میں گزرتے تھے اسے معلوم
تھا کہ بہادری کسے کہتے ہیں اور حکومت کس طرح سے کی جاتی ہے لیکن ایک بات اس میں
ضرور تھی اور وہ یہ کہ جو کچھ وہ جس کسی سے کہہ دے اسے مان لیا جائے اس کی تعریف کی جائے
اور کوئی ذرا بھی اس کی مخالفت کرتا تو وہ اس کا دشمن ہو جاتا۔ اس کے وزیر اعظم اور سپہ سالار ہمیشہ
اس کی ہاں میں ہاں ملاتے اور جاوے جا اس کی تعریف کرتے پہنتے تھے اور اس سے اس
کی خود نمائی اور خود ستائی کی عادت اور بڑھ گئی تھی۔ مگر اس وقت اس لئے تائید نہ کر سکتے تھے کہ
مسلمانوں کا ذکر تھا ان مسلمانوں کا جنھوں نے ریگ زار عرب سے نکل کر یمن، مصر، عراق، شام،
ایران، افغانستان، آرمینیا اور دیگر جیسے مالک کو دم کے دم میں فتح کر لیا تھا۔ جن کی شجاعت
کے کارنامے دنیا بھر میں زبان زد خلق ہو گئے اور جن سے ہر قوم ڈرنے لگی تھی وزیر اعظم نے ذرا
تیز لہجہ میں کہا حقیقت یہی ہے جو حضور فرما رہے ہیں۔ یعنی ہندوؤں سے زیادہ کوئی قوم بہادر
نہ تھی مگر بجھرا

بجھرا۔ مگر کیا؟

وزیر اعظم۔ مسلمانوں نے عملی طور پر بتا دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی قوم بہادر ہے۔
بجھرا۔ پھر وہی کہا تم نے ایسا مت کہو مجھے رنج بھی ہو تب ہے اور غصہ بھی اُٹبے۔

وزیر اعظم۔ ایسا اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی اپنی قوم میں طاقت نہیں دیکھتا۔
بھرانے اکر کر کہا میں مقابلہ کروں گا ان کا سینا پتی جی (سپہ سالار) بتا دو کہ آپ کی سینا لڑنے کے لئے تیار ہے۔

سپہ سالار۔ بظاہر تو تیار ہے۔

بھرا۔ یکن حقیقت میں تیار نہیں۔

سپہ سالار۔ خیال ایسا ہی ہوتا ہے۔

بھرا۔ کیوں؟

سپہ سالار۔ اس لئے کہ بہادر ہندو میدان میں نکل کر مسلمانوں سے لڑنے کے تیار نہیں۔

بھرا۔ تو وہ کیا قلعہ بند ہو کر لڑنا چاہتے ہیں۔

سپہ سالار۔ جی ہاں۔

بھرانے جوش و غضب سے بھر کر کہا۔ میرے لشکر میں اور ایسے بزدل؟ میں ان بزدلوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اور اپنے رسالہ کے ویروں (بہادروں) کو ہمراہ لیجا کر مسلمانوں سے لڑوں گا اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک ایک ایک مسلمان کو چن چن کر نہ مار ڈالوں گا۔ اس وقت کچھ شور و غل کی آواز بلند ہوئی بھرانے حیرت سے دریافت کیا کہ یہ کیا شور ہے سپہ سالار نے اٹھتے ہوئے کہا اگر اجازت ہو تو میں دیکھ آؤں۔

سپہ سالار۔ ہاں دیکھ آؤ مگر جلدی آنا

سپہ سالار چلا اور محل سے باہر آیا اس نے دیکھا کہ دروازہ پر ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہے اور سب کے سب غل مچا رہے ہیں سپہ سالار نے دریافت کیا تم لوگ کیوں آئے ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ ایک بڑھے آدمی نے کہا ہم مہاراج سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

سپہ سالار۔ اچھا ٹھہرو میں مہاراج کو اطلاع دیتا ہوں

وہ چلا اور بھرانے کے سامنے پہنچا بھرانے دریافت کیا کیا بات ہے۔

سپہ سالار۔ پر جا (رعایا) آپ سے کچھ کہنے کے لئے جمع ہو کر آئی ہے۔

بھرانے اٹھتے ہوئے کہا۔ چلو میں سنوں گا وہ کیا کہنا چاہتی ہے وہ چلا اس کے پیچھے

سپہ سالار اور وزیر اعظم دونوں چلے تینوں محل سے باہر نکل کر آئے اور راج محل کے دروازہ

کے جھوٹے پرکھڑے ہو گئے رعایا راجہ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر گئی اور اس طرح جب سلام کر کے اٹھی تو بچہ رانے کہا۔ میرے وفاداروں کو کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس بڑھے نے جس سے سپہ سالار نے گفتگو کی تھی کہا۔ مہاراج ہم اس لئے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا لشکر ہرج کے سامنے آگیا ہے بچہ رانے سن کر بڑا حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ ہرج کے سامنے آگیا ہے؟

بڑھا۔ جی ہاں حضور

بچہ رانے۔ تعجب ہے

بڑھا۔ تعجب نہ کیجئے اندانا یہ مسلمان انسان نہیں ہیں دیوی یا بھوت میں دم کے دم میں کہیں کے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

بچہ رانے۔ اچھا پھر تم کیا چاہتے ہو۔

بڑھا۔ ہم آپ کی پر جا د رعایا، صرف اس لئے آئے ہیں کہ آپ مسلمانوں سے صلح کر لیں بچہ رانے سن کر سخت ناخوش ہوا اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔ صلح کروں۔ کن سے بڑوں مسلمانوں سے کبھی نہیں میں اپنی زندگی میں کبھی ان سے صلح نہ کروں گا۔ بڑھے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ مہاراج ذرا سن لیجئے۔

بچہ رانے۔ سناؤ۔

بڑھا۔ آپ نے سن لیا ہو گا کہ مسلمانوں نے ریل کا قلعہ فتح کر لیا ہے۔ جب وہ وہاں سے نیروں کی طرف بڑھے تو وہاں کے راجہ سامتی نے ان سے صلح کر کے اپنے ملک اور اپنی رعایا کو بچا لیا۔ ہماری قدیمی سپہ سالاروں (کتاہوں) میں لکھا ہے کہ مسلمان سندھ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے مہاراج اپنی رعایا پر آیا (مہربانی) کیجئے اور اسے تباہ ہونے سے بچا لیجئے مسلمانوں کا سردار محمد قاسم ہے اور اسے حجاج نے جو کہ بلا و شرفیہ کا واسطہ ہے یہ حکم دیا ہے کہ جو تم سے صلح کرنا چاہے اس سے صلح کرنے اندانا یہ مسلمان عہد کے پورے ہیں جو اقرار کر لیں گے اسے پورا کریں گے بچہ رانے جوش و غضب سے بل کھا رہا تھا وہ غیظ بھری نظروں سے بڑھے کو دیکھ دیکھ کر دانت پیش رہا تھا جب بڑھا چپ ہوا تو اس نے غضب ناک ہو کر کہا تم مسلمانوں

سے قریب قریب تمام رعایا یہ مشورہ کر کے آئی تھی کہ عاقبت اسی میں ہے کہ راجہ مسلمانوں سے صلح کر لیں۔

(از تارنخ ہند صفحہ نمبر ۱۲۸)

کی تعریف کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے یہ ایک ہندو جو حقیقت میں ہندو ہے کبھی ایک مسلمان کی تعریف نہیں کر سکتا۔ سنو میں ہندو ہوں راجپوت ہوں میں عمد کرتا ہوں کہ کبھی مسلمانوں سے صلح نہ کروں گا ان سے لڑوں گا یا تو ان کو مار کر بھگا دوں گا یا لڑتے ہوئے خود مارا جاؤں گا میں تم سب سے بھی کہوں گا کہ تم سب اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کو بچانے کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ بہادری سے میدان میں نکل آؤ صلح کا خیال چھوڑ دو بولو تم کو یہ منظور ہے ابھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ تمہارا عایا۔ سپہ سالار وزیر اعظم اور سپہ سالار نے مخاطب ہو کر کہا افسوس ہم غافل ہی رہے اور مسلمان آگئے جاؤ جلدی جاؤ فی الحال قلعہ کا دروازہ بند کرادو۔ فصیل پر لشکر بھیج دو جلدی کرو میں بھی تمہارے پیچھے ہی آ رہا ہوں سپہ سالار اور وزیر اعظم دونوں چلے گئے۔ اب بھرانے رعایا سے خطاب کر کے کہا میرے وفاداریہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ دشمن سر پر آ گیا ہے اگر فوراً ہی صلح کی سلسلہ جنیاتی کی گئی تو شاید وہ نہ ملنے اس لئے ابھی انتظار کرو اور اس قلعہ کو بچانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم بہادر ہو۔ بہادروں کی اولاد ہو۔ بہادری کو دھبیہ نہ لگاؤ۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ وہ راجہ بھرا کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔ اب راجہ نے گھوڑا طلب کیا اور جب گھوڑا آ گیا تو اس پر سوار ہو کر چند سواروں کے ہمراہ قلعہ کی فصیل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مبلغ حسینہ

اگرچہ داہرنے طاہرہ سے رخصت ہوتے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اب اسے نہ ستائے گا لیکن اسے اس کے کہنے کا یقین نہ ہوا تھا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ داہر خدا پرست نہیں ہے بلکہ شرک اور خدا پرست ہے اور شرک لوگ کبھی سچ نہیں لگا کرتے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو لوگ عبادت کرتے ہیں وہ اپنے معبود (خدا) سے ڈرتے ہیں اس ڈر کی یہ وجہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ خدا نیکیوں اور بدیوں کا حساب کرے گا اعمال تو لے جائیں گے۔ نیکی کرنے والے جنت میں داخل ہوں گے اور بدی کرنے والے فوزح میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اسی لئے خدا پرست ہمیشہ سچ بولتا ہے ڈرتا ہے کہ مبادا اور داغ گوئی کی پاداش میں دوزح میں نہ ڈال دیا جاؤں لیکن جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ خدا کو کیا جائیں اور جو خدا کو نہ جانتے ہوں وہ جھوٹ اور سچ میں کیا تمیز کر سکتے ہیں اس لئے طاہرہ کو داہر کی اس بات کا یقین نہ آیا تھا بلکہ وہ اس کی طرف سے مشکوک رہی لیکن وہ اس کے محل میں تھی مشکوک رہتے پر کیا کر سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ خدا سے حفظ ناموس کی دعا کرتی رہے۔

چنانچہ وہ ہر نماز کے بعد گڑگڑا کر دعا مانگتی کہتی یا اللہ العالین پیرے ناموس کو بچانا بے آبرو ہونے سے پہلے مجھے اٹھالینا۔ احتیاطاً وہ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اپنے پاس خنجر رکھتی تھی۔ اس نے ایک دن لاوی کو دیکھا اس کا کمرہ لاوی کے کمروں کے قریب ہی تھا اسے افسوس ہوا کہ رانی لاوی آج بھی گئی اور اس سے نہیں ملی۔ چونکہ وہ ہر وقت اپنے کمرہ میں کہتی تھی اس لئے اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ کب رانی آئی۔ حالانکہ رانی ایک دن پہلی ہی آئی تھی۔ جب وہ دوپہر کا کھانا کھا کر بیٹھی تو لاوی آئی۔ اس وقت وہ بہترین اہدار موتیوں کی ملائیں اس قدر پہنے ہوئے تھی کہ تمام سینہ اور سارا گلابھرا ہوا تھا۔ ایک تو وہ تھی ہی حسین دوسرے

ان چمکدار موتیوں نے اس کے حسن کو اور جگمگا دیا تھا۔ لادی مسکراتے ہوئے طاہرہ کی طرف بڑھی۔
 طاہرہ بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں نہایت پتاک سے نعل گیر ہو کر ملیں۔
 لادی نے کہا طاہرہ اچھے کپڑے پہننے سے تم کس قدر خوب صورت معلوم ہوتے لگی ہو۔
 طاہرہ نے تشریلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:۔ اور تم
 لادی۔ میں اس قدر خوبصورت کہاں ہوں۔

طاہرہ۔ خوب راجہ تم پر فریفتہ ہے رعایا تم کو پیار کرتی ہے جو تم کو دیکھ لیتا ہے تمہارا ہی
 گرویدہ ہو جاتا ہے اور پھر تم اپنے آپ کو خوبصورت نہیں سمجھتیں۔
 لادی نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ کاش میں ایسے ہی ہوتی۔ طاہرہ نے حیرت سے اسے
 دیکھ کر کہا۔ تم نے ٹھنڈا سانس کیوں لیا رانی!!
 لادی۔ کچھ نہیں طاہرہ میرے پیچھے کوئی نیا واقعہ تو نہیں ہوا۔
 طاہرہ۔ اور تو مجھے کچھ خبر نہیں کیونکہ میں اپنے کمرہ سے باہر نکلتی ہی نہیں اور نہ کوئی میرے
 پاس آتا ہے مگر ایک دن۔

لادی طاہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ طاہرہ کے چپ ہونے سے اس نے دریافت
 کیا۔ ہاں ایک دن کیا ہوا۔ طاہرہ نے شرماتے ہوئے کہا۔ راجہ میرے کمرہ میں آگئے تھے۔
 لادی۔ ضرور آئے ہوں گے پھر کیا ہوا۔
 طاہرہ۔ وہ زیادتی کرنے آئے لیکن ایک جوگن آگئی۔
 لادی۔ جوگن یا ماتا جوگنی۔

طاہرہ۔ ہاں وہی جوگن اس نے آکر مجھے بتایا۔
 لادی نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ایشور جانے میرے سوامی کو کیا ہو گیا ہے۔ شاید
 تاؤں نے انہیں چھوڑ دیا ہے وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جو کسی کے ساتھ جیسا سلوک کرتا ہے
 اس کے ساتھ ویسا ہی پیش آتا ہے۔

طاہرہ۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے کیئے آپ دعا مانگ آئیں۔
 لادی۔ نہیں
 طاہرہ۔ کیوں

لادی۔ اس لئے کہ دعا کا بہانہ بنا کر مجھے یہاں سے لے جایا گیا تھا۔

طاہرہ - یہ کس لئے۔

اب لادی نے چند رکے ہمراہ جانے اور اس کے زیادتی کرنے محمد قاسم کے آکر بچانے
تمام واقعہ سنایا۔ طاہرہ نے کہا چند رکے کبھی یہ جرات نہ ہوتی اگر وہ راجہ کو سیاہ کار نہ دیکھتا۔

لاڈی - یہی بات ہے۔

طاہرہ - محمد قاسم نے آپ سے کچھ کہا ہے۔

لاڈی - ہاں کہا ہے۔

طاہرہ - کیا !

لاڈی - انہوں نے کہا ہے کہ طاہرہ سے میرا اور تمام مسلمانوں کا سلام کہہ کر کہہ دینا کہ ہم
مسلمانوں کے اور اسے پھڑانے کے لئے آئے ہیں اور جب تک چھڑانہ لیں گے واپس نہ
جائیں گے۔

طاہرہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اطمینان ہے کہ وہ
مجھے رہائی دلا کر ہی آرام سے بیٹھیں گے لاڈی نے مسکرا کر کہا مگر تم نے تو یہ سنا ہی نہیں کہ محمد قاسم
کی عمر ہے ؟

طاہرہ - کتنی عمر ہے ؟

لاڈی - ابھی بالکل بڑکا ہے دارھی اور موٹھیں کچھ بھی نہیں نکلیں زیادہ سے زیادہ ستر
سال کی عمر ہے۔

طاہرہ - کافی عمر ہے مگر آپ نے یہ بات کیوں کہی۔

لاڈی - اس لئے کہ وہ ابھی پچھ بنے میدان کارزار میں نکل کر لڑنے کی اس کی عمر نہیں ہے

طاہرہ نے لادی کے روشن چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کس قابل ہے ؟

لاڈی - ابھی تو وہ اس قابل ہے کہ وہ محلوں میں کھیلے کوڑے !

طاہرہ - مسلمان کا بچہ اور کھیلے کوڑے سے ان کا کھیل کوڑ جگ و جدل ہے۔ مسلمان کے

ہر بچہ میں جوش جہاد کا جذبہ ہوتا ہے مسلم بچے تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوتے اور پروان

چڑھتے ہیں جس دن مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا جذبہ جلتا رہے گا اسی دن ان میں بڑول پیدا

ہو جاتے گی اور اب تو ان سے دنیا ڈرتی ہے پھر وہ دنیا سے ڈرنے لگیں گے۔

شاید تم میں بھی جوش جہاد کا جذبہ ہے۔

طاہرہ۔ کیوں نہیں مسلم قوم کے لڑکے لڑکیاں مرد اور عورتیں سب کے سب اس کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔

لاڈی۔ گویا اگر موقع آئے تو تم بھی لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ گی۔

طاہرہ۔ ضرور اسلام کی تعلیم ہی یہ ہے کہ افضل العبادت جہاد ہے جو جنگ میں شہید ہو جاتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وَتَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ خَيْرٌ اللَّهُ كُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ لِيُغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ رَبُّكَ خَلَّ كُمْ حَتَّى تَخْرُجُوا مِنْ تَحْتِ الْأَنْفِ

مَسَاكِينٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّةٍ عِدْنِ ذَاكُمُ فَؤُزِ الْعَظِيمِ

ترجمہ۔ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اگر تم سمجھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اور وہ جگہ رہنے کی پاک ہے عدن کی بہشتوں میں یہ بڑا مرتبہ پایا ہے۔

جس وقت طاہرہ نے آئیں پڑھیں لاڈی حیرت سے اس کا منہ تلکے لگی۔ طاہرہ نے کہا۔

سوچو کونسا مسلمان ہے جو ان صاف اور صریح آیات کے ہوتے ہوئے جہاد سے جی چرائے اور لڑائی کی موت کو زندگی پر ترجیح نہ دے۔ دیتا اور تمام دنیا کی دلفریبیاں چند روزہ ہیں آخرت باقی رہنے والی ہے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا بچہ بچہ جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے لاڈی نے کہا طاہرہ کیسا شیریں کلام پڑھا ہے تو نے یہ کیا چیز تھی۔

طاہرہ۔ یہ قرآن شریف کی آیات ہیں۔

لاڈی۔ قرآن شریف کیا ہے۔

طاہرہ۔ خدا کا وہ کلام جو رسول خدا حضرت محمد معلّم پر نازل ہوا۔

لاڈی۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام خدا ہی کا کلام ہے۔

طاہرہ۔ خدا نے خود کلام اللہ میں ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ الْخَافِقُونَ

(ترجمہ) یعنی ہم نے نازل کیا ہے ذکر کو (قرآن شریف) اور ہم ہی (خدا) ان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

لاڈی کچھ سوچنے لگی۔ طاہرہ نے کہا کیا سوچنے لگیں لاڈی؛ لاڈی نے سرائٹھا کر کہا۔ جو تم

پڑھ رہی تھیں اس کا میرے دل پر اثر ہونے لگا ہے۔

طاہرہ۔ یہ خدا کا کلام ہے ناممکن ہے انسان توجہ سے اسے سنے اور پھر اس کے دل پر اثر نہ ہوا۔

لاڈی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ محمد قاسم اس محفوزی عمر میں فتیاب ہو جائے گا۔

طاہرہ۔ اسے صرف خدا ہی جانتا ہے لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ یا تو وہ فتیاب ہو گیا یا شہید ہو جائے گا۔

رانی لاڈی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ طاہرہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ نے ٹھنڈا سانس کیوں بھرا۔

لاڈی۔ اس لئے کہ محمد قاسم نو عمر خوبصورت لڑکا ہے اگر مارا گیا تو کیا کیا ارمان اور حسرتیں اس کے دل میں رہ جائیں گی۔

طاہرہ۔ مسلمان کی شہید ہونے سے بڑھ کر کوئی حسرت نہیں ہے۔

لاڈی۔ تعجب ہے کہ مسلمان بڑائی کے کس قدر شائق ہوتے ہیں۔

طاہرہ۔ جس دن ہم میں سے یہ جذبہ جانا رہے گا ہم بزدل ہو جائے گے۔

لاڈی۔ کاش ہندوؤں میں بھی ایسا جذبہ ہوتا۔

طاہرہ۔ اگر ہندو خدا کو مانتے تو ان میں بھی یہ جذبہ ہوتا۔

لاڈی۔ طاہرہ جب تو مذہبی گفتگو کرتی ہے تو تیرا چہرہ سرخ ہو کر بڑا ہی پیارا معلوم ہونے

لگتا ہے۔

طاہرہ نے تشریحی نظروں سے دیکھ کر کہا اور آپ؟

لاڈی۔ میرا؟ اچھا پھر بتاؤں گی۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے آئیے چل کر پیلے کھانا کھالیں۔

طاہرہ۔ مگر میں ابھی آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

لاڈی۔ پھر کرتا!

یہ کہتے ہی وہ اٹھی طاہرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں ہی اس کمرے سے نکل کر دوسرے

کمرے کی طرف چلی گئیں۔

پہلی شکست

جب راجہ بکھرا فیصل کے اوپر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے تمام سپاہی فیصل پر بکھر گئے ہیں اور سوراخوں میں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں مسلمانوں کی طرف وہ بھی ایک برج میں جا کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ بہت تھوڑا سا اسلامی لشکر سامنے سے آ رہا تھا۔ بکھرا اتنا تھوڑا لشکر دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور اس نے کہا وہ مٹھی بھر مسلمان ہیں ان کو ختم کر دینا کون سی بڑی بات ہے انہیں آرام نہ کرنے دو۔ فوراً لشکر کو قلعہ سے باہر لے چلا اتفاق سے سپہ سالار بھی وہاں آ گیا تھا۔ بکھرا نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے میرا حکم سنا۔ سپہ سالار نے ہاتھ جوڑ کر کہا ہاں سنا بہاراج۔

بکھرا۔ بس تو جاؤ اور فوراً میرے حکم کی تعمیل کرو میں بھی آ رہا ہوں۔
سپہ سالار۔ لیکن اندانا یہ مسلمان بڑے غضب کے آدمی ہیں۔

بکھرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس سے کیا مطلب ہے تمہارا!

سپہ سالار۔ حضور کہیں ان کا کچھ اور لشکر ادھر ادھر نہ چھپا ہو۔

بکھرا نے جوش میں آ کر کہا چھپا رہنے دو۔ میں نے جو حکم دے دیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔ سپہ سالار نے سر تسلیم خم کیا اور چلا اور اس نے دیکھ لیا تھا کہ اسلامی لشکر ایک ہزار سے بھی کم ہے مگر اس خیال سے کہ مبادا اسلامی لشکر ادھر ادھر نہ چھپا ہو اس لئے اس نے دس ہزار لشکر ہمراہ لیا۔ دو قلعہ سے باہر نکلا جس وقت یہ لشکر قلعہ کی فیصل کے نیچے صف بستہ ہو رہا تھا۔ اس وقت مسلمان خیمے نصب کر رہے تھے۔ انہوں نے جلد جلد خیمے نصب کئے اور مسلح ہو ہو کر خیموں کے آگے ہندوؤں کے لشکر کے سامنے ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے اس وقت راجہ بکھرا بھی مسلح ہو کر آ گیا تھا۔ اس نے آتے ہی لشکر بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہندی سپاہیوں کے دستے جوش شجاعت سے بھرتے چلے لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اللہ اکبر کے پر جوش نعرہ کی آواز آئی۔

تمام ہندی سپاہی سپہ سالار اور خود بھرا بھرا بھرا کر دیکھنے لگے انہیں سامنے سے ایک اور اسلامی
آنا نظر آیا۔ یہ عبدالرحمن کا لشکر تھا وہ سب سے آگے علم اٹھائے گھوڑے پر سوار نہایت شان
سے آرہے تھے اس لشکر کو دیکھتے ہی سپہ سالاروں کا دل ڈوب گیا اس نے بھرا کی طرف دیکھ
ہوئے کہا۔

حضور میں نے نہ کہا تھا کہ اسلامی لشکر ضرور کہیں چھپا ہوا ہوگا دیکھیے آخر وہی ہوا۔ بھرا آنے
والے لشکر کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ عبدالرحمن کے ہمراہ کچھ زیادہ لشکر نہ تھا زیادہ سے
زیادہ ایک ہزار سوار تھے اس نے خوش ہو کر کہا پرواہ نہ کرو ان کا سارا لشکر بھی پورا دو ہزار نہیں
یہ سفر کئے چلا آرہا ہے تمہکا ہوا ہے بڑھو اور حملہ کر کے سب کو مار ڈالو۔ ہندی لشکر برابر
رہا اسلم کا دستہ اپنی جگہ پر کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ ایک تیر کے فاصلے پر آگیا تو بھرا نے بھی تیر اندازی کا حکم
دے دیا۔ فوراً ہندوؤں نے کانیں شاول پر سے اتار کر ترشبول میں سے حجر نکال نکال کر چلے
چڑھائے اور تیر انگنی شروع کی۔ اسلم نے بھی اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا تیر چلے میں کھینچ کر چھوڑا
فوراً ہی تمام مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے ایک ساتھ اس طرح تیر چھوڑے جیسے کہ وہ ایک
ہی کمان سے نکلے ہوں۔ مسلمانوں کے ان تیروں نے اکثر ہندوؤں کو مجروح کر دیا ان میں سے مجروح
سپاہی چھپے ہٹا دیئے گئے اور نئے سپاہی آگے بڑھانے گئے۔ چونکہ ہندو ایک ساتھ تیر نہ
چلا رہے تھے اس لئے ان کے تیروں سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچ رہا تھا مگر مسلمانوں
کے تیر اس طرح سے چل رہے تھے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہو اس لئے ان سے
ہندوؤں کا زیادہ نقصان ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی اسلم نے مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ
تیروں کو روکتے اپنے تیر چلاتے قدم قدم بڑھنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہندوؤں کی صفوں
کے قریب پہنچ گئے۔ اب تیر اندازی موقوف کر دی گئی اور امر یقین نے تلواریں نکال لیں صاف اور
شفاف تلواریں دھوپ میں جگمگاتی ہوئی بلند ہوئی اور ایک طرف سے مسلمان اور دوسری طرف
سے ہندوؤں کا لشکر ایک سیلاب عظیم کی مانند بڑھا۔ جو نہی دونوں لشکر بڑھے فوراً ہی تلواریں انسا
کے سروں پر چھکیں اٹھیں اور پھر چھکیں جھک کر پھراٹھیں اور سیاہ ڈھالوں سے ٹکرائیں اب
جنگ شروع ہو گئی ہندو دیر اور مسلمان بہادر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تلواریں اپنا
کام کر گئیں۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑکٹ کٹ کر گرنے لگے خون کے فوارے ابلنے لگے۔ چیخ
پکار شروع ہو گئی مار دھاڑ نہایت زور سے ہونے لگی۔ ہندو جیکارے لگانے لگے زخمی چلتے

میں آکر بڑھے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ باوجود ہندوؤں کی پوری مدافعت کے ہندوؤں کو ہی پیچھے ہٹنا پڑا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ ایسا سخت تھا کہ سینکڑوں ہندو لقمہ اجل بن گئے اور سینکڑوں زخمی ہو کر پلاتے ہوئے پیچھے ہٹے ان پیچھے ہیبت سے مسلمانوں نے ایک حملہ اور اسی شدت سے کیا جس شدت سے پہلے کیا تھا اس حملہ میں بھی انہوں نے دشمنوں کی کمی نہیں اسکا دیں بہت سے سرفروشیوں کو مار ڈالا اور اب وہ اسلم کے برابر پہنچ گئے۔ ہندوؤں کو پھر غصہ آیا انہوں نے پھر جوش میں آکر حملہ کیا۔ مگر اس مرتبہ مسلمان ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنے بلکہ نہایت جوش سے لڑتے رہے اسلم نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پر زور حملہ کیا۔ اس کا سجدہ گھوڑا رانوں کے اشارہ سے چلتا تھا اور اس نے جلد جلد حملہ کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ جس طرف حملہ کیا اس طرف کی صف الٹ دی۔ جن لوگوں کے تلوار ماری ان کے سر اڑا دیئے۔ اسلم نوجوان تھا۔ اسے غصہ آگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا اس کی تلوار موت کا پیغام بربنگی تھی۔ جس کے اوپر بلند ہوتی تھی اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ اس نے اپنے گرد مردوں کے انبار لگا دیئے تھے۔ ہندوؤں نے پھر جوش میں آکر حملہ کیا۔ لیکن ابھی ان کی تلواریں فضا میں بلند ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز آئی اور گھبرا کر دیکھنے لگے۔ اس وقت عبدالرحمن کاشکریب آگیا تھا اور اس کے سرفروش مجاہدین تلواریں سوتے سیلاب کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے ابھی ہندو انہیں کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ انہوں نے آتے ہی حملہ بھی کر دیا۔ اور اس زور سے حملہ کیا کہ ہندوؤں کی پہلی صف پھلی صف سے جا ملی اور پھلی صف بہت کچھ پیچھے ہٹ گئی۔ راجہ بھلوانے کیفیت دیکھی تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے جوش میں آکر کہا۔ بزدلو یہ کیا کرتے ہو۔ ان مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ سے جی پراتے ہو۔ لعنت ہے تم پر بڑھو اور ان سب کا خاتمہ کر دو۔ ہندو اس کی آواز سن کر سنبھلے اور انہوں نے نہایت جوش سے بڑھ کر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ڈھالیں بٹھا کر ان کا حملہ روکا اور پھر خود بھی حملہ کر دیا۔ اس جوش سے حملہ کیا کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں ہندو قتل ہو گئے۔ سینکڑوں سرگیندوں کی طرح اچھل اچھل کر دور جا کرے کشتوں کے پتے لگ گئے اور خون کا دریا بہ گیا۔ ہندو گھبرا گئے اور پیچھے ہٹنے لگے لیکن ان کے پیچھے بھرا کھڑا تھا اس لئے پھر رے کے مگر ان کے روکتے ہی پھر مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا پھر ان کی خاصی تعداد قتل ہو گئی۔ اب ہندو بدتماس ہو گئے ان کی صفیں چیر کر راجہ بھلوانے پر حملہ آور ہوا۔ بونہی راجہ کی نظر اسلم کی خون آشام تلوار پر پڑی وہ گھبرا گیا اور

فصیل کے اوپر کھڑے ہوئے ہندو شور مچا کر اپنی قوم کے سپاہیوں کے دل بڑھانے لگے ان مختلف آوازوں سے تمام میدان گونج اٹھا۔ چونکہ جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی اس لئے ہر طرف خون آلودہ تلواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آ رہی تھیں۔

سرفروش نہایت جوش سے لڑ رہے تھے جاننازکٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لاشوں کے ڈھیر لگتے چلے جاتے تھے خون پانی کی طرح سے بہ رہا تھا۔ چونکہ ہندو دس ہزار تھے اس دور تک پھیلے ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ سٹی بھر مسلمانوں کو جلد سے جلد ختم کر دیا جائے۔ اس لئے وہ بڑھ کر تھپٹ تھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان بہت تھوڑے تھے گویا صرف پانچ سو لیکن اس دلیری اور بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ وہ نہایت صبر و استقلال سے سرتھکائے ہوئے جنگ میں مصروف تھے۔ وہ آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے کہ کس قدر لشکر سے مصروف پیکار ہیں البتہ نہایت جوش اور بڑی پھرتی سے دوڑ دوڑ کر حملے کر رہے تھے اور ہر شخص ہر حملے میں ایک ایک دشمن کو زخمی یا قتل کر ڈالتا تھا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا وہ ان کے مقابلہ میں بیسواں حصہ تھے لیکن پھر بھی ڈٹے ہوئے تھے اور نہ صرف مقابلہ کر رہے تھے بلکہ نہایت بے دردی سے قتل کر رہے تھے اور لطف یہ کہ خود زخمی بھی نہ ہو رہے تھے۔

چنانچہ انہوں نے جو شہیں اکر نہایت شدت سے حملہ کیا اگرچہ مسلمان سد سکندری کی طرح ڈٹ گئے تھے مگر دشمنوں کے سیلاب کو نہ روک سکے اور باوجود انتہائی طاقت صرف کرنے کے چند قدم پیچھے ہٹ گئے اسلم اسی جگہ کھڑا رہا تھا جس جگہ وہ پہلے سے جا کھڑا تھا۔ اسکے ایک ہاتھ میں علم تھا اور ایک ہاتھ میں تلوار وہ گھوڑے کو پیروں کے اشارہ سے ادھر ادھر چلاتا تھا اور جس طرف جاتا تھا گلہ کر کے ایک نہ ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمان اس سے پیچھے ہٹ گئے ہیں اور ہندوؤں نے اسے نرعر میں لے لیا ہے تو اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! پیچھے ہٹ کر بدنامی کا ٹیکہ ماتھے پر نہ لگاؤ۔ خدا کا غضب مول نہ لو کیا تم موت سے ڈرتے ہو کیا عاقبت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہو کیا دوزخ کو تم نے جنت سے اچھا سمجھا۔ ایک مسلمان کہی ایسا نہیں سمجھ سکتا اور بڑھو حملہ کرو اور تباہو کہ تم ان شیران اسلام کا اولاد ہو جو تمہارا ایک ایک ہزار سے لڑا ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے نہایت زور سے حملہ کیا۔ ساتھ ہی مسلمان ہر طرف سے جوش و غیرت

اس نے جلدی سے گھوڑے کی باگ پھیر کر اسے سر پر چھوڑ دیا۔ اسلم بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس کی خوش قسمتی سے بہت سے ہندو درمیان میں آگئے اور اسلم انہیں قتل کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اسلم چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ان کا خاتمہ کر کے بھرا کا تعاقب کرے مگر وہ اتنی تعداد میں تھے کہ آسانی یا جلد تر قتل نہ ہو سکے اور جب وہ انہیں قتل و پسا کر کے فارغ ہوا تو بھرا اس وقت دوڑ نکل چکا تھا اور اب اس کا تعاقب لا حاصل تھا۔ اسلم کو ہندوؤں پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے درمیان میں آ کر اپنے راجہ کو بچ جانے کا موقعہ دیا۔ وہ غصہ اتارنے کے لئے ان پر پل پڑا اور نہایت شد و مد سے جلد جلد حملے کر کے انہیں قتل کرنے لگا۔ ادھر تمام مسلمان ہر طرف سے دشمنوں کو گھیر گھیر کر قتل کرنے لگے۔ ہندو کچھ ایسے بدحواس ہو گئے تھے کہ وہ حملہ کرنا بھول گئے تھے صرف مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے آفر مسلمانوں نے ایک پر زور حملہ کر کے ان کی سفیں الٹ دیں اور کھیرے کھکھڑی کی طرح انہیں کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔ اب باقی ماندہ ہندو بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل کرنے بڑھے اور دوڑ تک ان کی لاشیں بچھاتے چلے گئے۔ مگر جب وہ فیصل کے قریب پہنچے تو اوپر سے ان پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر اسلم رک گیا اور اس نے مسلمانوں کو واپس لوٹنے کا حکم دے دیا۔ اب مسلمانوں کا آگے بڑھنا بھی لا حاصل تھا کیونکہ ہندو قلعہ میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا اس طرح سے مسلمانوں نے مغرور متکبر راجہ بھرا کو قلعہ بہرج کے سامنے پہلی شکست دی اور کس حالت میں جبکہ وہ صرف ڈیڑھ ہزار تھے اور بھرا کے ساتھ دس ہزار لشکر تھا۔ مسلمان مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹے اور اپنے کیمپ میں آ کر اہل اتار نے اور مجروحین کی مرہم پٹی کرنے لگے اس جنگ میں مسلمان ایک سو چار شہید ہوئے اور ہندو قریباً ساڑھے چار ہزار مارے گئے۔



خطرناک کوشش

بھڑاراجہ داہر کا بھتیجہ تھا جو خود بوداہر کی تھی وہی اس کی رہایا نے اس کے سپہ سالار نے اس کے وزیر اعظم نے اسے سمجھایا۔ مسلمانوں سے صلح کر لینے کی ترغیب دی مگر جوں جوں اسے سمجھایا گیا۔ اس کا غصہ بڑھتا گیا اور اس غصہ ہی میں وہ دس ہزار لشکر لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے میدان میں نکل آیا۔ اس کا حوصلہ اس وجہ سے بڑھ گیا کہ مسلمان تھوڑے تھے سمجھا تھا کہ جاتے ہی ان کا خاتمہ کر ڈالے گا مگر جب جنگ شروع ہوئی تب اسے معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں سے لڑنا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے اور وہ جب شکست کھا کر اور جاڑھے چار ہزار ہندوؤں کو کٹوا کر واپس قلعہ میں آیا تھا تو اس کا غصہ اور بھی بڑھ گیا تھا اس نے آتے ہی تمام فصیل پر لشکر پھیلا دیا تیروں کے گٹھوں اور تپھروں کے ٹکڑوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگوادینے۔ ہر برج میں رات کو روشنی کا کافی انتظام کر دیا اور سپاہیوں کو رات بھر بیدار رہنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ زیادہ تر سپاہی جگتے رہنے کا ثبوت دیتے تھے مسلمان نہایت اطمینان سے اپنے کیمپ میں فروکش ہو گئے تھے۔ چونکہ ان کا لشکر تھوڑا تھوڑا کر رہا تھا۔ اس لئے عشاء کے بعد تک آنا رہا۔ سب کے بعد محمد قاسم اپنا دستہ لے کر آیا اسے آتے ہی جنگ کا تمام حال سنا دیا گیا۔ وہ نہایت خوش ہوا اور اس نے اسلم کی بڑی تعریف کی۔ اسلم کے ہمراہیوں کو بھی خوب سراہا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی مجاہدین نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر محمد قاسم۔ اسلم۔ عبدالرحمن۔ سفیان البروک۔ حریم۔ عجل حنظلہ۔ رتنا اور عید القیس کو ہمراہ لے کر قلعہ کا معائنہ کرنے چلے۔

یہ تمام لوگ جن کو ہمراہ لیا بڑے بہادر۔ مدبر اور ذی عقل تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ تمام چلے اور ہندوؤں نے انہیں فصیل کے اوپر سے دیکھا وہ سمجھے کہ غالباً وہ قاصد ہیں اور کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ محمد قاسم اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر قلعہ کے چاروں طرف پھرا۔ چونکہ قلعہ کی فصیل

نہایت بلند اور مضبوط تھی اس لئے کسی طرف بھی کوئی ایسا موقعہ نظر نہ آیا جس سے فصیل پر چڑھنا ممکن ہو۔ دوپہر تک یہ لوگ گھومتے رہے۔ دوپہر کے بعد لوٹ آئے۔

دوسرے دن محمد قاسم نے لشکر کو مسلح ہو کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام لشکر ہر سردار کے پاس اس کے علم کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ ہر سردار نعرہ لگا کر اپنے اپنے دستہ کو لے کر بڑھا لیکن جو نہیں وہ فصیل کے نزدیک پہنچا۔ ہندوؤں نے فصیل کے اوپر سے تیروں اور سنگریزوں کی بارش اس کثرت سے کی کہ انہیں ایک قدم بھی بڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ تمام دن دور ہی کھڑے ہوئے رٹتے رہے۔ آخر شام کے وقت جنگ بند کر کے واپس لوٹ آئے اس سے اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اگر اس طرح جنگ کی گئی تو مدتوں تک محاصرہ جاری رہے گا اور نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ محمد قاسم نے عشاء کی ناز پر ٹھکر صرف اسلم اور نبانہ کو اپنے خیمہ میں بلایا۔ جب وہ دونوں آگئے تب اس نے کہا: میرے دوستو تم نے دیکھا کہ ہمیں کئی دن حملہ کر کے ناکام واپس لوٹتے ہو گئے ہیں قلعہ نہایت مضبوط اور اونچا ہے دوسرے ہندو اس کثرت سے تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے رہے کہ فصیل کے قریب پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے اور یہ امر واقع ہے کہ جو جوش و جذبہ نوجوان میں ہوتا ہے وہ عمر رسیدہ لوگوں میں نہیں۔ نوجوان ہی کسی حکومت کا تختہ الٹ دیا کرتے ہیں اس وقت میں اور تم دونوں نوجوان ہیں سو سوچو کہ کس طرح سے اس قلعہ پر رسائی ہو سکتی ہے؟

اسلم نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں کوشش کروں

محمد قاسم: کیا کوشش کرو گے تم؟

اسلم: میں چاہتا ہوں کہ پچھلی شب کو جب چاند چھپ جائے اور ہر طرف اندھیرا

پھیل جائے اپنے لشکر کے کچھ آدمی لے کر فصیل کے قریب پہنچنے کی سعی کروں۔

محمد قاسم: اچھا اگر تم فصیل کے قریب پہنچ بھی گئے تو کیا کرو گے؟

اسلم: بلاشبہ اگر صبح ہونے سے پہلے تمہارے کچھ آدمی فصیل کے اوپر پہنچ جائیں تو

ممكن ہے کہ قلعہ فتح ہو جائے۔

اسلم: اچھا تو اجازت دیکھئے

محمد قاسم: کیوں نہ میں تمہارے ہمراہ چلوں۔

اسلم: یہ مناسب نہیں ہے۔

محمد قاسم: کیوں؟

اسلم۔ اس لئے کہ مجھے اگر کوئی چشم زخم پہنچا تو میں ایک معمولی مجاہد ہوں۔ کچھ نقصان نہ ہوگا۔
لیکن اگر خدا نخواستہ آپ کو کوئی اذیت پہنچی تو آپ سپہ سالار ہیں مسلمانوں کو افسوس ہوگا اور ہندوؤں
کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

بنانے کہا۔ بے شک یہ صحیح ہے بلکہ مجھے اور بھائی اسلم کو اجازت دیجیئے۔ ہم دونوں کوشش
کریں گے۔

محمد قاسم۔ اچھا تم کوشش کرو مگر اپنے ہمراہ زیادہ لشکر نہ لے جانا۔ اس بات کا خیال رکھنا
کہ دشمن تمہاری نقل و حرکت سے خبردار نہ ہوں۔
اسلم۔ ایسا ہی ہوگا۔

محمد قاسم۔ رات کو میں سونے کا بھی نہیں بلکہ بیدار رہوں گا اگر تم فصیل کے اوپر پہنچ جاؤ
تو نعرہ لگانا میں فوراً لشکر لے کر تمہاری امداد کر پہنچوں گا۔

اسلم۔ بہتر ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا جاؤ خدا آپ کی امداد اور حفاظت کرے۔

دونوں اٹھ کر چلے اور اسلم کے خیمہ پر پہنچے دونوں نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی
اور اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک کہ چاند نہ چھپ گیا۔ جب اندھیرا ہو گیا۔ تب دونوں
نے نہایت خلوص دل سے فتح کی دعا مانگی دعا مانگ کر اٹھے اور سپاہیوں کو جگاتے لگے۔ تھوڑی
ہی دیر میں اسلم کے دستہ کے تمام سپاہی بیدار ہو کر مسلح ہو گئے۔ یہ تمام نہایت خموشی سے پیدل
ہی قلعہ کی طرف بڑھنے لگے قلعہ ان سے ذرا فاصلے پر تھا۔ مگر چونکہ فصیل پر اور برجوں میں کافی روشنی
ہو رہی تھی اس لئے دور ہونے پر بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ مگر بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ پر
روشنی ہو رہی ہو کیونکہ فصیل بالکل چٹانوں کی طرح اٹھی ہوئی تھی۔ شیران اسلام نہایت خموشی سے بڑھتے
رہے جب قلعہ تین فرسنگ کے فاصلے پر رہ گیا تب اسلم نے تمام مجاہدوں کو روک کر انہیں بیٹھ
جانے کا حکم دیا۔ فوراً تمام لوگ بیٹھ گئے اسلم نے ان سے کہا۔ دیکھو میں صرف پچاس آدمیوں کو اپنے
ہمراہ لے چلوں گا تم سب خموشی سے اس جگہ بیٹھے رہو اگر خدا کی مدد سے ہم فصیل تک پہنچنے میں
کامیاب ہو گئے تب نعرہ لگادیں گے۔ تم سب نعرہ کی آواز سنتے ہی دوڑ پڑنا اور فصیل کے
قریب پہنچ کر خود بھی نعرہ لگانا۔ سب نے سر تسلیم خم کیا اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اب اسلم بنانہ اور پچاس آدمی آہنی سیڑھیاں لے کر بڑھنے یہ سیڑھیاں تین تین گز لمبی تھیں۔

لیکن ان میں سوراخ تھے اور ضرورت پڑنے پر ان میں ڈنڈا دال کر قابض کھینچ کر جوڑا جاسکتا تھا۔ اور اس طرح سے اسے حسب ضرورت لمبی کیا جاسکتا تھا چنانچہ ان میں سے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک سیڑھی تھی اور وہ اسے کھینچے ہوئے لئے جا رہا تھا۔ رات کا پچھلا وقت تھا۔ اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا آسمان پر تارے نکلے چمک رہے تھے۔ اگرچہ فصیل پر کافی روشنی ہو رہی تھی اور یہ روشنی فصیل کے سامنے کچھ اجالائے ہوئے تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے ہندو چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ ہندو اگرچہ رات کو جاگتے ہی تھے مگر فصیل سے باہر نہ جھانکتے تھے۔ کیونکہ انہیں اطمینان تھا کہ مسلمان رات کو فصیل کے قریب آنے کی اس وجہ سے جرأت نہ کریں گے کہ فصیل پتھروں کی تھی اور اسے توڑ ڈالنا غیر ممکن تھا۔

دوسرے اگر فصیل میں نقب لگانے کی سعی کی جاتی تو ان کو خبر ہو جاتی اہل زمانہ میں ہندوستان میں ریشم کی ڈور کی سیڑھیاں استعمال کی جاتی تھیں اور ریشم کی سیڑھیاں نیچے سے اوپر نہ پھینکی جاسکتی تھیں ان وجوہات سے ان کو کافی اطمینان تھا اور وہ مطمئن رہتے تھے۔ جب مسلمان اس جگہ پہنچے جہاں فصیل کی روشنی پڑ رہی تھی تو وہ جھک جھک کر چلنے لگے ان کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور کسی نے ان کو نہ دیکھا۔ چنانچہ وہ بخیریت اس روشنی سے گزر کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اب انہوں نے فصیل کی جڑ میں کھڑے ہو کر اوپر کی طرف جھانکنا رات کو فصیل نہایت ہی مہیب معلوم ہوئی۔

اسلم نبانہ نے فصیل کو دیکھا کہ شاید اس میں نقب لگانے کی گنجائش ہو۔ لیکن موٹے موٹے پتھر نقب لگانے میں حائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے برابر برابر چار سیڑھیاں لگائیں اور ان پر چڑھ چڑھ کر انہیں جوڑنا اور اوپر کی طرف چڑھنا شروع کیا۔ نہایت ہوشیاری اور پورے سکوت سے سیڑھیوں کو بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ رات اندھیری اور اس قدر سکوت چھایا ہوا تھا کہ ذرا سے کھٹکے کی آواز بھی دور تک جاتی تھی مگر مسلمان نہایت احتیاط سے سیڑھیاں جوڑ جوڑ کر اوپر چڑھ رہے تھے۔ دو سیڑھیوں پر اسلم اور نبانہ تھے اور دو پر دو مجاہدین تھے۔ چاروں نہایت اطمینان و سکوت سے سیڑھیاں بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ فصیل کے کنارے پہنچ گئے۔ سب سے پہلے اسلم نے سر اٹھا کر دیکھا اسے سینکڑوں ہندو آگ کے سامنے بیٹھے نظر آئے اور ہزاروں ان کے پاس پڑے ہوئے سو رہے تھے اسلم نبانہ اور دوسرے دو اور مسلمان زقند لگا کر فصیل پر جا کودے اور ادھر جاتے ہی انہوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ ہندوؤں

نے فوراً انہیں دیکھا۔ وہ مسلمانوں کو فصیل پر دیکھ کر سخت حیران ہوئے ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ چار آدمی اور کودے اور انہوں نے آتے ہی تلواریں سونت لیں اب ہندو شور مچاتے ہوئے اٹھے اور تلواریں میالوں سے نکال نکال کر اسلم بنا نہ اور مسلمانوں کی طرف جھپٹے۔ لیکن اس عرصہ میں چار اور مسلمان کو دگر آگئے تھے اور اس طرح وہ بارہ ہو گئے تھے۔ ان بارہ آدمیوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ ان کے نعرہ کی آواز خاموشی فضا کو چیرتے ہوئے بلند ہوئی۔ ہندو جو سو رہے تھے وہ گھبرا گھبرا کر اٹھے اور جو لوگ جاگ رہے تھے وہ حملہ کرنے کیلئے مسلمانوں پر ٹوٹے مسلمان گویا لڑنے کے لئے تیار ہی تھے وہ بھی تلواریں سونت سونت کر تیار ہو گئے۔

پہلے جوش جنگ

ہندو زیادہ تھے بہت زیادہ سینکڑوں نہیں ہزاروں اور مسلمان صرف گنتی کے بارہ ۱۲ کوئی نسبت نہ تھی لیکن مسلمانوں میں ذوق شہادت اور طلب جنت کی تمنا تھی جس نے انہیں اتنا کم ہوتے ہوئے بھی جنگ پر آمادہ کر لیا تھا۔ ہندوؤں نے نہایت جوش سے مسلمانوں پر حملہ کیا ان کی تلواریں آتشیں زبانیں نکالے ان کی طرف لپکیں خیال یہ ہوتا تھا کہ ہندوؤں کے پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کا یا تو خاتمہ ہو جائے گا اور یا وہ بھاگ کر فسیل سے نیچے آگریں گے۔ اسیانہ ہوا وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے اور جو نہیں ہندو تلواریں لے کر چھپٹے انہیں لڑتے ہوئے دیکھ کر ہندو گھبرا گئے اور پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے ادھر ادھر اور سامنے پیٹ چھپٹ کر حملے کئے۔ ہندوؤں نے بھی تلواروں کو ڈھالوں پر روکا لیکن خدا جانے مسلمانوں کی تلواروں میں کس قسم کا لوہا لگا تھا کہ ڈھالوں کو بھاڑتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچیں۔ رسول کو چیر کر حلق تک اتر گئیں کئی ہندو خوف ناک چیخیں مار مار کر گرے اور گرتے ہی پنے لگے۔

ہندوؤں کو یہ دیکھ کر جوش آ گیا وہ اپنی قوم کے مجروحین کو روندتے مسلتے اور پامال کرتے ہوئے بڑھے اور مسلمانوں پر پھر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے پھر ڈھالوں پر ان کی چار پانچ گولوں کو مار گرایا۔ اب ہندوؤں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے نہایت جوش اور غصہ سے آکر نہایت شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لاسکے وہ پیچھے ہٹ کر فسیل کی طرف والی دیوار سے جا لگے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے مسلمانوں کی آمد رک گئی ان مسلمانوں کی جو ہیر پھیر کے ذریعے سے کوہ کو در فسیل پر آ رہے تھے۔ جب بارہ مسلمان فسیل پر پہنچ گئے تو ہندوؤں جنگ ہو گئے۔ تو مسلمانوں کے آنے اور فسیل پر کودنے کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔

اس طرح سے اب تک تقریباً بیس مسلمان سے ان سے لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے ان پر ہر طرف سے یلغار کر کے انہیں دیوار کے پاس اس لئے پہنچا دیا تھا کہ نئے مسلمانوں کی آمد ہندو جانے چنانچہ مسلمان بیڑھیوں پر کھڑے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ مسلمان آگے بڑھیں تو وہ فصیل پر پہنچیں اسلم نے جو نہیں آکر حملہ کیا اور دو تین ہندوؤں کو قتل کر کے آگے بڑھ گئے اس کے بڑھتے ہی تمام مسلمانوں نے جھپٹ جھپٹ کر اور جلد جلد حملے کرنا شروع کئے ان کی پناہ تلواروں نے بہت سے ہندوؤں کو مار ڈالا لیکن اس پر بھی ہندو پیچھے نہ ہٹے بلکہ جس جگہ کھڑے تھے وہیں کھڑے رہے ان کے پیچھے نہ ہٹنے سے ان پر مصیبت نازل ہو گئی کہ ہندو مر گئے وہ زمین پر نہ گر سکے تھے بلکہ ان کی لاشیں لڑنے والے ہندوؤں کے سہال سے جا کھڑی ہوئیں ان مردوں کو ہر ہندو ایک سے دوسرے پر اور دوسرے سے تیسرے پر ڈالنے لگے۔ اس سے وہ حملہ کرنا اور حلوں کو روکنا بھول گئے۔ مسلمانوں کو یہ موقع اچھا ہاتھ آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی حملے کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو ہندو بھی مر جاتا تھا۔ اس کی لاشوں پر کھڑے ہوئے شخص پر جبک جاتی تھا اور وہ اسے ہٹانے کی فکر میں ہی ہوتا تھا کہ کسی مسلمان کی تلوار خود اس کا فیصلہ کر دیتی تھی۔ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے آدمی پر گر جاتا تھا۔ ہندوؤں نے غلطی کی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ ہر مردوں کو ہٹا کر گرنے کے لئے جگہ رہی تھی اور نہ تلوار اٹھا کر حملہ کرنے کی گنجائش تھی۔ مسلمان قدرے پیچھے ہٹ کر حملہ کرتے تھے اور ہر حملہ میں ہر مسلمان ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔

ہندوؤں کی اگلی صف مردوں کے سنبھلنے میں مصروف ہو گئی اور اس لئے مسلمانوں نے جلد جلد حملے کر کے قریب اس تمام صف کا صفایا کر دیا۔ اب تو ہندوؤں کی آنکھیں کھلیں اور وہ کھلے ہو کر تلوار چلانے لگے اور جھپٹ کر حملہ کرنے کے لئے پیچھے ہٹے ان کے پیچھے ہی مردے لیے لیے لیٹ گئے اور مسلمانوں نے بڑھ کر ان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کے بڑھنے ہی وہ لوگ جو بیڑھیوں پر کھڑے جگہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے جلدی سے فصیل پر جا کر اور اب ان کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ تازہ دم مسلمان آتے ہی خونخوار شیروں کی طرح ہندو پر جاڑے اور انہیں تلواروں کی بارشوں پر رکھ لیا۔ ہندو حسب عادت پوری قوت سے چیخ رہے تھے۔ جیکارے لگا رہے تھے۔ مجروح چلا رہے تھے ان کے شور سے تمام فصیل سارا قلعہ اور قلعہ کے باہر کا میدان گرنے لگا تھا اس لئے تھوڑی ہی جگہ میں

جنگ ہو رہی تھی۔ لیکن ہندوؤں کے غل مچانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ تمام فصیل پر ہی جنگ ہو رہی ہو۔ ان کے غل مچانے سے قلعہ واسے اٹھ ٹھکرو دریافت حال کے لئے گھروں سے باہر نکلے۔ راجہ بھرا بھی اٹھ کر باہر آگیا تھا اس کا محل فصیل سے ذرا فاصلے پر تھا وہ جلدی سے دوڑ کر فصیل پر پہنچا۔ اس نے تلواریں چمکتی ہوئی دیکھیں ابھی رات باقی تھی اور اندھیرا پھیلا ہوا تھا اس پر معلوم نہ ہو سکا کہ کس قدر مسلمان آگئے ہیں اور کہاں کہاں تک جنگ ہو رہی ہے حالانکہ بے چارہ ہندو صرف تلواریں سوتے کھڑے تھے اسے آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی وہ زمین کے دروازہ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ کود کود کر آ رہے تھے اور آتے ہی رڑتے لگ جاتے تھے۔ چونکہ اب تقریباً پچاس مسلمان پہنچ گئے تھے اس لئے اچھی خاصی جنگ ہونے لگی تھی اور جنگ کا محاذ بڑھ گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ کی آواز سنی اور سمجھ لیا کہ اسلم کا دستہ فصیل کے نیچے آگیا انہیں بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے اس خیال سے کہ دستہ کے آنے سے پہلے ہی ہندوؤں کو مار کر میدان صاف کر دیں نہایت ہی پھرتی سے حملے کرنا شروع کر دیئے۔ ہر مجاہد تلوار لے کر ہندوؤں کی صفوں میں گھس گیا اور پوری طاقت اور کافی جوش سے لڑنے لگا۔ ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ تازہ دم آنے والے مسلمانوں کے آنے سے پہلے یا تو ہندوؤں کا صفایا کر دے یا کم از کم اس قدر ان کی لاشیں بچھا دے۔ جس سے تمام فصیل اٹ جائے اور وہ آکر اتنے ہندوؤں کی لاشیں دیکھ کر ان کی دلیری کی تعریف کریں۔ اس خیال نے ہر مجاہد کے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی اور ہر غازی بڑے جوش سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے انہیں قتل کر رہا تھا۔ ہندو بھی پر سے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ مگر جب وہ جوش میں آکر بڑھتے تھے تو مسلمانوں کی تلواریں بڑھکر ان کا استقبال کرتی تھیں اور وہ خود ہی قتل ہو ہو کر لے لے لیتے جاتے تھے۔ انہیں بڑا غصہ آ رہا تھا کہ وہ سر رہے تھے اور مسلمان گویا لہجے کے بن گئے تھے ان میں سے اس وقت تک ایک بھی نہ مرا تھا۔ وہ جوش و غضب سے بل کھا کھا کر بڑھتے تھے۔ تاہم توڑ جھلکے کرتے تھے۔ مگر مسلمانوں کی تلواریں انہیں کاٹ کاٹ کر ڈال دیتی تھیں۔

اس عرصہ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اب مجاہدین اسلام دانتوں میں تلواریں دبا دبا کر بڑی تیزی سے چڑھ رہے تھے اور فصیل پر کودتے ہی تلواریں ہاتھوں میں لے کر ہندوؤں پر جاوٹے ان تازہ دم مسلمانوں نے پھیل پھیل کر اور ہندوؤں کی صفوں میں گھس گھس کر

ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ ہندو قتل ہو رہے تھے مگر ابھی تک کھڑے رہے۔ شاید انہیں یہ امید تھی کہ وہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو قتل کر کے فیصل ان سے خالی کر لیں گے۔

اس وقت ہندوؤں کا سپہ سالار بھی آگیا تھا اس نے آتے ہی للکار کر انہیں حملہ کرنے ترغیب دی انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ یہ حملہ نہایت سخت تھا مسلمانوں نے نہایت ثبات قدمی سے اس حملے کو روکا اگرچہ وہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے مگر کئی مسلمان شہید ہو کر گئے۔ مسلمانوں کی شہادت نے رٹنے والے مسلمانوں کی رگوں میں جوش و غضب کی بجلی دوڑا دی انہوں نے سنبھل کر حملہ کیا اور ایسا پر جوش حملہ کیا کہ ہندو اپنی تمام طاقت صرف کرنے پر بھی ان کی پورے کو نہ روک سکے اور ان کی دوسری صف کا بھی خاتمہ ہو گیا اب مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھ کر تین کے قریب ہو گئی تھی اور ابھی تک ان کی آمد کا تانا بگا ہوا تھا ہندو دیکھ چکے تھے کہ وہ چند مسلمانوں کا ہی کچھ نہ بنا سکے تھے اور اب تو ان کی تعداد کافی آگئی تھی اس لئے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور اب وہ بغلیں جھانکنے لگے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ مسلمان جو کہ آزمودہ کار تھے وہ سمجھ گئے اور انہوں نے الٹا کبر کا نعرہ لگا کر حملہ کیا ان کی تلواریں خون برساتی بلند ہوئیں اور دشمنوں کے سروتن کے فیصلے کرنے لگیں۔ انہوں نے سینکڑوں ہندوؤں کو مار ڈالا۔ اکثر صفوں کو الٹ دیا۔ بڑے بڑے گرانڈیل لوگوں کو موت کی گود میں پہنچا دیا۔ ہندوؤں کی ہمتیں پہلے سے ہی پست ہو رہی تھیں اس حملہ سے وہ اور بدحواس ہو گئے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے ان کے بھاگتے ہی مسلمانوں نے جھپٹ جھپٹ کر دوڑ دوڑ کر ان کے سروں پر تلواریں مارنا شروع کیں ہر مسلمان ہر حملہ میں کم از کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔ اس طرح چشم زدن میں سینکڑوں ہندو مارے گئے ان کے بھاگتے ہی تمام فیصل پر بھاگ پڑ گئی۔ جو ہندو جہاں تھا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگا۔ مسلمان انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے جو مسلمان ابھی تک سیر میوں پر سے کود کر آ رہے تھے۔ انہیں بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت آئے جبکہ ہندو بھاگ رہے ہیں مگر وہ بھی آتے ہی تلواریں سونت سونت کر ہندوؤں کے پیچھے دوڑ پڑے تھے اور انہیں قتل کر کے ان کی لاشوں پر لاشیں گراتے ان کے پیچھے لگے چلے جا رہے تھے۔ ہندو ایسے خوف زدہ ہو رہے تھے کہ انہیں ہر چیز مسلمان نظر آ رہی تھی یا ہر چیز سے مسلمان نکلتے دکھائی دے رہے تھے وہ بڑی ہراسیگی سے زینوں کی سیر میوں کو بھلا گئے ایک

کے اوپر دو اور دو کے اوپر دس گرتے کودتے اور پچاندتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے اس طرح بھاگنے سے سپاہی کچلے گئے۔ لیکن اس وقت ان میں سے کسی کو بھی کسی بات کا خیال نہ تھا۔ حالانکہ اگر وہ یا ان کے افسر انتظام کرتے تو نہایت اطمینان سے بغیر زیادہ نقصان سپاہ کے فسیل سے نیچے اتر سکتے تھے۔ لیکن سپاہیوں سے زیادہ افسروں کے اور افسروں سے زیادہ سپاہیوں کو سرا سیمگی تھی۔ جب کہ مسلمان ان کے پیچھے لگے انہیں قتل کر رہے تھے اس وقت اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی جس نے بنیا فسیل ہلا دی۔ زمین لرزنے لگی اور ہندو کانپ گئے۔ یہ محمد قاسم کے لشکر کی آواز تھی وہ معہ تمام لشکر کے فسیل کے نیچے آگیا تھا۔ اس نے لاتعداد سیر پھیاں کھڑی کرادی تھیں۔ سب سے پہلے وہ فسیل پر پہنچا اور اس کے بعد مسلمانوں کا سیلاب زمین سے فسیل اور فسیل سے زمینوں کی طرف بننے لگا۔ محمد قاسم جھپٹ کر اسلم اور بنانہ سے جا ملا اور ان کے ساتھ ہی زمین سے نیچے اترنے لگا۔ ہندوؤں نے جہاں اور غلطیاں کیں وہاں ایک یہ بھی کی کہ زمینوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ اگر وہ ہرزینہ کے دروازہ پر کچھ آدمیوں کو کھڑا کر دیتے اور تلواریں لے لے کر مسلمانوں کا راستہ روک دیتے تو آسانی سے مسلمانوں کے اندر نہ پہنچ سکتے۔ مگر ان پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی تھی کہ ان کے قدم کہیں بھی نہ رکے وہ بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے اور بدحواسی سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

مسلمانوں نے نیچے اترتے ہی ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور اس بُری طرح سے قتل کیا کہ جہاں تھاں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے خون کے دریا بہا دیئے اب صبح ہو گئی تھی۔ اگرچہ ابھی آفتاب نہیں نکلا تھا۔ مگر اس قدر اجالا ہو گیا تھا جس سے انسانوں کی صورتیں کچھ قریب کی چیزیں اور خون آلود تلواریں صاف طور پر نظر آنے لگی تھیں۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو ڈرے سہمے ہوئے جہاں تھاں کھڑے تھے یہ شہری ہندو تھے اور لڑنے والے بری طرح سے چھپتے اور گھبراتے ہوئے پھر رہے تھے۔ محمد قاسم نے آواز دے کر کہا کہ کوئی مسلمان کسی نہتے ہندو پر حملہ نہ کرے۔ جبکہ آفتاب کی پہلی شعاع چمکی تو ہندوؤں نے ہتھیار پھینک دیئے اور دیا دیا (رحم۔ رحم) کا غل جمانے لگے۔ مسلمانوں نے فوراً ہاتھ روک لئے خوزیری بتدکری اور مسلح ہندوؤں کو گرفتار کرنے لگے۔

تعاقب

مسلمانوں نے جس جوش و جرات سے ہرج کے قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا تھا۔ وہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے جو کارنامے تاریخوں میں محفوظ ہیں انہیں پڑھ پڑھ کر نہ صرف غیر مسلموں کو ہی حیرت ہوتی ہے بلکہ اس زمانہ کے مسلمان بھی متعجب رہ جاتے ہیں ہم مسلمان آرام طلب ہو گئے ہیں۔ مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں غرضیکہ شعائر اسلام کے پابند نہیں رہے ہیں خدا کو یاد نہیں کرتے اس سے تہیں ڈرتے خدا ہمیں یاد نہیں رکھتا اور ہم دنیا بھر سے ڈرنے لگے ہیں۔ آج ہر مسلمان شکایت کرتا ہے کہ مسلمان مفلس ہو گئے۔ حکومتیں جاتی رہیں بے پرو اور بے زہو کر رہ گئے لیکن یہ کوئی خدا کا بندہ نہیں کتا کہ مسلمان ہیں کہاں کیا گوشت کھانے اور مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے سے ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ مسلمان وہ ہے جو خدا کو یاد کرتا ہے اس سے ڈرتا ہے اس کے اور اس کے پیارے رسول کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ ایک مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص دوسروں کو نصیحت کرتا ہے نصیحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پہلے ہر شخص خود مسلمان بننے کا نتیجہ کر لے دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے۔ دوسرے خود ہی اس کی تقلید کرنے لگیں گے اگر ایسے ہی رفتہ رفتہ ہر شخص حقیقت میں مسلمان ہو جائے اور پھر خدا ان سے راضی ہو کر ان پر لطف و کرم کی بارش شروع کر دے پھر دنیا میں ان کی دہاک بندھ جائے دولت ان کے قدموں پر آ پڑے۔ عزت میں چار چاند لگ جائیں دنیا پر حکمرانی کرنے لگیں غرضیکہ یہ بات مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ اسلام سے روگردان رہ کر ذلیل و خوار رہیں یا اسلام کا دامن بچھڑ کر عزت و وقار حاصل کر لیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں شکوہ لا حاصل ہے۔

جب مسلمان بہرج پر قابض ہو گئے اور اس کے اندر جس قدر ہتھیار بند تھے وہ تمام سیر کر لئے گئے تب بچہ کی تلاش شروع ہوئی۔ ہر چند اسے ڈھونڈا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ تمام قلعہ چھان مارا۔ محل کا چپہ چپہ دیکھ لیا۔ مندروں کو تلاش کیا۔ مگر بچہ نہ ملا۔ اب یہ خیال آیا کہ شاید وہ مارا گیا۔ چنانچہ مرووں میں دیکھا۔ ہر لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں بھی نہ ملا۔ تب محمد قاسم نے منادی کرادی کہ اگر بچہ نہ ملا تو یہ خیال کر لیا جائے گا کہ اسے قلعہ والوں نے چھپا لیا ہے اور اس لئے جو شہروں کو اس دیا گیا ہے وہ واپس لے لیا جائے گا اور ہر گھر میں تلاش شروع کر دی جائے گی۔ اس منادی کو سن کر لوگ ڈر گئے۔ چنانچہ کئی آدمیوں نے محمد قاسم سے کہا کہ بچہ اب دیہہ کی طرف بھاگ گیا ہے۔ بدیہہ ایک چھوٹا سا علاقہ تھا اس کا دار الخلافہ سیسم تھا۔ جو کبہ کی ندی کے کنارے پر واقع تھا اس علاقہ کا راجہ کا کا تھا۔ محمد قاسم نے ان کے کہنے کا یقین نہ کیا۔ مگر جب انہوں نے قسمیں کھائیں تب باور آیا۔

اب اس نے راجہ کے محل میں تمام قیمتی سامان نکلوایا اور سرکاری خزانہ سے سیم در اور جو اہرات نکالے گئے۔ جب یہ تمام چیزیں محل کے سامنے ڈھیر کی گئیں تب سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ نہایت ہی قیمتی سامان اور بہت زیادہ سونا چاندی اور جوہرات وغیرہ تھے۔ محمد قاسم نے اسی وقت تمام افسروں کو طلب کیا۔ سب آگئے لیکن حنظلہ نہ آیا۔ اس نے سپاہیوں اور افسروں سے اس کے متعلق دریافت کیا کوئی بھی نہ بتا سکا کہ کہاں گیا اور کب گیا۔ محمد قاسم اور تمام مسلمان بہت زیادہ فکر مند ہو گئے۔ فوراً اس کی تلاش شروع کر دی گئی۔ اب محمد قاسم نے شہداد کی لاشوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ لاشیں اس جگہ اکٹھی کر دی گئیں۔ جس جگہ محمد قاسم کھڑا تھا۔ کل چوراہے مسلمان شہید ہوئے تھے اور ہندو تقریباً چھ ہزار مارے گئے۔ چنانچہ ان شہداء کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کر دیا۔ جب مسلمان اس کام سے فارغ ہوئے تب انہوں نے قلعہ کے باہر سے الشاکر کے نعروں کی آواز سنی سب کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ قریب قریب سارا اسلامی لشکر قلعہ کے اندر تھا۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ کون سے مسلمان آگئے جنہوں نے نعروں لگایا۔ محمد قاسم نے فوراً چند مسلمانوں کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ ٹھوڑی ہی دیر میں تقریباً پچاس مسلمان آتے نظر آئے ان سب سے آگے حنظلہ آ رہا تھا ان مسلمانوں نے آتے ہی محمد قاسم کو سلام کیا۔ محمد قاسم نے حنظلہ سے دریافت کیا کہاں چلے گئے تھے تم؟ حنظلہ نے

جواب دیا میں قلعہ سے باہر اس لئے رہ گیا تھا کہ اگر ہندو بھاگیں گے تو میں انہیں قتل کر
محمد قاسم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا لیکن ہندو بھاگ گئے۔

حفظہ۔ جی ہاں بھاگ گئے۔ مگر جس وقت میں نے ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو میں
فوراً ان کے پیچھے لپکا۔

محمد قاسم۔ لیکن تم نے ان کو دروازہ سے نکلنے ہی کیوں دیا۔

حفظہ۔ جس دروازہ پر میں اور میرے پچاس ساتھی کھڑے تھے اس دروازہ
سے کوئی بد بخت نہ بھاگا بلکہ دوسرے دروازہ سے بھاگے اور اس لئے ان کے بھاگنے
کا علم بھی مجھے اس وقت ہوا جبکہ وہ دور نکل گئے۔

محمد قاسم۔ پھر تم نے کیا کیا۔

حفظہ۔ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر کیمپ میں واپس گیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر
ان کے تعاقب میں دوڑا۔

محمد قاسم۔ اس سے کیا فائدہ تھا وہ تو بہت دور جا چکے تھے۔

حفظہ۔ فائدہ کچھ نہ تھا۔ صورت اس خیال سے جوش اور غصہ آ رہا تھا کہ میں انہیں قتل کرنے
کے انتظار میں دروازہ سے باہر کھڑا رہا۔ جہاد میں شریک نہ ہوا اور وہ دوسرے دروازہ
سے مجھے فریب دے کر بھاگ گئے۔

محمد قاسم۔ اور تمہاری سعی لا حاصل رہی۔

حفظہ۔ جی نہیں ایک گروہ جو سب سے آخر میں نکلا تھا اور دوڑا جا رہا تھا ہم
اس تک پہنچ گئے اور جاتے ہی ان کو قتل کرنے لگے۔

محمد قاسم خوش ہو گیا اس نے کہا جزاک اللہ کس قدر آدمی تھے وہ

حفظہ نے جواب دیا تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ آدمی تھے۔ جب ہم نے نتو آدمیوں کو قتل کیا۔
تو باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہم نے ان کو گرفتار کر لیا۔

محمد قاسم۔ خوب کام کیا تم نے۔

حفظہ۔ ہم نے ان کو ان آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ جو آپ نے ہماری خبر لینے
کے لئے بھیجے تھے۔

اس عرصہ میں قیدی بھی قریب آ گئے۔ حفظہ نے کہا ان میں سے ایک لشکر کا سپہ سالار تھا۔

محمد قاسم۔ اسے آگے بلاؤ۔

حفظ نے سپہ سالار کو پیش کیا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا تمہارا راجہ کہاں ہے؟ سپہ سالار کا چہرہ فق ہو گیا تھا وہ فرط خوف سے زلزلہ ہاتھ اس نے کہا حضور وہ تو رات ہی بھاگ گیا تھا۔

محمد قاسم۔ کہاں بھاگ گیا ہے وہ

سپہ سالار۔ بدرہیہ کی طرف کا کا کے ملک میں۔

محمد قاسم۔ اور تم کہاں جا رہے تھے؟

سپہ سالار۔ میں بھی وہیں جا رہا تھا۔

محمد قاسم۔ اور وزیر اعظم کہاں گیا۔

سپہ سالار۔ وہ بھی بھاگ گیا۔

محمد قاسم۔ بزدل انسان تم بھاگے کیوں تھے۔

سپہ سالار۔ جان بچانے کے لئے۔

محمد قاسم۔ اگر تم ایسے ہی شجاع تھے تو لڑ کے کیوں؟

سپہ سالار۔ وزیر اعظم میں اور تمام رعایا لڑائی کے سخت خلاف تھے لیکن بھرانہ مانا۔ وہ

لڑاکم بخت خود تو بھاگ گیا اور رعایا کو مبتلا شے مصیبت کر لیا۔

محمد قاسم۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھی اور قیدیوں کے ساتھ قید کر دو۔

اب محمد قاسم نے تمام سامان اور نقدی جو اہرات وغیرہ میں سے پانچواں حصہ نکال کر

باقی تمام سواروں اور افسروں وغیرہ میں اعلیٰ قدر مراتب تقسیم کر دیا اور اسی روز فتح نامہ لکھ

کر معر اہروں کے اور مال غنیمت کے پانچواں حصہ دے کر حجاج کی خدمت میں بھیج دیا۔ صرت

دو دن اس نے اور اسلامی لشکر نے وہاں قیام کیا۔ تیسرے روز ایک مسلمان کو تلو سواروں

کے ہمراہ بہرج میں چھوڑ کر خود سیسم کی طرف بھرا کے تعاقب میں روانہ کیا۔

دو حوریں نرغہ ستم میں

طاہرہ نے جب سے لادی کی زبانی محمد قاسم کا پیغام سنا تھا اس وقت سے اسے امید ہو گئی تھی کہ وہ ضرور آزاد کرالی جائے گی جب سے وہ راجہ کے محل میں آئی تھی۔ اس وقت خود کو غیر محفوظ جریں اور سیا کاروں میں محصور سمجھ کر بہر وقت ہوشیار رہتی تھی وہ ٹھہرے کی دل دلا نماز پابندی کے ساتھ پڑھتی تھی اور ہر نماز کے بعد مسلمانوں کی فتح یابی اور اپنی اور ان مسلمانوں کی جبراس کے سامنے دیبل کے قلعہ میں لائے گئے تھے رہائی کی دعا مانگا کرتی تھی اسے نہ یہ معلوم تھا کہ محمد قاسم کون ہے اور کیسے اس نے لشکر کشی کی ہے نہ یہ خبر تھی کہ دیبل میں قید ہونے والے مسلمان رہا کر لئے گئے ہیں اور صرف وہی باقی رہ گئی ہے۔

چونکہ رانی لادی اس کی ہم عمر تھی اور اس سے محبت کرتی تھی اس لئے اسے بھی محبت ہو گئی تھی اور وہ اکثر اس سے باتیں کر کے اپنا دل بہلایا کرتی تھی۔ جب سے لادی دیبل سے واپس آئی تھی اس وقت سے وہ بھی طاہرہ سے بے حد مانوس نظر آنے لگی تھی اور قریب قریب تمام دن اس کے پاس اسی کے کمرہ میں رہتی تھی۔

وہ کھود کھود کر محمد قاسم کے متعلق طاہرہ سے دریافت کرتی تھی وہ کون ہے کس کا بیٹا ہے اور خلیفہ سے اس کا کیا تعلق ہے وغیرہ وغیرہ طاہرہ کو خود اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا اس لئے وہ کچھ بھی جواب نہ دے سکتی تھی۔ ایک دن رات کے وقت دونوں کھانے سے فارغ ہو کر کمرہ کے اندر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ لادی کہہ رہی تھی تم نے کبھی محمد قاسم کو نہیں دیکھا ہے طاہرہ نے کہا کبھی نہیں کیونکہ میں بچپن سے ہی سرانڈیپ آ گئی تھی وہیں میں نے ہوش سنبھالا ہے وہیں جوان ہوئی اب وطن جا رہی تھی کہ تمہارے شوہر نے اسیر کر لیا۔

لا دی۔ لیکن پھر وہ تم کو رہائی دلانے کے لئے کیوں آیا ہے۔
 طاہرہ۔ اس لئے کہ میں بھی مسلمان ہوں اور وہ بھی مسلمان ہے مسلمان کا فرض ہے
 کہ وہ مصیبت زدہ مسلمان کی امداد کرے۔
 لا دی نے اسے بے اختیارانہ بد اعتمادی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا یہ بات
 نہیں ہے طاہرہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کیا بات ہے۔
 لا دی۔ بُرا نہ مانو گی تو کہوں۔
 طاہرہ۔ میں کیوں بُرا مانوں گی۔
 لا دی۔ اسے شاید تم سے محبت ہو گئی ہے۔
 طاہرہ کا چہرہ سرخ ہو کر تپتا اٹھا۔ لا دی نے جلدی سے کہا دیکھو بُرا مان گئیں نہ تم؟ طاہرہ
 نے کہا۔ تم نے بات ہی ایسی کہی۔ لا دی نے مسکرا کر کہا۔ معاف کرنا مجھے شبہ ہوا تھا؟
 طاہرہ۔ اور یہ شبہ کیوں ہوا تم کو!
 لا دی۔ اس لئے کہ تم بھی حسین ہو اور محمد قاسم بھی۔
 اب طاہرہ مسکرائی اس نے کہا میں اب سمجھی۔ لا دی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں
 سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا سمجھا تم نے؟
 طاہرہ۔ شاید تم کو محمد قاسم سے محبت ہو گئی ہے۔
 لا دی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تم نے ٹھیک سمجھا طاہرہ وہ ہے ہی اس قابل لیکن
 یہ تو بتاؤ یہ مسلمان کہیں بے رحم اور سنگدل تو نہیں ہوتے؟
 طاہرہ۔ مسلمانوں سے زیادہ نرم دل اور خداترس شاید ہی کوئی ہو۔
 لا دی۔ کاش میں اسے نہ دیکھتی۔
 طاہرہ۔ پھر کیوں دیکھا تم نے۔
 لا دی۔ جب چند لمحہ پر سختی کر رہا تھا تو اتفاقاً وہ آگیا۔ جو نہی میری نظر اس پر
 پڑی محبت کا تیر میرے سینے میں لگا اور میں اسے دیکھتی رہ گئی۔
 طاہرہ۔ اور وہ؟
 لا دی۔ اس بے مروت نے مجھے اچھی طرح سے دیکھا بھی نہیں۔
 اس وقت کچھ کھٹکا ہوا لیکن یہ دونوں کچھ ایسی باتوں میں مصروف تھیں کہ انہیں معلوم

تک بھی نہ ہوا۔ طاہرہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا اگر وہ دیکھ لیتا لادی نے بھونکی صورت بنا کر دیکھتے ہوئے کہا تو کیا ہوتا۔

طاہرہ۔ وہ تم کو روک لیتا۔

لاڈی۔ کاش روک لیتا

طاہرہ۔ کیا تم رک جاتیں رانی۔

لاڈی۔ کیوں نہ رک جاتی۔

طاہرہ۔ تم سندھ کی رانی ہوتے ہوئے ایک معمولی مسلمان کے پاس رہ جانا پسند کر لیتیں۔

لاڈی۔ تو نہیں جانتی طاہرہ کہ میں رانی ہوتے ہوئے بھی کس قدر تکلیف میں ہوں۔

طاہرہ۔ کیا تکلیف ہے تم کو کیا دنیا کا عیش و آرام تمہارے لئے موجود نہیں ہے۔

کیا اچھے کپڑے اچھے زیورات اور اچھی عزت تم کو حاصل نہیں ہے۔

لاڈی۔ اس سے کیا ہوتا ہے طاہرہ میرے پاس قیمتی کپڑے ہیں اعلیٰ قسم کے آبدار

زیورات ہیں۔ بہت واسیاں ہیں کافی عزت ہے غرضیکہ دنیا بھر کے آرام کی چیزیں ہیں مگر حقیقی مسرت حاصل نہیں ہے۔

طاہرہ۔ تعجب ہے کہ تمہیں کس بات کی کمی ہے۔

لاڈی۔ چونکہ تو ابھی ناکتہ خدا ہے اس لئے نہیں سمجھتی۔

طاہرہ نے تشریحی نظروں سے مسکراتے ہوئے کہا میں نہیں سمجھ سکتی تو تم بھجادو۔

لاڈی۔ عورتیں پتی کے پریم کی بھوک ہیں۔

طاہرہ۔ کیا ہمارا جو تم سے محبت نہیں کرتے؟

لاڈی۔ کرتے ہیں مگر

طاہرہ۔ مگر کیا

لاڈی۔ میری محبت میں اوروں کو حقدار بنا لیا ہے۔

طاہرہ۔ اور کون حق دار بن گئی ہیں۔

لاڈی۔ ان کے کئی رانیاں ہیں پھر رانیوں کو چھوڑ کر واسیوں سے پریم کرتے ہیں۔

عورت یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر دوسری عورتوں سے محبت کرے۔

طاہرہ - اگرچہ یہ سچ ہے لیکن
 لادی - لیکن کیا؟
 طاہرہ - ایک وفادار بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خوشی کو تمام خوشیوں پر
 مقدم سمجھے۔

لادی - تم اس لئے کہہ رہی ہو کہ ابھی تم کو ان باتوں سے سابقہ نہیں پڑا۔
 طاہرہ - اگرچہ یہ ٹھیک ہے لیکن شوہر مجازی خدا ہوتا ہے اور اس لئے اس کی رضا
 جوئی ضروری ہے جب ہماری قوم میں کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو عزیز واقربا نیز والدین
 اس سے کہدیتے ہیں کہ آج تیری آزاد زندگی کا خاتمہ ہو گیا اب تو اپنے شوہر کی کنیت بن گئی
 ہے اپنے آرام کو خاوند کے آرام پر اور اپنی خوشی کو خاوند کی خوشی پر قربان کرنا ہو گا۔ چنانچہ
 مسلم لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں؟

لادی - مگر جب شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کریں۔
 طاہرہ - وہ صبر و شکر کرتی ہیں کیونکہ مسلمان تقدیر کے قائل ہیں ایسی لڑکیاں جن کے شوہر
 ان سے خوش نہیں ہوتے سمجھ لیتی ہیں کہ خدا کو ہی یہ منظور تھا۔

لادی - خیر ان باتوں کو چھوڑو آج میں تم سے ایک خاص بات کہنا چاہتی ہوں۔
 طاہرہ - فرمائیے۔

لادی - تم جانتی ہو راجہ تم پر فریفتہ ہے۔

طاہرہ نے شرمناک کر کہا۔ ہاں جانتی ہوں۔

لادی - وہ تم کو اپنی رانی بنانا چاہتے ہیں۔

طاہرہ - اطمینان رکھو وہ میری منشاء کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

لادی - وہ تم پر جبر کریں گے۔

طاہرہ نے جوش میں آکر کہا۔ میں اپنی اوردان کی جان ختم کر دوں گی۔

لادی - مگر تم ایک نازک اقدام لڑکی ہو۔

طاہرہ - مگر مسلمان ہوں مسلمان لڑکیاں غیر مسلم مردوں سے زیادہ بہادر ہوتی ہیں۔

لادی - یہ سچ سہی لیکن اگر جبر کرنے کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے

طاہرہ - اس سے بہتر اور کیا ہے۔

لاڈی - اگر میں کسی طرح تم کو آزاد کرالوں
طاہرہ - تو میں غمزدہ بھراپ کی مشکور ہوں۔

لاڈی - صرف مشکور ہی ہوگی۔

طاہرہ - جو آپ حکم دیں گی وہ کروں گی۔

لاڈی کچھ سوچنے لگی۔ سوچتی رہی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی کچھ وقفہ کے بعد

بولی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ تم بھی محمد قاسم سے واقف نہیں ہو۔

طاہرہ - کس بات سے واقف نہیں ہوں۔

لاڈی - اس کے مزاج سے عادات و خصائل سے

طاہرہ - میں اطمینان دلاتی ہوں کہ وہ نیک ہوگا۔ خوش حال اور اچھی عادات والا ہوگا۔

لاڈی - اگر میں اس کے پاس چلی جاؤں۔

طاہرہ - تو وہ تمہیں اپنے سر اور آنکھوں پر بیٹھائے گا اور صرف وہی نہیں بلکہ ہر

مسلمان تمہاری عزت کرے گا۔

لاڈی - کس وجہ سے؟

طاہرہ - اس لئے کہ تم نے ایک مسلم دو شیزہ پر مہربانیاں کی ہیں۔

لاڈی - اچھا سنو طاہرہ میں نے بہت کچھ غور کے بعد یہ تجویز کیا ہے کہ تم کو رہا کر دوں

اور آج رات کو کسی وقت محل سے باہر نکال دوں اور جب تم محمد قاسم کے پاس پہنچو۔ تو

اس سے تمام حالات بیان کر کے اگر وہ پسند کرے۔۔۔ تو۔۔۔

طاہرہ لاڈی کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے کہا وہ کیا پسند کرے؟ لاڈی نے شرماتے

ہوئے کہا۔ مجھے اپنی خدمت میں رکھنا تو تم چلی آنا اور پھر میں تمہارے ہمراہ چلوں گی۔ ایک

غصہ سے بھری ہوئی آواز آئی بے غیرت اور بدکار رانی۔

دونوں اس آواز کو سن کر چونک پڑیں۔ دونوں نے اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز

آئی تھی اس طرف سے داہر آ رہا تھا۔ غیظ و غضب سے بھرا پھنکائیں، مارتا ہوا اور اس کے

پیچھے چکار نیم برہنہ سپاہی تھے جو ننگی تلواریں لئے آ رہے تھے داہر کو دیکھتے ہی دونوں لڑکیاں

سہم گئیں۔ لاڈی کا رنگ فق ہو گیا اس کے چہرہ کی سرخی اور ہونٹوں کی لالی غائب ہو گئی

آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔ وہ کلپنے لگی۔ طاہرہ پر بھی ہراس طاری ہو گیا۔

لیکن اتنا نہیں کہ جتنا لادی پر۔ وہ اطمینان اور استقلال سے داہر کو دیکھنے لگی۔ داہر کو اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا۔ بدکار لادی تو یہ کیا سازش کر رہی تھی۔ لادی بدکار نہ تھی اس کا خوف جاتا اور جوش و غضب سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا سوامی جب آپ نے سب کچھ سن لیا ہے تو اب مجھے کیا دریافت کر رہے ہیں۔

داہر۔ کیا یہ بے وفائی نہیں ہے؟

لادی۔ ضرور ہے مگر پہلے بے وفائی کس نے کی؟

داہر۔ کس نے کی؟

لادی۔ آپ نے؟ آپکی محبت کی حقدار میں تھی نہ کہ اور بیسوائیں۔

داہر۔ مگر تیرا فرض کیا تھا۔

لادی۔ میں نے اپنے فرض کو بہت کچھ نبایا لیکن جب آپ پاپ کے انتہا ساگر (ناپید کنارہ) بکر عسلیاں میں ڈوبتے ہی چلے گئے تب میری خود داری کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ داہر نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا اور جذبہ اب تجھے موت کی آغوش میں پہنچا دے گا۔

لادی۔ میری موت ہی میرے دل کو سکون دے گی۔

داہر نے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا اس بدکار کو گرفتار کر کے لے جاؤ۔ فوراً دو سپاہی پڑھے لادی نے کہا مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ چلو میں آپ کے ہمراہ چلتی ہوں۔ وہ سپاہیوں کی حراست میں روانہ ہو گئی۔ اب داہر نے طاہرہ سے مخاطب ہو کر کہا بے وفائی لڑکی میں تجھے رانی بنا نا چاہتا تھا۔ لیکن تم نے منظور نہ کیا اب میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ جو کوئی تجھے دیکھے گا۔ وہ افسوس کرے گا۔ طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ داہر نے بقیہ دو سپاہیوں سے کہا اس چالاک لڑکی کو بھی گرفتار کر لو۔

سپاہی طاہرہ کی طرف بڑھے۔ طاہرہ نے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار دور ہو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ داہر نے حقارت سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اس قدر جرأت خیر دیکھا جاتے گا۔ اچھا لے چلو سپاہی طاہرہ کو لے کر چلے داہران کے پیچھے روانہ ہوا۔

شہنشاہی خوراجہ

راجہ بھرا جس نے اپنی طاقت اور لشکر کی کثرت پر بڑا ناز تھا۔ فصیل پر کھڑا ہوا اترائی کا منتظر دیکھ رہا تھا اسے کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ پھر بھی کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا جب ہندو شکنت کھا کر بھاگے تو وہ جلدی سے اتر اور محل میں پہنچ کر اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر پورے ایک ہزار سواروں کے قلعہ سے باہر نکلا اور بڑی بہیمہ کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔

جب اس نے غور سے سنا تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس سے آگے کچھ سوار جا رہے ہوں۔ چونکہ ابھی رات تھی اس لئے بغور دیکھنے پر بھی اسے یہ نظر نہ آیا کہ آگے کون لوگ جا رہے ہیں۔ اسے خوف ہوا کہ کہیں مسلمان نہ ہوں اس لئے وہ رک گیا۔ اس کے رکتے ہی اس کا تمام لشکر بھی رک گیا۔ جب صبح صادق کا وقت ہو گیا اور کسی قدر اجالا پھیل گیا تب وہ بڑھا۔ تھوڑی دور چل کر اسے سوار نظر آئے جو کہ نیم برہنہ تھے وہ سمجھ گیا کہ اس سے پہلے بھی کوئی سزاوار بھاگ نکلا ہے اب اس نے اس سے ملنے کے لئے تیزی سے چلنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ یہ سوار اسی لشکر کے تھے اور ان کے ساتھ اس کا وزیر اعظم تھا۔ بھرا نے وزیر اعظم سے دریافت کیا کیا تم مجھ سے بھی پہلے چلے آئے؟ وزیر اعظم نے جواب دیا۔ اور کیا کرتا حضور جب میں نے دیکھا کہ ہمارے بڑوں سپاہی شکنت کھا کر فصیل سے نیچے آ رہے ہیں میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور فوراً کچھ سواروں کو ہمراہ لے کر چلا آیا۔

بھرا۔ مگر تم نے مجھے کیوں نہ ہمراہ لے لیا؟

وزیر۔ میرا خیال تھا کہ آپ بہرج کی تباہی کا آخری منظر دیکھے بغیر چلیں گے۔
بھرا۔ کتنا لشکر ہمارے ساتھ ہے۔

- وزیر۔ پانصد سوار ہیں حضور آپ کے ہمراہ کس قدر سوار ہیں۔
- بجھرا۔ ایک ہزار ہیں۔
- وزیر۔ جب تو ہمارے ساتھ ڈیڑھ ہزار لشکر ہے۔
- بجھرا۔ اور یہ بہت کافی ہے۔
- وزیر۔ ہاں کافی ہے۔
- بجھرا۔ تمہارا ارادہ کہاں جانے کا تھا۔
- وزیر۔ امن اور اطمینان کی جگہ ریاست بدیہہ ہی ہے۔
- بجھرا۔ خوش قسمتی سے میں نے بھی وہیں جانا مناسب سمجھا ہے۔
- وزیر۔ یقین ہے کہ کا حضور کی خوب مدارات کرے گا۔
- بجھرا۔ میں داہر کے پاس اس لئے نہیں گیا کہ وہ حریص حسن ہے کہیں مجھ سے میری شری (بیوی) نہ چھین لے۔
- وزیر۔ آپ اس کے بھیتجہ اور آپ کی استری بھیتجہ بہو ہے وہ کبھی ایسی بیہودگی میں کرتے۔
- بجھرا۔ جو شخص اپنی سگی ہمشیرہ سے شادی کر سکتا ہے وہ بھیتجہ کی بیوی سے کیوں نہیں کر سکتا۔
- وزیر۔ حضور نے درست فرمایا کیا بہرج پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا؟
- بجھرا۔ میرے سامنے تک تو نہ ہوا تھا لیکن
- وزیر۔ اب ہو گیا ہوگا۔
- بجھرا۔ یقیناً میرے لشکر نے بڑی بزدلی کی۔
- وزیر۔ میں نے حضور سے پہلے ہی عرض نہ کر دیا تھا۔
- بجھرا۔ اگر سپاہی ذرا بھی ہمت سے کام لیتے تو مسلمانوں کا صفایا کر ڈالتے
- وزیر۔ ناممکن تھا۔
- بجھرا۔ کیوں؟
- وزیر۔ اس لئے کہ باوجود لشکر کے گشت کرنے کے اور خبردار رہنے کے مسلمانوں کا ہاتھ نکھیل پر آجانا ہجرت انگیز بات تھی۔

بجھرا۔ ہجرت کی بات ضرور تھی۔ مگر اتنی سی بات سے شیروں کو ڈر کر بھیر طیس نہ ہر جانا چاہیے تھا۔

وزیر۔ مگر جنوں اور بھوتوں کے سامنے ڈرنا ہی پڑتا ہے حضور مسلمان انسان ہیں پھر انسان ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔

بجھرا نے غصہ کے لہجہ میں کہا وہ انسان ہی ہیں اور انسان ہی ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وزیر۔ لیکن حضور نے سنا ہے کہ انہوں نے آج تک کبھی شکست کھائی ہے؟ بجھرا۔ ضرور کھائی ہوگی خیر ان منحوسوں کے ذکر کو چھوڑیے انہوں نے مجھے بتاؤ تحت کر دیا ہے اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ کا کا سے مدد لے کر پھر آؤں گا۔ اور انہیں بہرے سے بے دخل کر کے رہوں گا۔

وزیر۔ حضور ایسا ارادہ نہ کیجئے مسلمانوں پر فتح پانا غیر ممکن ہے۔

بجھرا چپ ہو گیا اور یہ لوگ ذرا تیزی سے سفر کرتے رہے چونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ کہاں مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں اس لئے شب و روز چلے جا رہے تھے بہت تھوڑی دیر میں کرتے تھے کئی روز کے بعد وہ بدہیمہ کی سرحد میں داخل ہوئے۔ کا کا کو ان کے آنے کی خبر ہو گئی تھی وہ نیک اور بامروت راجہ تھا اس نے اپنے چند سرداروں کو استقبال کے لئے بھیج دیا۔ بجھرا سیم کی طرف بڑھنے لگا تو اسے اس کا کچھ لشکر ملا اور اس کا نہایت شاندار استقبال کر کے لئے چلا۔ بجھرا اب تک سیم کے اپنے لشکر کے کھانے پینے کی تکلیف اٹھا تا چلا آ رہا تھا کیونکہ وہ بے ہر و سامان کی حالت میں بھاگے تھے رسد کی قسم سے کچھ بھی ساتھ نہ لائے تھے راستہ میں جس قدر آبادی ملی وہ غیر آباد تھی مسلمانوں کے خوف سے لوگ گھر باکھیتی کیاری وغیرہ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ ایسے راستہ میں کچھ نہ ملا تھا لیکن کی سرحد میں داخل ہوئے ہی استقبال کرنے والے لشکر نے تمام سامان فہیا کر دیا تھا اور اب وہ اطمینان سے سیم کی طرف بڑھنے لگے تھے تقریباً دو میل چل کر وہ کبہ ندی کے ایک کنارے پر پہنچ گئے اس ندی کے کنارہ پر بدہیمہ کا دارالخلافہ سیم تھا۔ سیم کی عمارتیں دور سے نظر آ رہی تھیں جب یہ قلعہ کے نزدیک پہنچے تو کا کا خود ان کا استقبال کے لئے راجہ پانی سے نکل آیا۔

کا کا اڈھیر عمر کا آدمی تھا۔ باحوصلہ اور اقبال مند آدمی تھا۔ اس نے نہایت شان کے ساتھ بجھرا کا استقبال کیا۔ بجھرا کو یہ توقع نہ تھی کہ کا کا اس کی اس قدر عزت کرے گا۔ جس قدر کہ اس نے کی بلکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ اسے تکلیف نہ دیگا۔ مگر جب اس نے اس کا رویہ دیکھا تو وہ

اس کا بے حد مشکور ہوا۔ چنانچہ اس وقت یہ دونوں راجہ ایک دوسرے سے ملے تو بچھرانے
 کہا میں آپ کی انکی گرم گہستری کا جو کہ آپ نے میرے لئے ہر ممکن آسائش بہم پہنچانے کے
 کی ہے۔ بے حد ممنون ہوں۔ کا کانے کہا اس میں ممنونیت کی کیا بات ہے آپ بھی راجہ ہیں
 میں بھی راجہ ہوں آپ پر اپنی (مصیبت) آپڑی ہے میرا فرض ہے کہ میں آپ کی ہر ممکن
 امداد کروں۔

بچھرا۔ ہندوؤں میں یہی بات تو نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو کسی ابتلا میں
 ملا دیں اگر یہ بات ہو جائے تو پھر ایک ہندو بھی مبتلائے عالم نہ ہوں۔

کا کا۔ یہ ہماری خود غرضی ہے۔ ہندو کسی ایک مذہب کو نہیں ملتے کوئی ساتھی
 ہے کوئی جینی کوئی ناستک (خدا کو نہ ماننے والے) ہیں غرضیکہ سینکڑوں مت (مذہب یا طریقے)
 ہیں پھر ہمدردی کیسے ہو؟

بچھرا۔ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں چونکہ سینکڑوں مذہب ہونے کی وجہ سے
 ہندوؤں کے ٹکڑے ہو گئے ہیں اس لئے وہ کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔
 کا کا۔ یہی بات ہے آپ نے مسلمانوں سے ناحق جنگ چھڑی

بچھرا۔ میں نے خود جنگ نہیں کی بلکہ وہ کم بخت خود ہی میرے قلعہ پر آچڑھے۔
 کا کا۔ آپ کو ان سے فوراً صلح کر لینی چاہیے تھی۔

بچھرا۔ آپ مجھے جانتے ہیں کہ میدان جنگ سے ہٹنا یا کسی سے ڈرنا ہی نہیں جانتا چنانچہ
 مسلمانوں سے بھی نہ ڈرا اور ان سے لڑا۔ اس وقت تک لڑا جب تک کہ ایک سپاہی بھی زندہ رہا۔
 بچھرا میں اور کوئی بات ہو نہ ہو لیکن شیخی ضرور تھی اس بیچارے نے قریب سے مسلمانوں
 کی صورتیں بھی نہ دیکھی تھیں لڑنا تو کیا اپنے سپاہیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر خود بھی بھاگ آیا تھا۔
 مگر کا کا سے اپنی دلیری کی ڈھینگیں مار رہا تھا۔ کا کانے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو آپ کا
 تمام لشکر کام آگیا۔

بچھرا۔ جی ہاں قریب قریب سارا ہی لشکر مارا گیا۔ صرف یہی لشکر باقی بچا ہے جو میں
 ہمراہ لے آیا ہوں۔

کا کا۔ آپ کے پاس کس قدر لشکر تھا۔

بچھرا۔ بیس ہزار۔

کا کا۔ اور مسلمان کتنے تھے۔

بجہرا۔ میں نے شمار نہیں کیا شاید اتنے ہی وہ بھی ہوں۔

کا کا۔ مگر میں نے تو سنا ہے کہ محمد قاسم کے ہمراہ چھ ہزار لشکر آیا ہے۔

بجہرا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ میں نے شمار نہیں کیا ممکن ہے کہ اتنے ہی ہوں۔

اب یہ سیم کے قلعہ میں داخل ہو گئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کا کا نے تمام قلعہ

بجہرا کے آنے کی اطلاع کرا دی تھی۔ کیونکہ جو بھی یہ لوگ قلعہ میں داخل ہوئے ہر طرف سے ان

ان کے استقبال کے لئے اٹھ آئے۔ مرد عورتیں لڑکے اور لڑکیاں وغیرہ سب ہی تھے مردوں میں

سب صرف ایک ایک رہتی پہنے ہوئے تھے عورتیں اور لڑکیاں گھنٹوں سے ذرا نیچے

دھوتیاں کئے اور انگیاں پہنے تھیں اس مختصر لباس میں ستر پوشی کا حقہ طریقہ سے نہ ہو رہی

اور پکے بالکل ننگے تھے بعض جو ذرا بڑے ہو گئے تھے وہ لنگوٹ کئے ہوئے تھے جو

ان لوگوں نے بجہرا کو دیکھا تو فوراً جھک گئے اور مہاراج بجہرا کی جے کے لعرے لگانے لگے

تھے۔ بجہرا اور اس کی رانی اس شان سے اپنا استقبال کئے جانے سے بہت مسرور ہوئے

کا کا انہیں ہمراہ لے کر اپنے محل میں پہنچا۔ لشکر چھاؤنی میں ٹھہرایا گیا اور راجہ۔ رانی اور اس کے

بچے و وزیر سب محل میں ٹھہرائے گئے۔

اس طرح بجہرا اپنے عزیز و قار اور تاج و تخت کو کھو کر کا کا بہان بن کر وہاں رہنے لگا

ایک دن کا کا دربار کر رہا تھا کہ اہالیان دربار بجہرا اور اس کا وزیر سب مقیم تھے کہ چند جاٹ

آئے اور انہوں نے آتے ہی کہا فریاد ہے۔ تمام درباری بجہرا اور کا کا سب ان کی طرف

دیکھنے لگے وہ کل پانچ آدمی تھے۔ موٹے گاڑھے کمرل دے کر اس کی پگڑیاں باندھتے تھے دعوت

کی دھوتیاں کئے ہوئے تھے۔ باقی جسم ننگے تھے وہ کا کا کی طرف بڑھنے لگے اور تمام درباری

ان کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

تائید غیبی

کا کاچاندی کے تخت پر بیٹھا تھا تخت میں گز اوپے چوڑے پر تھا اس کے پاس ہی بچہرا بیٹھا تھا۔ تخت کے قریب چند ایک کرسیاں پڑی تھیں ان کرسیوں میں سے ایک پر بچہرا کا وزیر دوسری پر کا کا کا سپہ سالار پہن بیٹھا تھا۔ آج اس کا وزیر غیر حاضر تھا۔ باقی تمام درباری چوڑے سے نیچے کرسیوں پر بیٹھے تھے یہ کرسیاں عجیب اور بھدی قسم کی تھیں دربار کا کمرہ نہایت وسیع تھا۔ مگر چھت نیچی تھی۔ تمام درباری دونوں لاجہ تمام افسر ابدار موتیوں کے ہار گلے میں ڈالے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ نیم برہنہ تھے اس لئے برہنگی کو باروں سے چھپایا گیا تھا۔ ہندوؤں کی تہذیب و معاشرت کوئی نہ تھی معاشرت تو یہ تھی کہ وہ نیم برہنہ رہتے تھے معمولی دہات کی کٹوریوں میں کھلتے تھے عورتیں اور مرد سب بنگے رہتے تھے تہذیب یہ تھی کہ سگی بہنوں سے شادی کر لیتے تھے۔

جب جاٹ تخت کی طرف بڑھنے لگے تو تمام دربار میں سناٹا چھا گیا شخص یہ معلوم کرنے کے لئے بے قرار نظر آنے لگا کہ یہ کون لوگ میں کہاں ہے آئے ہیں اور کیا کسنا چاہتے ہیں۔ جاٹ چوڑے کے قریب پہنچ کر سلام کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔

کا کا نے سلام لے کر دریافت کیا تم لوگ کون ہو!

فوراً جاٹ اٹھے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک بڑھے نے کہا انداتا ہم جاٹ ہیں۔

کا کا۔ کہاں سے آئے ہو تم؟

بڑھا۔ ہم نیلیان کے رہنے والے ہیں اور وہیں سے آئے ہیں۔

نیلیان دریائے کمبہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جو سیم سے چند میل کے ہی فاصلے پر

واقع تھا۔ کاکا تے دریافت کیا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

بڈھا۔ انداتا نیلبان پر پلکش مسلمان آگئے ہیں۔

اس بات کے سننے سے تمام درباری حیرت سے بڑھے کو دیکھنے لگے کاکا اور بچہرا کو

تعجب ہوا۔ کاکا نے پوچھا مسلمان وہاں کب آئے؟

بڈھا۔ آج صبح آئے ہیں حضور

کاکا۔ کس قدر لشکر ہے؟

بڈھا۔ کچھ زیادہ لشکر نہیں ہے پانچ یا چھ ہزار ہوگا۔

کاکا۔ کیا انہوں نے نیلیان کو لوٹ لیا۔

بڈھا۔ نہیں انداتا وہ شہر سے باہر پڑے ہیں کچھ لوگ شہر کے اندر رسد لینے گئے

تھے۔ مگر دکانداروں نے انہیں دیکھتے ہی دکانیں بند کر لیں اور رسد نہ دی۔

کاکا۔ اور اس لئے انہوں نے دکانیں لوٹ لیں

بڈھا۔ نہیں مہاراج وہ واپس چلے گئے۔

کاکا۔ کس قدر شرافت کی ہے انہوں نے۔

بچہرا نے بگڑ کر کہا! اس میں شرافت کی کیا بات ہے؟

کاکا۔ دنیا بھر کی قوموں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب رسد قیمت سے نہیں ملتی تو وہ لوٹ

لیا کرتے ہیں اور خود ہندو ایسا ہی کرتے ہیں۔

بچہرا۔ وہ شاید ہندوؤں سے ڈر گئے ہوں گے۔

کاکا نے ہنس کر کہا اگر وہ ڈرتے تو ہمارے ملک پر چڑھ کر کیوں آتے دراصل ہمارا

داہرنے یہ اچھا نہ کیا کہ چند مسلمانوں کو قید کر کے ان کی قوم کے دلوں کو دکھایا۔ شاید وہ یہ سمجھتے تھے

کہ جس طرح ہندوؤں پر خواہ کوئی قوم کسی قدر مظالم کیوں نہ کرے ہندو اس کی جبر تک نہیں لیتے

اسی طرح سے مسلمانوں کو بھی کوئی نہ پوچھے گا۔ مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ مسلمان ایک دوسرے

کو بھائی سمجھتے ہیں اور وہ مسلم اسیروں کو رہائی دلانے بغیر ہرگز نہ رہیں گے جس وقت مسلمانوں کا قاصد

قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرنے آیا تھا کاش وہ اسی تمام قیدیوں کو چھوڑ دیتے: بچہرا نے جوش میں آکر کہا نہیں بلکہ قاصد

کے سامنے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے کاکا نے سنجیدگی سے کہا اگر ایسا کیا جاتا تو مسلمانوں کے آئینی شان ہی اور ہوتی۔

بچہرا۔ کیا شان ہوتی؟

کا کا۔ اب تو وہ شخص ان لوگوں سے لڑتے ہیں جو ہتھیار بند ہوتے ہیں اور انہیں ہی قتل کرتے ہیں لیکن اس وقت وہ ہر اس ہندو کو مار ڈالتے جو ان کے سامنے آجاتا۔ تمام کھیتوں کو جلا دیتے آبادیوں کو بھونک دیتے جہاں سے جہاں تک بھی جاتے ویرانی اور بربادی پھیلاتے جاتے۔

بچہرا۔ اور وہ اس لئے اچھا ہوتا کہ بزدل ہندو بربادی اور قتل کے خوف سے جان توڑتے ہوئے مقابلہ کرتے۔

کا کا۔ ہندوؤں میں یہ حوصلہ ہی کب ہے یہ تو فل مپانا ہی جانتے ہیں۔ لڑنے سے تو ان کی روح گھبراتی ہے۔

اب کا کا نے بڑے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اچھا پھر تم کس لئے آئے ہو۔

بڑھا۔ آپ سے امداد چاہیے۔

کا کا۔ کیسی امداد۔

بڑھا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں وہ کسی بات سے ناراض ہو کر شہر کو تہ لڑیں۔

کا کا۔ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو وہ کبھی نہ لڑیں گے۔

اب بچہرا کا دزیر کھڑا ہوا اس نے کہا۔ ہمارا ج یہ تو سچ ہے کہ مسلمان شہر کو نہیں لڑیں مگر وہ وہاں سے بڑھ کر سیم پر حملہ کر دیں گے پہن نے اٹھ کر کہا اور جب وہ قلعہ کے سامنے آجائیں گے تب بجز قلعہ میں چھپ کر بیٹھنے کے اور کچھ نہ ہو سکے گا۔

کا کا۔ پھر کیا مشاہدے تمہارا۔

پہن۔ مسلمانوں پر لشکر کشی کی جائے۔

کا کا۔ کیا فائدہ ہوگا۔ پرانے جوتھیوں اور منجھوں نے قدیم کتابوں میں یہ لکھ

دیا ہے کہ اس ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

پہن۔ کھا ہے مگر یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ہم بغیر ہاتھ پیر بلائے بغیر لڑے

بھڑے بغیر دلوں کے حوصلے نکالے ملک ان کے حوالے کر دیں۔

کا کا۔ مگر جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ جس طرح دیبل اور بہرج پر ہندو

مارے گئے یہاں بھی مارے جائیں۔

پہن۔ ویر (بہادر) مارے جانے کے لئے ہی ہوتے ہیں یہ پوتر بھومی

(مقدس زمین) مسلمانوں کے نحس قدموں سے ناپاک نہیں ہونی چاہیے۔
بھرانے کہا ہمارا ج بالکل درست ہے اگر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا گیا۔ تو وہ تمام ملک
فتح کر لیں گے۔

کاکا۔ اگر مقابلہ کیا گیا تو بہت دیر بھی قتل ہوں گے غلام بھی بنیں گے اور ملک بھی کھو دینگے
بھرا۔ اگر دیبل اور بھرنج پر ہمیں شکست ہوئی تو ممکن ہے کہ ہم ان کو میسم پر
ہزیمت دے دیوں۔

کاکا۔ ناممکن ہے آج ان کا اقبال یاد رہے ان کا خدا ان کی مدد کرتا ہے۔
پہمن۔ تو بھرا ان دانا کا کیا منشا ہے۔

کاکا۔ جو کوئی مسلمانوں سے صلح کرتا ہے وہ اس کا ملک اس کے پاس باقی رہنے دیتے
ہیں نیرون کے راجہ سامنی نے صلح کر کے اپنا ملک پچالیا میں بھی صلح کر کے اپنی رعایا اور اپنا ملک بچا
لوں گا۔

بھرا۔ مگر یہ تو بڑے ذلت کی بات ہوگی۔

کاکا۔ اور بڑا شکست کھانے ہی سے کون سی عزت ملے گی۔

پہمن۔ اچھا حضور ایک کام کریں۔

کاکا۔ کیا؟

پہمن۔ حضور مجھے اجازت دیں تاکہ میں کچھ لشکر لے کر مسلمانوں پر شجور ماروں۔

کاکا۔ کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔

پہمن۔ اگر کوئی اچھا نتیجہ نہ نکلا تو پھر حضور صلح کر لیں۔

بھرا۔ سپہ سالار کی رائے معقول ہے اسے آپ کو منظور کر لیتا چلیے۔

کاکا۔ مجھے خدشہ ہے کہ مبادا محمد قاسم پھر صلح سے انکار نہ کر دے۔

بھرا۔ نہیں وہ صلح کا حربہ ہے پھر بھی صلح کر لے گا۔

پہمن۔ ہمارا ج اگر ہماری تدبیر کارگر ہو گئی اور ہم نے مسلمانوں کو ہزیمت دے دی۔

تو تمام دنیا میں ہماری دصوم مچ جائے گی۔ مرد ہماری تعریف کریں گے اور عورتیں مدتوں تک
ہماری تعریف کے گیت گاتی رہیں گی۔

کاکا۔ میں دل سے اس بات کو نہیں چاہتا لیکن اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو کرو۔ میں منع

بھی نہیں کرتا۔

تمام درباری اس بات کو سن کر خوش ہو گئے۔ پھین نے اسی وقت چند ایک بہادر سرداروں کو منتخب کر کے ایک ہزار بہادر سواروں کا دستہ علیحدہ کر دیا۔ دربار پر خاست ہو گیا اور سب اٹھ کر چلے گئے۔ پھین نے سرداروں اور سپاہیوں کو مسلح ہو کر دن بھینے کے فوراً ہی بعد قلعہ کے باہر جمع ہونے کا حکم دیا تیاریاں شروع ہو گئی تھیں جب آفتاب غروب ہو گیا تب لوگ اکٹھے ہوئے پھر بھی آگیا اور اس نے کہا مسلمانوں نے میرے تاج و تخت ملک و مال وغیرہ تمام چھین لئے ہیں میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں اس لئے تمہارے ساتھ چلوں گا۔ پھر اکی شرکت سے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ نیلیان کی طرف روانہ ہوئے رات اندھیری تھی چاند کی ابتدائی تاریکیں۔ ابتدائے شب میں چاند نکل کر چھپ گیا تھا ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا ایسا اندھیرا کہ چند قدم کے فاصلے کی چیزیں نظر نہ آتی تھیں یہ لشکر تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ہوائی تیزی سے چلنے لگی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ہوا قدر سے گرم تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں بادل اٹھ کر آسمان پر محیط ہو گئے بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگا اب اور بھی اندھیرا پھیل گیا کہ آنکھوں کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ مگر دلیر سوار اب بھی چل رہے اگرچہ انہیں راستہ نظر نہ آ رہا تھا۔ مگر بغیر راستہ دیکھے ہی بڑھ رہے تھے خدا جانے کب تک چلتے رہے جب بادل چھٹا اور اجالا ہوا تو انہوں نے سامنے ایک قلعہ دیکھا۔ جب غور سے نظر کی تو معلوم ہوا کہ سیم کا قلعہ ہے گویا تمام شب چلتے رہنے پر بھی صبح کو اسی قلعہ کے سامنے کھڑے تھے جس قلعہ سے رات کو نکل کر گئے تھے۔ بسکو حد درجہ افسوس ہوا کہ رات کی تمام محنت بیکار گئی مجبور ہو کر وہ قلعہ میں داخل ہونے کیلئے بڑھے ابھی وہ دروازہ کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ ایک آواز آئی ہندو ویرو (بہادرو) ٹھہر سب ٹھہر گئے اور نگہ اٹھا کر دیکھنے لگے سامنے سے ہو گئی آ رہی تھی اس کے غبار آلود پریشان بال اس کے چہرہ اور کندھوں پر پڑے تھے وہ ہرنی کی کھال اپنے جسم سے لپیٹے بڑھی چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ تمام اہل سندھ اسے بخوبی جانتے تھے اس لئے یہ لوگ بھی واقف تھے انہوں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ تمام کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

۱۷ پھین ایک ہزار جاؤں کو لے کر پھر اکی محبت میں چلا تمام شب چلتا رہا۔ جنگوں میں سرمارتا پھر جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ سیم کے سامنے کھڑا ہے گویا قدرت نے اس کے شیخون مارنے کی سعی بیکار کر دی۔
(از تاریخ ہند صفحہ ۱۳۰)

نیک دل کا کا

جو گنی کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور اس کے سہارے سے چل رہی تھی جب وہ ان کے قریب پہنچی تو سارے ہندو اس کے سلام کے لئے جھک گئے جو گنی کو کوئی بھی اس لئے سلام نہ کرتا تھا کہ وہ اسے قابل تعظیم سمجھتا تھا بلکہ اس سے ڈرنے کی وجہ سے سلام کرتے تھے ڈر کی وجہ یہ تھی کہ ہندو اوہام پرست تھے وہ جو گنی کو مافوق الفطرت ہستی سمجھتے تھے یا ایسی جادوگرنی سمجھتے تھے جس کے قبضہ میں بھوت اور پریت ہوں اور وہ ان سے جسے چاہے نقصان پہنچا دے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ انسان پھر انسان ہی ہے انسانوں سے بالاتر نہیں ہو سکتا بھوت پریت کوئی چیز نہیں ہیں نہ وہ نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں عام ہندوؤں کا یہ خیال تھا اور ہے کہ بعض خبیث روہیں بھوت بن جاتی ہیں اور وہ انسانوں کو ستانے لگ جاتی ہیں ہندو تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد کسی نہ کسی جون میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر انسان نے اچھے کرم (عمل) کئے ہیں تو اچھی جون میں جائے گا اور بُرے کئے ہیں تو بری جون میں جنم لیتا ہے مثلاً انسان ہی سر کر گھوڑا۔ گدھا۔ بیل۔ کتا۔ سوئر۔ بلی۔ بندر۔ ریچھ۔ ہاتھی۔ گائے۔ کیڑے۔ کوڑے جانور اور سب کچھ بن جاتا ہے اور یہ چیزیں مگر انسان بن جاتی ہیں گویا جو انسان مر جاتا ہے وہ اپنے کرموں کے (اعمال کے) انوار (مطابق) اچھی یا بری جون میں جاتا ہے ان کا یہ اعتقاد اس وجہ سے ہوا ہے کہ دنیا میں امیر غریب۔ وزیر بادشاہ۔ تندرست بیمار۔ لنگڑے لوسے اور اندھے اچھے سب ہی قسم کے لوگ اسی لئے ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پچھلے جنم میں کچھ بد اعمالیاں کی ہوتی ہیں اور ان کی سزائیں انہیں ملتی ہیں مگر انہوں نے کبھی اس بات غور نہیں کیا کہ یہ دنیا جس وقت پیدا ہوئی تھی اس وقت گھوڑے گدھے۔ بیل اور خچر غرضیکہ تمام جانور چرند۔ پرند۔ درندے۔ گوندے۔ حشرات الارض۔ معذور انسان اور اچھے انسان۔ امیر غریب اور سب ہی قسم کے تھے نہ انسان

گدھا بن سکتا ہے اور نہ گدھا انسان بن سکتا ہے یہ قدرت کا کارخانہ ہے اسی طرح رہتا چلا آیا ہے اور اسی طرح رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اسی حالت میں رہتے ہوئے فنا ہو جائے گا۔ خدا نے جسے چاہا بنا دیا اگر سب اچھے ہوں اور برے اور معذور نہ ہوں یا بیمار نہ پڑیں یا نہ مریں تو خدا کو کون اور کیوں یاد کرے یا اگر سب امیر ہوں اور غریب نہ ہوں تو دنیا کے کام کیسے چلیں ضرورت ہے سوچنے اور سمجھنے کی جو غور کرتے ہیں سمجھ جاتے ہیں ہندوؤں کا یہ عقیدہ کہ انسان کو برے اعمال کی منہا ضرورت ملے گی ایشور معاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ معاف کر دے تو ظالم ہے (فَعُوذُ بِاللّٰهِ) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان کے ایشور کو کوئی طاقت ہی نہیں ہے نہ وہ معاف کر سکتا ہے نہ رنجوں کو کسی جوں میں جانے سے روک سکتا ہے کس قدر لہجہ خیال ہے پھر ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سے ان کا ایشور ہے اسی وقت سے روح اور مادہ ہیں گو یا خدا نے روح اور مادہ کو پیدا ہی نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ایشور جسے وہ خدا سے تعبیر کرتے ہیں روح اور مادے کو پیدا کرتا تو وہ سب سے اول ہوتا اور روح اور مادہ اس کے پیدا کئے ہوتے مگر وہ ایسا نہیں ملتے ہیں جب سے خدا تب سے روح اور مادہ جب خدا نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا تو ضرور کسی اور ہستی نے پیدا کیا۔ بغیر پیدا کئے ہوئے ان دونوں کا وجود نہیں ہو سکتا تو جس نے پیدا کیا اصل خدا ہی ہے نہ کہ ہندوؤں کا ایشور وہ خدا ہے جس نے روح اور مادے کو پیدا ہی نہیں کیا۔ مسلمان خدا اسی کو مانتے ہیں جس نے روح اور مادہ بلکہ کائنات کی ہر چیز پیدا کی اب خیال کرو کہ ہندوؤں کا ایشور وہ خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ ہر ایک چیز روح اور مادے سے بنی ہے اور روح اور مادہ بھی ایشور نے پیدا نہیں کئے۔ اس لئے کہ جب سے ایشور تب سے روح اور مادہ یا مسلمانوں کا خدا وہ خدا ہے جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے جو کہ ازل سے ہے اور اب تک رہے گا جو ہر چیز پر قادر ہے جو بد اعمالیوں کی سزا دے کر دوزخ میں ڈالے گا اور تیکوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ جسے گناہوں کو معاف کرنے کی قدرت بھی ہے ہم اس موضوع پر ذرا وضاحت سے لکھنا چاہتے تھے لیکن ناول کے ضخیم ہو جانے کے خوف سے تھوڑے ہی پر اکتفا کرتے ہیں جب ہندو جو گنی کو سلام کر کے سیدھے کھڑے ہو گئے تب جو گنی نے کہا تم مسلمانوں پر شیخون مارنے گئے تھے۔

پہن نے کہا جی ہاں !

جو گنی - کیا تمہارا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دو گے ؟

پہن۔ ہاں یہی خیال تھا!

جوگنی۔ اپنے ملک و قوم اور اپنے مذہب کے ساتھ دشمنی نہ کرو۔ مجھے میرے چاچوں
یہ بتایا ہے کہ مسلمان فتح یاب ہو کر رہیں گے اگر تم بھلائی چاہتے ہو تو ان سے صلح کرو۔
پہن۔ لیکن ماتا جی ہماری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی۔

جوگنی ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ جب تم لڑو گے تو ایک قوم کا ماتاں کرادو گے۔

یہ کہتے ہی جوگنی پر غضب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے چلی گئی۔ چونکہ اس سے سب
ڈرتے تھے اس لئے کسی کو اسے روکنے یا اس سے باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوئی جب وہ دور نکل
گئے تب یہ لوگ چلے قلعہ میں داخل ہوئے شکر بارگاہوں کی طرف چلا اور پہن اور بھرا دو توں کا کالکا
خدمت میں حاضر ہوئے۔ کاکا صبح ہی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جب یہ لوگ سلام کر کے بیٹھ گئے۔
تب اس نے دریافت کیا۔ کہنے آپ کی مہم کامیاب ہوئی۔ پہن نے جواب دیا۔ اندانا نہیں۔
کاکا۔ کیوں!

پہن۔ اس لئے کہ ہم مسلمانوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔

کاکا نے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کیا وجہ حال ہوگئی۔

پہن۔ ایک تو رات اندھیری تھی دوسرے گھٹا چھا گئی تھا اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ راستہ
ہی نظر نہ آیا۔ رات بھر بھٹکتے اور ٹکراتے پھرے۔ صبح کو جب دیکھا تو سیسم کے قلعہ کے
سامنے کھڑے تھے۔

کاکا۔ کیا اس سے بھی تم نہ سمجھے کہ مسلمانوں کا نصیب بدو رہے۔

پہن۔ ہماری ناکامی سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بھرانے کہا۔ یہ بات نہیں ہے یہ ایک اتفاق تھا کہ رات گھٹا چھا گیا وجہ سے اندھیرا اس
قدر پھیل گیا تھا کہ راستہ نظر نہ آیا اور ہم اسی قلعہ کے گرد چکر کاٹتے پھرے اگر آج کوشش کریں تو ضرور
کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کاکا۔ ناممکن ہے آپ کے ہمراہ ایک ہزار سوار تھے ایک ہزار سواروں کی دو ہزار آنکھیں
ہوتی ہیں کیا اتنی آنکھوں کو بھی راستہ نظر نہ آیا؟

پہن۔ مہاراج جوگنی بھی ملی تھی۔

کاکا نے چونک کر دریافت کیا۔ کب اور کہاں۔

یہمن۔ ابھی صبح ہوتے ہی قلعہ کے دروازہ پر

کا کا۔ کیا کہتی تھی وہ۔

یہمن۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر تم ملک و قوم کی بھلائی چاہتے ہو تو مسلمانوں سے صلح کر لو۔

کا کا۔ نیک مشورہ یہی ہے۔

بجھرا۔ مگر نہیں یہ بڑی بزدلی ہے۔

کا کا۔ کچھ ہو میں صلح ہی میں عافیت سمجھتا ہوں۔

بجھرا۔ مگر ایک مرتبہ تو قسمت آزمائی کا اور موقعہ دیکھئے۔

کا کا۔ اب موقعہ ہی کہاں رہا ہے آج دن پھینے سے پہلے ہی اسلامی لشکر قلعہ کے سامنے

آجائے گا۔

بجھرا۔ آجانے دیجئے جب وہ رات کو آرام و اطمینان سے سو جائیں ہم اس وقت شیخون

ماریں۔

کا کا۔ لا حاصل ہے ان کا خدا ان کی حفاظت کر رہا ہے

بجھرا۔ اور ہمارے دیوی دیوتا

کا کا۔ ہم سے ناخوش ہو گئے ہیں

بجھرا۔ لیکن اگر آپ نے صلح کرنی تو ہمارا جہد و اہر کیا کریں گے

کا کا۔ وہ کچھ بھی کریں میں ان کی وجہ سے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی رعایا کو تباہ نہیں کر سکتا

بجھرا۔ لیکن جو لوگ آپ کے ملک پر حملہ کر رہے ہیں وہ کیوں آپ سے صلح کریں گے۔

کا کا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ محمد قاسم فضول خونریزی کو پسند نہیں کرتا وہ صلح کے خواہش مندوں

سے فوراً صلح کر لیتا ہے۔

بجھرا۔ محمد قاسم ایک سترہ سالہ بچہ ہے کیا یہ بات شرم کے قابل نہ ہوگی۔ آپ ایک کس

بچہ سے ڈر کر اس سے صلح کر رہے ہیں۔

کا کا۔ آج اس بچہ کا اقبال یاور ہے اس نے دیل کو فتح کر لیا ہے آپ ملک فتح کر کے

آپ کو بے دخل کر دیا ہے ایسے شیر دل فاتح سے صلح کرنے میں کیا شرم ہو سکتی ہے۔

دراصل بجھرا نہ چاہتا تھا کہ کا کا محمد قاسم سے صلح کر لے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی حکومت چھین

گئی تھی وہ چاہتا تھا کہ یا تو کا کا کی حکومت بھی چھین جائے یا وہ مسلمانوں کو شکست دے دے

اور اس طرح اس کی سلطنت پھر اسے مل جائے اس لئے وہ اسے اشتعال و لاؤ لگا کر لٹائی پر
 برا لگتے کر رہا تھا مگر کاکا کے دل میں صلح کی خواہش تھی اور اس لئے وہ صلح پر آمادہ تھا۔ جب بھرا
 کی تمام کوششیں بیسو دا اور باکارت گئیں تو کچھ ناخوش ہو گیا تھا اور چلا گیا اس کے جانتے ہی
 کاکا نے اپنے تمام معمول کو طلب کر کے ان سے کہہ دیا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کر لو تا ہی مناسب سمجھتا ہے
 کاکا کو سب جانب الرائے اور پختہ کار سمجھتے تھے کسی نے بھی اس کی رائے کی مخالفت نہ
 کی۔ چنانچہ کاکا ان سب کو اپنے ہمراہ لے کر محل سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ قلعہ
 سے باہر آتے ہی یہ لوگ نیلوان کی طرف چل پڑے چلتے رہے۔ چند ہی میل چل کر انہیں سامنے
 سے عبا ر اڑتا ہوا نظر آیا جو کہ ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اسلامی لشکر آ
 رہا ہے ان کے ساتھ صرف اڑھائی سو سواروں کا دستہ تھا۔ کاکا کے ہمراہ بیولہ کو اندیشہ ہوا کہ
 مبادا مسلمان ان پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ اندیشہ کاکا پر ظاہر کیا۔ کاکا نے کہا۔ الینان
 دکھو مسلمان ایسے نہیں ہیں وہ کسی ملک یا کسی شہر پر بلاوجہ حملہ نہیں کرتے ہمیں نے کہا لیکن ہمارے
 قلعہ پر تو بلاوجہ ہی حملہ کر رہے ہیں۔

کاکا۔ بلاوجہ نہیں بھرا ان کے مقابلہ سے شکست کھا کر ہمارے قلعہ میں پناہ گزیں
 ہوا ہے اس وجہ سے وہ ہم پر حملہ کر رہے ہیں۔

پہن۔ اگر ہم بھرا کو پناہ نہ دیتے؟

کاکا۔ تو وہ الود کو چھوڑ کر ہم پر حملہ آور نہ ہوتے۔

پہن۔ اگر ہم بھرا کو ان کے سپرد کر دیں

کاکا۔ تو میل خیال ہے کہ فوراً وہ واپس لوٹ جائیں گے۔

یہ لوگ بڑھے چلے جا رہے تھے اب گرد و عبا ر کا دامن چاک ہو گیا تھا۔ شیران اسلام
 اپنی مخصوص پوشاک میں نظر آنے لگے تھے انہوں نے بھی کاکا اور اس کے ہمراہیوں کو دیکھ لیا تھا
 مگر انہیں دیکھ کر بھی ان کی رفتار میں کمی نہ آئی تھی کاکا نے کہا تم نے دیکھا کہ مسلمان کیسی بے خوفی سے
 دشمن کے ملک میں گھسے چلے آ رہے ہیں۔

پہن نے کہا۔ حقیقت میں ان کی جرأت قابل رشک ہے چونکہ دونوں فریق بڑھ رہے تھے۔
 اس لئے ان کا ہر قدم انہیں ایک دوسرے کے قریب کرتا جا رہا تھا اور کاکا کے ہمراہی خوف
 بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

حیرت

جب کاکا اور اس کے ہمراہی بہادر عرب مجاہدوں کے پاس پہنچے تو دونوں لشکر رک گئے۔ اسلامی لشکر میں سے ایک شخص بڑھ کر کاکا کے پاس آیا یہ نبانہ تھا حنظلہ کا بیٹا اس نے آکر کاکا سے دریافت کیا غالباً آپ راجہ ہیں؟ کاکا نے پوچھا تم نے کس طرح پہچانا؟ اس وقت کاکا تاج نہ اوڑھے تھا نبانہ نے کہا ابیدار موتیوں کے ہاروں سے جو آپ پہنے ہوئے ہیں۔

کاکا۔ تمہارا خیال صحیح ہے میں سیم کا تاجدار ہوں میرا نام کاکا ہے۔

نبانہ۔ بہت خوب کیا آپ بارادہ جنگ آئے ہیں

کاکا۔ نہیں! اگر میں جنگ کے ارادہ سے آتا تو کیا اتنا ہی فدا سا لشکر ہمراہ لانا۔

نبانہ۔ تو آپ صلح کرنے کے خیال سے آئے ہیں؟

کاکا۔ ہاں

نبانہ۔ کیا بھرا کو آپ نے اپنی راجدھانی سے نکال دیا ہے۔

کاکا۔ نہیں میں آپ اسے نکال دینگا تمہارا نام کیا ہے۔

نبانہ۔ میرا نام نبانہ ہے۔

کاکا۔ کیا تمہیں صلح کرنے کا اختیار ہے؟

نبانہ۔ نہیں بغیر ہمارے سپہ سالار محمد قاسم کے حکم کے نہ صلح ہو سکتی ہے نہ لڑائی۔

کاکا۔ اور محمد قاسم کس بچہ ہے۔

نبانہ۔ جی ہاں وہ سترہ سال کے نو عمر سپہ سالار ہیں۔

کاکا۔ تعجب ہے کہ تم لوگ ایک بچہ کی اطاعت کر رہے ہو۔

نبانہ۔ ہماری قوم کا یہ دستور ہے کہ ہمارے خلیفہ کا قائم مقام جس شخص کو سپہ سالار مقرر کر دیتا ہے۔

تمام لشکر اس کی اطاعت کرتا ہے۔

کاکا۔ چاہے وہ ادنیٰ درجے کا ہی کیوں نہ ہو۔

بنانہ۔ ہمارے یہاں قوم میں درجہ وغیرہ مقرر نہیں ہے جو شخص بھی مسلمان ہو جائے وہ ہمارا بھائی بن جاتا ہے اور بھائیوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کیا۔

کاکا۔ اچھا تمہارا سپہ سالار کہاں ہے۔

بنانہ۔ غالباً وہ بھی چل پڑے ہوں گے اور اب آنے والے ہی ہوں گے

کاکا۔ کیا تم مجھے ان کے پاس لے چلو گے۔

بنانہ۔ بڑی خوشی سے

بنانہ نے اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دے دیا اور خود چار اور مسلمانوں کو لے کر کاکا اور اس کے ہمراہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ جب یہ لوگ فرادور نکل گئے تب کاکا نے بنانہ سے

کہا تم پانچ آدمی ہمارے ہمراہ آگے آگے آکر ہم تم پر حملہ کر دیں؟

بنانہ نے منس کر کہا آپ حملہ کریں گے تو ہم رونا شروع کر دیں گے۔

کاکا۔ مگر تم تو صرف پانچ آدمی ہو اور ہم سینکڑوں ہیں۔

بنانہ۔ پھر کیا ہم مسلمانوں کی آرزو شہادت ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ آپ ہمیں شہید کر ڈالیں گے مگر وہ بھی اس وقت جب کہ ہم آپ کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر ڈالینگے پھر اگر ہم شہید ہو گئے تو نقصان کیا ہے۔

کاکا۔ چونکہ تم شہادت کے طلب گار ہو اس لئے مرنے سے نہیں ڈرتے

بنانہ۔ یہی بات ہے لڑائی ہمارا کھیل اور مرنا ہمارا جینا ہے

کاکا۔ عجیب قوم ہے۔

یہ لوگ کچھ اور دور چلے تھے کہ پھر غبار اٹھتا ہوا نظر آیا۔ کاکا نے دریافت کیا غالباً یہ تمہارے

سپہ سالار ہیں؟ بنانہ نے جواب دیا۔ جی نہیں یہ بھی ایک افسر ہیں محمد قاسم کی طرح تو تمہیں ان کا نام اسلم ہے یہ لوگ چل کر آنے والے لشکر کے قریب پہنچ کر رکے۔ یہ اسلم کے تحت والا لشکر آ رہا تھا انہیں دیکھتے ہی اسلم آگے بڑھا آیا۔ بنانہ نے اسے تمام حال سنا دیا۔ اس نے کہا تمہارے واپس جانے سے کیا فائدہ ہیں ٹھہرو اور سپہ سالار کے آنے کا انتظار کرو۔

بات معقول تھی۔ کاکا کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کمسن لڑکے بہادر بھی ہیں اور عقل مند بھی وہ سب

وہیں رک گئے اور سپہ سالار کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد غبار اڑتا نظر آیا اور جب غبار کا دامن چاک ہوا تو عجل کا لشکر آکر رکا۔ غرضیکہ اس طرح ایک کے بعد ایک سردار آکر دیکھا رہا۔ سب کے بعد محمد قاسم کا لشکر آیا۔ اس کے لشکر کو دیکھتے ہی تمام مسلمانوں نے اشکر اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ اب اسلم اور نہانہ نے کا کا سے کہا۔ سپہ سالار تشریف لے آئے۔ اب چلتے کا کا کو مسلمانوں کی ہر بات سے حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اسلامی لشکر کا نظام نہایت اچھا ہے گفتگو نہایت نرم اور شیریں ہے اخلاق بہت ہی اچھا ہے وہ مع اپنے ساتھیوں کے ان دونوں کے ساتھ چلا جب محمد قاسم کے لشکر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کس لڑکا عربی لباس پہنے اسلامی جھنڈا ہاتھ میں لئے نہایت شان سے گھوڑے پر سوار کھڑے ہے۔

کا کا اور اس کے ساتھیوں نے سمجھ لیا کہ فاتح اعظم محمد قاسم ہے جس نے کہ سندھ میں داخل ہو کر کئی قلعے فتح کر لئے ہیں اور جس کی بہادری کی ہر طرف وہاں بیٹھ گئی ہے اسے محمد قاسم پر رشک آیا۔ چھوٹی سی عمر میں وہ اپنے ملک سے دور غیروں کے ملک میں لڑنیکے لئے آیا تھا۔ محمد قاسم خوب صورت اور مضبوط القوی لڑکا تھا۔ اس کے بشو سے شاندار رعب ظاہر ہوتا تھا۔

اسلم اور نہانہ دونوں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا اس نے سلام کا جواب دے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ کس بات نے تم کو رک جانے پر مجبور کیا ہے؟ اسلم نے کا کا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا آپ سیسم کے راجہ ہیں اور مصالحت کے ارادہ سے آئے ہیں۔ خود محمد قاسم کا کا کی طرف بڑھے۔ کا کا ان کی طرف بڑھا ہوا آ رہا ہوا اس کا دل کچھ مسرت۔ کچھ حیرت اور کچھ عیب سے دبڑکنے لگا۔

جہنمی محمد قاسم اس کے قریب آیا بے اختیار کا کانے اسے سلام کیا۔ محمد قاسم نے سلام کا جواب دے کر کہا۔ خوش آمدید سیسم کے راجہ کا کا۔ اب تک اس کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے کہا میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔

محمد قاسم۔ مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے معاف کیجئے میں سفر کر رہا ہوں اور اس لئے آپ کی مدارات آپ کا شان کے مطابق نہیں کر سکتا اچھا تھوڑی دیر ہم کو قیام کرنا چاہیے۔ یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اس کے اترتے ہی تمام سردار سارے سوار گھوڑوں سے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اسلم نے جلدی سے دو تین زین پوش بچھا دیئے۔ اس عرصہ میں کا کا اس کے ساتھ والے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے۔

محمد قاسم نے کہا اگر چہ یہ زین پوش آپ کے بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں آپ زندگاری میں مسندوں پر بیٹھنے والے ہیں مگر ہم مسلمانوں کے پاس بجز ان زین پوشوں اور کبلوں کے اور کوئی چیز بیٹھنے کے لئے نہیں ہوتی اس لئے نہیں ہوتی اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو تشریف رکھیں گا کا برابر اس کے چہرہ کی طرف ٹٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا۔ جب محمد قاسم باتیں کرتا تھا تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے نظر آتے تھے اس نے کہا اے فاتح سندھ آپ جس جگہ بیٹھ جائیں میرے لئے وہی عزت ہے یہ کہہ کر وہ ایک زین پر بیٹھ گیا اس کے قریب ہی محمد قاسم بھی بیٹھ گیا۔ محمد قاسم نے کہا آپ بھرا کو پناہ دے رہے ہیں۔ یہ اچھا نہیں میرا ارادہ الوری پر لشکر کشی کرنے کا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ بھرا آپ کو ورغلا کر پھر بہر ج پر نہ چڑھالائے اس لئے مجھے پہلے اسی طرف آنا پڑا۔

کا کا۔ میں محبوب ہوں کہ میں نے آپ کے دشمن کو پناہ دی لیکن جب کوئی شخص میرے پاس پناہ مانگے آئے تو بتائیے میرا کیا فرض ہے؟
محمد قاسم۔ یہی کہ آپ اے پناہ دیں۔
کا کا۔ اور اسی لئے مجھے پناہ دینا پڑی۔
محمد قاسم۔ اچھا اب آپ کس ارادہ سے آئے ہیں؟
کا کا۔ صلح کرنے کے ارادہ سے

محمد قاسم نہایت ہی مبارک ارادہ بنے میں بھی خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے اسی لئے داہر کو سمجھانے کے لئے سفیر بھیجے۔ مگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوا اگر وہ ان تمام مسلمانوں کو رہا کر دیتا۔ جنہیں اس نے اسیر کر لیا تھا تو جنگ نہ ہوتی۔
کا کا۔ مگر وہ ایسا کرتے ہی کیوں جیب کسی ملک یا کسی قوم کے پر سے دن آتے ہیں تو عقل ماری جاتی ہے ہماری پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ سندھ کو مسلمان فتح کر لینگے ہم سب اس بات کو بخوبی جانتے ہیں مگر ہماری عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں یا وہ سب کچھ سمجھنے کے پھر صلح کا ہوت نہیں چھکتے اور لڑ کر ملک کو ویران اور قوم کو قتل کر رہے ہیں۔

محمد قاسم۔ کاش آپ کے سے ہی خیالات داہر کے ہوتے۔

کا کا۔ پھر مسلمانوں کا سندھ پر قبضہ کیسے ہوتا۔

محمد قاسم۔ ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا کن شرائط پر آپ صلح کرنا چاہتے ہیں۔

کاکا۔ جن شرائط پر آپ پسند فرمادیں۔
محمد قاسم۔ میں سوائے اس شرط کے کہ آپ بگہرا کو اپنے ملک سے نکال دیں اور کوئی
شرط اپنی طرف سے پیش کرنا نہیں چاہتا۔

کاکا۔ لیکن اگر اب بگہرا بھی آپ سے صلح کرے۔
محمد قاسم۔ تب کوئی شرط باقی نہ رہے گی۔
کاکا۔ گویا آپ اس سے بھی صلح کر لیں گے۔

محمد قاسم۔ ہاں کروں گا۔ اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ داہر کا بھتیجہ ہے جو خود داہر
کی ہے وہی اس کی ہے لیکن اس پر بھی میں اس سے مصالحت کروں گا۔

کاکا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بہت زیادہ نیک طینت اور رحم دل ہیں۔
محمد قاسم۔ اگرچہ دربار خلافت سے ہدایات آرہی ہیں کہ میں صلح کی طرف نہ جھکوں میں
ہوں کہ صلح کو لڑائی سے اچھا اور مناسب سمجھتا ہوں۔

کاکا۔ تعجب ہے کہ آپ اس تھوڑی سی عمر میں نہایت بہادر بے خوف بدر خلیق
اور صلح جو واقع ہوئے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ خدا کی عنایت ہے ورنہ میں ایک ادنیٰ اور کمزور بندہ ہوں۔

کاکا۔ اچھا تو مجھے کس قدر نادان جنگ ادا کرنے پڑے گا۔

محمد قاسم۔ کسی قدر بھی نہیں جب میں آپ سے بلا کسی شرط کے صلح کر رہا ہوں تو پھر
تاوان جنگ کیسا؟

کاکا اور اس کے ساتھ واسے یہ بات سن کر کمال مسرور ہوئے کاکا نے اٹھتے ہوئے
کہا اچھا تو چلئے میں آپ کا سیم پر قبضہ کر ادوں اور پھر اس وقت تک آپ کے ساتھ رہوں
کہ جب تک آپ اور نہ فتح کر لیں۔ محمد قاسم نے اٹھتے ہوئے کہا خدا آپ کو جزائے خیر دے
چلئے۔ یہ سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تمام لشکر کے ساتھ سیم کی طرف چل پڑے۔

چونکہ سیم کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا اس لئے دوپہر کے وقت قلعہ کے سامنے پہنچ گئے
کاکا محمد قاسم اور تمام اسلامی سرداروں کو ہمراہ لے کر قلعہ کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ قلعہ کا
دروازہ بند کر لیا گیا ہے اور سپاہی فصیل پر تیر کمانیں لئے تیروں کی بارش کرنے پر بالکل
آمادہ ہیں کاکا یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا اسے خیال ہوا کہ شاید لوگوں نے یہ سمجھ کر مسلمانوں

صلح سے انکار کر دیا، ہو دروازہ بند کر لیا، اور سپاہی خود بخود یا بھرا کے کتنے سے فصیل پر
 جا چڑھے ہیں وہ اپنے چند آدمیوں کے ہمراہ فصیل کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ اس نے پھین سے کہا تم
 انہیں اطلاع دو کہ مسلمانوں سے صلح ہو گئی ہے اور یہ قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔ چنانچہ پھین نے
 یہ بلند آواز سے کہہ دیا۔ ایک سپاہی نے کہا اگر کالانے صلح کر لی ہے تو اس کے اپنے واسطے
 ہو گی ہم قلعہ کا دروازہ نہ کھولیں گے اور اس وقت تک مسلمانوں سے لڑے گے جب تک
 کہ انہیں شکست دے کر بھگا نہ دیں گے۔

کا کا اور اس کے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا، پھین نے پھر کہا تمہاری جنگ سے کچھ فائدہ
 نہ ہو گا۔ تمہارے پاس نہ افسر ہیں نہ مہاراجہ ہیں۔ اسی سپاہی نے کہا ہم نے بھرا کو ہاراجہ تسلیم
 کر لیا ہے اور افسر بھی مقرر کر لئے ہیں اب کا کا کی سمجھ میں آیا کہ عیار بھرانے سیم پر خود
 قبضہ کر لیا ہے اسے اس بات پر غصہ آیا اور غضب آلود نگاہوں سے سپاہیوں کو دیکھتا
 رہ گیا۔

احسان فراموش

بچہ اچھی طبیعت کا آدمی نہ تھا وہ نہایت عیار اور بیحد چالاک تھا اس کی حکومت چھین گئی تھی۔ بے خانماں ہو گیا تھا۔ جس وقت وہ بہرج سے بھاگا تھا اس وقت اس کا ارادہ بدیہہ کے راجہ کاکا کے دامن میں پناہ لینے ہی کا تھا اور کچھ قصد نہ تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا سیم میں پہنچا۔ کاکا نے اسے پناہ دی اس کی مدارات کی اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب بچہ اوہاں چند روز ٹھہرا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یا تو کسی طرح کاکا کو مار کر اس کی حکومت چھین لے یا اسے مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کر کے جنگ کرائے کیونکہ جنگ کی صورت میں بھی اس کا مقصد حاصل ہوتا تھا کیونکہ اگر کاکا کا فتح یاب ہوتا اور مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تب تو اسے اس کی سلطنت مل جاتی اور اگر کاکا کو ہزیمت ہوتی تو وہ بھاگ کر سیم کے قلعہ میں آجاتا اور سلطنت کو حاصل کرنے کی سعی کرتا۔ غرضیکہ اس کی عیارانہ خصلت نے اسے کاکا کے ساتھ دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ حالانکہ اگر وہ انسان ہوتا تو سوچتا سمجھتا خیال کرتا کہ جس آدمی نے اسے اس وقت پناہ دی جب کہ زمین و آسمان اس کے دشمن ہو رہے تھے۔ تو کبھی اس کے ساتھ احسان فراموشی نہ کرتا۔ لیکن وہ خود غرض اور مسکار آدمی تھا وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی احسان کو بھی نہیں ملتے اور اپنے محسنوں کے ساتھ ہر ممکن بُرائی کرانے پر تیار ہو جاتے ہیں اول اول تو اس نے بھی کوشش کی کہ کاکا مسلمانوں سے لڑے لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی اور کاکا مسلمانوں سے صلح کرنے کے لئے چلا گیا۔ تو اسے موقع ہاتھ آگیا۔ کاکا کے جاتے ہی اس نے سیم کے ان معزز لوگوں کو جمع کیا جو وہاں باقی رہ گئے تھے۔ یہ سب دربار عام میں بلائے گئے۔ ان کا وزیر اس سے زیادہ مکمل اور بدظن تھا۔ اسی کے مشورہ سے سب کچھ ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب سب لوگ جمع ہوئے تب وزیر نے بچہ کو اطلاع دی۔ اس نے وہی پوشاک جو وہ پہن کر بہرج سے بھاگا تھا پہنی اور

دوبار میں چلنے کے لئے تیار ہوا۔ اتفاق سے اس کی رانی آگئی۔ بیدانی بھی لادی کی طرح کم عمر اور حسین تھی۔ صرف شلوکہ اور ساڑھی کٹے ہوئے تھی البتہ جو اس بات اور آبدار موتیوں کے زیورات کثرت سے پہن رکھے تھے ان زیورات کی چمک دمک نے اس کی صورت کو جگمگا دیا تھا۔ اس نے آتے ہی ہوشربا نگاہیں اٹھا کر ناز بھری چوں سے بکھرا کر دیکھ کر کہا۔ کہاں جا رہے ہو۔ سوامی بکھرا کر اس سے بہت زیادہ انس تھا۔ اس نے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ میں اپنی بگڑی ہوئی قسمت کو بنانے جا رہا ہوں۔

رانی کو شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بھلا قسمت بھی کہی جی ہے۔

بکھرا۔ انسان میں اس قدر طاقت ہے کہ وہ سب کچھ بنا سکتا ہے۔

رانی۔ میں نے سنا ہے کہ بھاگ کو دیوی اور دیوتا نہیں بنا سکتے۔

بکھرا۔ مگر منس (ادی) بنا سکتے ہیں۔

رانی۔ اچھا آپ کا بھاگ کون بنائے گا۔

یہ کہہ کر رانی نے راجہ کے موتیوں کے ہار سے کھیلنے ہوئے اس طرف دیکھا۔ بکھرانے کے حسین سر پر یہ بات پھیرتے ہوئے کہا۔ میں خود بتاؤں گا۔ رانی۔ کس طرح۔

بکھرا۔ کا کا مسلمانوں سے صلح کرنے گیا ہے میں اسکے اس قلعہ کا راجہ بن جاؤں گا۔

رانی فوراً اس سے الگ ہو گئی اور اس نے کہا یہ تو بڑا پاپ (گناہ) ہے سوامی بکھرانے

ہنس کر کہا۔ کچھ پاپ نہیں زندگی صبر و جہد کا نام ہے جو لوگ کوشش کرتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں میں بھی کوشش کر کے کامیاب ہونا چاہتا ہوں۔

رانی۔ نہیں ناچھو ایسا نہ کیجئے تمام دیوی دیوتا ناراض ہو جائیں گے۔

بکھرا۔ سنو یہ (فکر) نکرو میں انہیں رانی کروں گا ہماری حکومت چھین گئی ہے۔

کا کا یہ حکومت مسلمانوں کو دنیا چاہتے ہیں پھر کیوں نہ میں ہی حاصل کروں۔

رانی۔ اگر ہماری قسمت میں حکومت ہوتی تو چھینی ہی کیوں جاتی۔

بکھرا۔ وہ راج ہمیں اپنے پتا (باپ) سے ملا تھا اور سلطنت قوت بازو سے ملتی ہے

دنیا کا یہی قاعدہ ہے۔

رانی۔ مجھے ابھی بھی (د) ہے کہ مبادا ہم پر کوئی ابد مصیبت نہ آوے۔

بجہرا۔ پر یہ (پیاری) تم الطہیان سے رزاس (محل) میں بیٹھی رہو اور کسی قسم بھی (ڈر) نہ کرو میں خود راجہ بن کر تم کو رانی بنانا چاہتا ہوں۔

رانی۔ اچھا جاؤ ناتھ

بجہرا۔ وزیر کے ہمراہ چل کر دربار میں پہنچا۔ سینکڑوں آدمی اس وقت جمع تھے جو دربار کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ بجہرا کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو کر جھبک گئے۔ بجہرا تخت پر جا بیٹھا۔ اس نے کہا۔ معزز لوگو بیٹھ جاؤ۔ جب سب بیٹھ چکے تب بجہرا نے کہا۔ میں نے آپ تمام اصحاب کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں آپ سے چند ایک باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ سب نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی اور اس نے پھر کہا۔ آپ مجھے خوب جانتے ہیں کہ میں ہمارا راجہ دابہر کا بھتیجہ اور ہمارا راجہ ابلی چند کا بیٹا ہوں میرا نام بجہرا ہے میری ریاست آپ کے قریب ہی ہے جس کا نام سوستان ہے میں اس خاندان سے ہوں جو کبھی کسی دشمن سے نہیں دباؤ رک گیا۔ ابھی تک سب اسے نظر اٹھانے ہوئے دیکھ رہے تھے اس نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے میری حکومت دغا بازی سے چھین لی۔ اگر وہ مجھ سے میدان میں لڑتے تو میں انہیں تباہ دیتا کہ میں کس قدر بسلور ہوں۔ لیکن جو ہو گیا اس پر افسوس بھی نہ کرنا چاہئے۔

مجھے یہ کہنا ہے کہ کاکا کو میں نے ہر چند سمجھایا کہ وہ مسلمانوں سے صلح نہ کریں لیکن انہوں نے نہ مانا اور صلح کرنے کے لئے چلے گئے انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ مسلمان عورتیں کو اپنی خادماں اور بچوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ مردوں کو منڈیوں کو سے جا کر بیچ دیتے ہیں اور وہ بانگ (اذان) دیتے ہیں۔ اس سے ہمارے دیوی دیوتا ناراض ہو کر بھاگ جاتے ہیں کیا ایک ہندو کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں ہے کیا آپ اسے گوارا کر لیں گے کہ آپ کی عورتیں اور لڑکیاں مسلمان سے جائیں۔

ایک غیرت مند شخص کہی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب نے بلند آواز سے کہا۔ بے شک یہ بات گوارا نہیں کی جاتی۔

بجہرا۔ کاکا نے طے کر لیا ہے کہ تم لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دے۔

تمام آدمیوں کو جوش آ گیا۔ انہوں نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ ہم خون کی

ندیاں بہا دیں گے اور ایسا نہ ہونے دیں گے۔

بجہرا۔ مجھے یہی توقع تھی لیکن جب کا کا صلح کر کے آئے گا تب تم کیا کرو گے۔
چند آدمیوں نے کہا ہم انہیں قلعہ میں کبھی نہ گھسنے دیں گے۔

بجہرا۔ بہادر اور غیرت مند آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اب وزیر نے کہا میرے دوستو یہ بات طے شدہ سمجھو کہ کا کا صلح کر کے آئے گا اور تمہاری
لوٹیوں کو مسلمانوں کے حوالہ کر دے گا۔ اگر تم میری بات مانو تو لوگوں سے سب آوازیں آئیں، ہم ضرور مانیں گے
وزیر۔ تم کا کا کے آنے سے پہلے ہی کسی کو راجہ منتخب کر لو۔

سب نے کہا نہایت اچھی تجویز ہے۔ جو لوگ اس وقت جمع کر لئے گئے تھے۔ ان میں
تھا۔ مگر عقل نہ تھی۔ جو ان سے کہلایا جاتا تھا وہ کہہ دیتے تھے۔ لیکن سوچتے سمجھتے کچھ نہ تھے۔ وزیر نے
اس بات کو سمجھ لیا اس نے کہا اگر تم پسند کرو تو راجہ بجہرا موجود ہیں انہیں مجبور کر دو کہ یہ تاج اور تخت
سنجھالیں اور تمہارے زن و فرزند اور زر و مال کو مسلمانوں سے بچائیں۔

سب نے کہا بے شک بے شک! ہمارا راجہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔

بجہرا نے کہا۔ مگر میں تمہاری اور خدمت کرنے کے لئے آمادہ ہوں لیکن تخت اور تاج سنبھال
کے لئے تیار نہیں ہوں اب لوگ اس کی طرف اٹھ کر چلے اور چبوترے کے نیچے کھڑے ہو کر لو
نہیں ہمارا راجہ ہم پر اپنی جاتی (قوم) پر یاد مہربانی کے لئے تخت اور تاج سنبھالیے پھر لانے
اٹھ کر کہا اگر تم سب مجبور ہی کرتے ہو تو میں اس کے لئے بھی آمادہ ہوں۔ اس نے خود ہی
یہ جان چھایا تھا لیکن لوگوں سے کہلانا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب سب نے اس سے کہا تو وہ تیار
ہو گیا۔ فوراً تاج لایا گیا۔ وہی تاج جو کا کا پہنا کرتا تھا۔ ایک برہمن نے آکر راجگی کی تمام رسومات
ادا کیں اور اس طرح بجہرا بدیہہ کا راجہ بن گیا۔

جو معمولی افسر رہ گئے تھے انہیں بھی کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا گیا اور اس طرح تمام فوج پر
بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی قلعے کا دروازہ بند کر کر فیصل کے اوپر لشکر بھیج دیا اور پتھروں
سنگریوں کے انبار لگا دیئے۔

ابھی اس کام سے فراغت بھی نہ ہوئی تھی کہ کا کا اسلامی لشکر کے سامھا گیا اور اس کی وہ گفتگو
سناہیوں سے ہوئی تھی جو اس باب سے پہلے باب میں بیان کی گئی ہے اور جسے سن کر کا کا غضب ناک
نگاہوں سے انہیں گھورنے لگا۔

قیدی خوریں

داہران سپاہیوں کے پیچھے روانہ ہوا تھا جو طاہرہ کو حراست میں لے جا رہے تھے جب وہ کمرہ سے باہر نکلا تو اس نے لادی اور اس کے محافظوں کو کھڑے ہونے دیکھا۔ لادی بھولی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ اس کے قریب سے گزرنے لگا تو لادی نے کہا: ناٹھ معاف کرو۔ داہرہ کو غصہ آ رہا تھا۔ اس نے کہا: خبردار اگر معافی کا نام لیا تو سہرا ڈاؤن لگا۔ لادی چپ ہو گئی اب طاہرہ نے کہا: مہاراجہ داہرہ فوراً اس کی طرف مخاطب ہو کر بولا: عربی خور کیا کہتی ہے؟ طاہرہ نے کہا: آپ کے لئے یہ غیر مناسب ہے کہ آپ حسین و جمیل معصوم رانی کو قید و بند کی تکالیف دیں۔ داہرہ نے اس کے قریب آ کر کہا: تم رانی کی سفارش نہ کرو۔ البتہ اپنے لئے جو چاہو کہو۔ طاہرہ۔ مجھے اپنے لئے کچھ نہیں کہنا ہے۔

داہرہ۔ بس تڑپ جائیے۔

داہرہ انہیں لے کر چلا۔ رات کا وقت تھا اگرچہ چاند نکلا ہوا تھا۔ مگر مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے روشنی نہ تھی۔ جب یہ سب محل کے اس کنارے پہنچے جس طرف ایک بڑا مندر تھا اور وہ مندر داہرہ کا بتایا جاتا تھا۔ وہاں کچھ بہت ہی کم حیثیت عمارتیں بنی ہوئی تھیں اور ان عمارتوں کے باہر سیاہ گار بے تڑنگے آدمی تلواریں ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔ راجہ کو دیکھتے ہی تلواریں سامنے کی طرف پھیلا پھیلا کر جھک گئے۔

ایک کمرہ کے قریب پہنچ کر داہرہ نے نقل کھول دیا اور اندر داخل ہوا۔ مگر اس کی نظریں اندھیرے میں کمرہ میں داخل ہونے والے آدمیوں کو بھی اچھی طرح سے پہچان نہ سکی تھیں۔ ایک دروازے کا قفل خود کھولا۔ اس کمرہ میں بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کمرہ کتنا بڑا ہے اور اس میں کیا ہے۔ اب داہرہ واپس آیا اور جو سپاہی رانی لادی کو حراست میں لے کرہ میں تھے۔

انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ سپاہی لادی کو لے کر بڑے اور راہ کے پاس پہنچے۔ راہ نے لادی سے کہا۔

بے وقوف عورت تمہارے رہنے کے لئے یہ کمرہ مناسب ہے اور تم یہاں رہو۔ لادی اس کمرہ کی تاریکی دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے کہا نا تمہاری ہائی کرو۔ داہر نے غصہ سے دانت پلستے ہوئے کہا ہیریانی ہی ہے کہ تم کو قتل نہیں کیا۔

لادی۔ اچھا میرے لئے کچھ روشنی منگا دیکھے اٹھ بیٹھے ہیں مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔
داہر نے قہقہہ لگا کر کہا روشنی منگا دوں اگر تم بتی برتا (شوہر پرست) عورت ہو تو یہ اندھیرا تمہارے لئے روشنی بن جائے گا۔ لادی اسے بھولتی صورت بنائے معصوم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کمرہ کی مدہم روشنی میں بھی اس کی صورت چمک رہی تھی۔ اس نے پھر کہا سوامی ایسے کہو نہ بنو۔ داہر نے بگڑ کر کہا۔

خاموش رہ! اب اندر جاتی ہے یا ان سپاہیوں کو حکم دوں کہ یہ تجھے دھکیل دیں۔
لادی کے بشرہ سے اطمینان کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور اس نے کہا۔ نہیں مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ مگر سنیے اگر میں بتی برتا (شوہر پرست) ہوں تو اس کمرہ میں قید نہ رہوں گی۔
داہر۔ ہاں تم کو کوئی دیر تا آ کر پھیرا لینگے۔

لادی۔ ضرور یکن

داہر۔ لیکن کیا؟

لادی۔ جس بات کو سن کر آپ خفا ہو گئے ہیں میں اس کی متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

داہر۔ کیا؟

لادی۔ میں محمد قاسم کے پاس جانا چاہتی ہوں۔

داہر۔ کس لئے۔

لادی۔ اس سے آپ کے اور اپنے لئے امن کی درخواست کرنے۔

داہر۔ مگر اس کی ضرورت کیا تھی۔

لادی۔ مجھے یقین ہے کہ فتح اسی کی ہوگی۔

داہر نے حیرت سے قہقہہ لگا کر اس کی فتح ہوگی؟

لادی۔ جی ہاں۔

داہر۔ بے وقوف رانی اس کا تو خاتمہ بھی ہو گیا ہوگا۔

لاڈی۔ کس نے یہ جرات کی ہوگی۔

داہر۔ ان لوگوں نے جن کے نام میں نے احکام جاری کئے تھے۔

لاڈی۔ مگر مجھے اس کا یقین نہیں ہے۔

داہر۔ تجھے نہ ہو مجھے ہے میں تو ریا چر تر خوب سمجھتا ہوں۔ اب گفتگو بند کرو اور کمرہ

کے اندر چلی جاؤ۔

لاڈی داہر کے قدم چومنے کے لئے بڑھی داہر چھپے ہٹ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا میرے

پیر نہ چھوٹا۔ لاڈی کو غصہ آ گیا۔ وہ تن کر کھڑی ہو گئی اور اس نے تیز نظروں سے داہر کو دیکھا۔

داہر کی آنکھیں جھپک گئیں۔ لاڈی نے کچھ کہنا چاہا۔ اس نے نازک عنابی لب کھلے۔ موتیوں جیسے آبدار

دانتوں کی لڑی نظر آئی۔ مگر فوراً ہی لب بند ہو گئے اور وہ تیزی سے اس کمرہ میں داخل ہو گئی۔

جس میں اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ بے درد داہر نے پھاٹک بند کر کے قفل لگایا اور وہاں

سے واپس لوٹا۔ سپاہی بھی اس کے پیچھے ہی نکل آئے۔ اس نے وحشی محافظوں کو اشارہ کیا

ان میں سے ایک نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ داہر نے دوسرے

کمرہ کی چابی بھی اسے دے دی۔ اب وہ طاہرہ کے قریب آیا اور اس کے محافظ کو اشارہ کر کے

چلا وہ طاہرہ کو ساتھ لے کر اس کے پیچھے چلے۔ چند کمروں کے سلسلے سے گزر کر وہ ایک کمرہ

کے قریب رکا۔ اس کے محافظ نے جلدی سے بڑھ کر تالا کھولا۔ داہر کمرہ کے اندر گیا یہ کمرہ

بھی بالکل ویسا ہی تھا جس میں لاڈی کو قید کیا گیا تھا۔ اس کمرہ میں بھی ایک بتی روشن تھی اور اس

کی دھیمی دھیمی روشنی پھیل رہی تھی اس کے دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا۔ داہر نے اس کمرہ کو کھولا

اور باہر نکل کر طاہرہ کے محافظوں کو ہاتھ سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑھے داہر کمرہ میں

داخل ہو گیا۔ جب طاہرہ اس کے پاس پہنچی تو طاہرہ نے تاریک کمرہ کی طرف دیکھا۔ اس میں اس

قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ غور سے دیکھتے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ طاہرہ نے شیریں لہجہ میں کہا

دیکھ لیا۔

داہر۔ اس کے اندھیرے پر نظر کر

طاہرہ۔ ہاں قبر سے زیادہ تاریک ہے۔

داہر۔ کیا تو اس اندھیری قبر میں رہنے سے خوش ہوگی۔

طاہرہ - خدا کی مرضی

داہرہ - بے وقوف خدا کچھ نہیں ہے۔

طاہرہ نے چونک کر جوش اور غصہ کی نگاہوں سے داہرہ کو دیکھا۔ طاہرہ مسلمان لڑکی تھی۔ مسلمان خدا کے وجود کے قائل ہیں نہ صرف قائل بلکہ سب کچھ اسی کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں۔ خدا کے خلاف وہ ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔ اس لئے طاہرہ کو بھی جوش اور غصہ آگیا۔ داہرہ اس کی چشم آلود نگاہیں دیکھ کر اس کی طرف دیکھتا ہوا رہ گیا۔ دراصل جوش اور غصہ نے اس کے چہرہ کو سرخ کر کے مزید و لہریب بنا دیا تھا۔

داہرہ نے کہا۔ غصہ میں تمہاری صورت کیسی پیاری ہو گئی ہے۔ طاہرہ نے جوش بھرے لہجہ میں کہا۔ خدا کچھ نہیں؟ داہرہ نے نرمی سے کہا۔ معاف کرو طاہرہ میں نے تمہارے دل کو ٹھیس لگائی ہے۔

طاہرہ - تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ مسلمان ہر بات کو برداشت کر لیتے ہیں۔ مگر خدا اور خدا کے پیارے رسول حضرت محمد صلعم اور خدا کے کلام کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتے۔ داہرہ - مجھ سے غلطی ہوتی۔ طاہرہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کروں گا۔

اب طاہرہ کا غصہ دھیمہ ہوا اور وہ چپ ہو گئی۔ داہرہ نے پھر کہا طاہرہ صد کو چھوڑ دو۔ میری بن جاؤ۔ دیکھو میں سندھو کا راجہ ہوں تمام ہندوستان میں میری و باک ہے نصف سے زیادہ ہندوستان میرے قبضہ میں ہے میری قوت بہت بڑی ہے دولت بہت زیادہ ہے تم کو موتیوں اور جواہرات سے تول دوں گا اپنی رانی بنا لوں گا۔ تمام رانیوں کو چھوڑ دوں گا اس قدر خادو مائیں مقرر کروں گا کہ ان کے پرے ہر وقت تمہارے پاس آکر رہا کریں گے۔ یوں منظور ہے طاہرہ!

طاہرہ - نہیں ایک مسلمان لڑکی عصمت فروش نہیں بن سکتی۔

داہرہ - تمہیں یہ منظور ہے کہ تم اس اندھیری کو ٹھٹھی میں بندر ہو؟

طاہرہ - میں جانتی اور سمجھتی ہوں کہ خدا میرا امتحان لے رہا ہے۔

داہرہ نے کچھ غصہ کی شان سے کہا پھر وہی بے وقوفی! مگر وہ اتنا لکڑ چپ ہی ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا جب تو نہیں مانتی تو گروہ کے اندر چلی جا۔ طاہرہ بڑھکر اندھیرے کمرہ میں گئی۔ داہرہ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ آخر اس نے دروازہ بند کر کے قفل لگا دیا اور باہر نکلا۔

سپاہی بھی نکل آئے اس کمرہ کے محافظ نے ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کر کے
 تالا لگا دیا۔ داہر نے اس کمرہ کی چابی بھی محافظ کے حوالہ کر دی اور کچھ سوچتا ہوا جس طرف
 سے آیا تھا اسی طرف روانہ ہوا اور سپاہی بھی اس کے پیچھے ہی چلے گئے۔

نہراے غرور

کا کا کھڑا ہوا غصہ بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ دیر تک کھڑا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد لوٹ کر وہ محمد قاسم کے پاس آیا۔ محمد قاسم اسے برا فریختہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا اور اس نے کہا آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں کا کا نے کہا قلعہ والوں نے قلعہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔

محمد قاسم۔ اتہین ایسی جرات کیسے ہوئی۔
 کا کا۔ غدار اور محسن کش بکھرا کی وجہ سے؟

محمد قاسم۔ اس نے کیا کیا۔

کا کا۔ میری عدم موجودگی میں وہ خود راجہ بن گیا اور میری پر جا رو عایا اور سینا (شکر) کو بہکا کر میرے خلاف کر دیا۔

محمد قاسم۔ پروانہ کرو خدا مالک ہے۔

کا کا۔ غالباً آپ یہ سوچتے ہوں گے کہ میں نے آپ کو دھوکہ دیا۔
 محمد قاسم۔ میں ایسا پست خیال نہیں ہوں لیکن ایک بات بتائیے۔
 کا کا۔ کیا۔

محمد قاسم۔ کیا اس قلعہ میں داخل ہونے کا کوئی خفیہ راستہ بھی ہے؟
 کا کا۔ بے شک!

محمد قاسم۔ قلعہ میں کس قدر لشکر موجود ہے۔

کا کا۔ بارہ ہزار تو میرا ہے اور ڈیرہ ہزار بکھرا کا ہے۔

محمد قاسم۔ بس اتنے ہی لشکر پر بکھرا اچھولا ہوا ہے۔

کا کا۔ جی ہاں مگر یہ لشکر تھوڑا نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ بچہ کے ساتھ اس سے دو گنا لشکر تھا اور بچہ بھی وہ شکست کھا کر بھاگ

نکلا۔

کا کا۔ تعجب ہے

محمد قاسم۔ تعجب کس بات کا

کا کا۔ اتنے بڑے لشکر کو آپ نے اتنے تھوڑے لشکر سے شکست دی۔

محمد قاسم۔ ہم مسلمانوں کا خدا پر بھروسہ ہے۔

کا کا۔ یہی کہا جاسکتا ہے۔

محمد قاسم۔ میرے خیال میں آج حملہ کرنا مناسب نہیں ہے آج آرام کریں انشاء اللہ

کل حملہ کریں گے۔

کا کا۔ جیسے آپ کی مرضی۔

دوران گفتگو میں کا کا کی نگاہیں محمد قاسم کے چہرہ پر لگتی رہتی تھیں دراصل وہ اسے حیرت

سے دیکھتا تھا۔ کیونکہ محمد قاسم نو عمر بچہ تھا مگر باتیں آزمودہ کار سن رسیدوں کی سی کرتا تھا۔ اب

محمد قاسم نے لشکر کو مقیم ہونے کا حکم دے دیا فوراً سوار گھوڑوں سے اتر گئے اور بار برداریوں

میں سے ڈیرے خمیے نکال نکال کر نصب کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں قلعہ کے سامنے

خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ مسلمان خیموں میں جا جا کر ہتھیار کھول کھول کر رکھتے اور آرام کرنے

لگے چند خمیے کا کا اور اس کے ساتھیوں کو دے دینے لگے۔ محمد قاسم بھی ایک خیمہ میں گھس

گیا ان لوگوں نے جب مغرب کی نماز پڑھی تو کا کا اور اس کے ہمراہیوں نے حیرت سے دیکھا

یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ نماز پڑھتے ہی انہوں نے کھانا پکانے کا

انتظام شروع کر دیا۔ کا کا اور اسکے ہمراہیوں کو بھی رسد دے دی گئی عشا کی اذان ہوتے ہی تمام

مسلمان میدان میں نکل کر نماز پڑھنے لگے۔ نماز سے فراغت کر کے آئے اور دس دس پندرہ

پندرہ کی ٹولیوں میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے کھانے سے فارغ ہوتے ہی کوئی قرآن شریف

کی تلاوت کرنے لگا۔ کوئی نفلیں پڑھنے لگا۔ اکثر تاریخی قصے بیان کرنے لگے۔ آدھی رات تک

یہ ہوتا رہا آدھی رات کے بعد لوگ سونے لگے اسلامی لشکر کا یہ قاعدہ تھا کہ رات کو لشکر کی

حفاظت کے لئے ایک دستہ مقرر کیا جاتا اور وہ تمام رات لشکر کے گرد چکر کاٹتا رہتا تھا۔ چنانچہ

آج ہر دستہ مقرر کیا گیا وہ اسلم کا تھا اس نے اپنے پانچ سو سواروں میں سے اڑھائی سو کو آرام کر لیا۔

حکم دیا اور بقیہ اڑھائی سو کو اپنے ہمراہ لے کر قلعہ کی حفاظت کے لئے پھیل گیا تھا۔ رات اندھیری تھی ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چونکہ یہ لشکر فصیل سے ذرا فاصلے پر مقیم تھا۔ اس لئے اس وقت فصیل نظر نہ آتی تھی۔ رات کے اندھیرے میں چھپی ہوئی تھی۔ محمد اسلم اور اس کے سپاہی لشکر سے آگے بڑھے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ جب دو تہائی رات گزری تو ہر طرف خاموشی کا تسلط ہو گیا۔ جس قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس سے زیادہ سکوت چھایا ہوا تھا آسمان پر تارے تکلے ہوئے چمک رہے تھے اس وقت اسلم آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ چونکا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ تم کچھ آوازیں سن رہے ہو اس کے ساتھیوں نے کان لگا کر سنا۔ دیر تک خاموش کھڑے سنتے رہے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا نہیں ہم کوئی آواز نہیں سن رہے ہیں۔

اسلم۔ میں سن رہا ہوں غالباً کچھ لوگ دے قدموں آ رہے ہیں۔

وہ فوراً زمین پر لیٹ گیا اور اس نے زمین سے اپنا کان لگا کر سنا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گھبرا کر اٹھا اس نے کہا۔ خدا کی قسم قلعہ کی طرف سے ہزاروں ہندو آ رہے ہیں دیکھو تم بھی زمین پر کان لگا کر سنو۔ کئی آدمی اسی طرح زمین پر لیٹ گئے جس طرح اسلم لیٹا تھا اور کان لگا کر سننے لگے۔ قدموں کی آوازیں آ رہی تھی وہ جلدی سے اٹھے انہوں نے کہا آپ درست فرما رہے ہیں۔ ہزاروں آدمی آ رہے ہیں غالباً یہ بچہرا کا لشکر ہے اور وہ شہخون مارنے کے ارادہ سے آ رہے ہیں۔

اسلم۔ یہی میرا بھی خیال ہے وہ رات بھی اسی غرض سے آیا تھا۔

ایک سپاہی نے کہا۔ پھر کیا کیا جائے اسلم نے کہا پانچ آدمی لشکر میں دوڑ جائیں اور سپہ سالار اور دوسرے افسروں کو بیدار کر کے اطلاع کہ دیں اور پانچ آدمی اس دستہ کے اڑھائی سو سواروں کو اٹھا لائیں۔ جو سو رہے ہیں مگر یہ تمام کارروائی نہایت خاموشی کے ساتھ کی جائے تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو کہ ہم اس کے آنے سے خبردار ہو گئے ہیں فوراً دس آدمی دوڑ گئے۔ چونکہ یہ لوگ لشکر سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر قلعہ کی طرف بڑھے ہوئے کھڑے تھے اس لئے وہ دسوں آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے روانہ ہوئے ان کے جانے کے بعد اسلم نے اپنے سپاہیوں کو ذرا اور پیچھے ہٹایا اور انہیں پڑ جانے کا حکم دیا۔

چنانچہ تمام سپاہی لیٹ گئے اب آنے والوں کے قدموں کی آوازیں صاف طور پر آنے لگیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت قریب آ گئے ہیں مگر رات اندھیری تھی۔ جس کی وجہ سے

قریب آجانے پر بھی وہ نظر نہ آتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ اتنے پاس آگئے کہ ان کی صورتیں مٹی مٹی سی نظر آنے لگیں۔

چونکہ وہ نیم برہنہ تھے تو ایسی سونتے ہوئے آ رہے تھے اس لئے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ غیر مذہب اور وحشی ہندو ہی ہیں جب وہ ان سے چند ہی قدم کے فاصلے پر آگئے تب یہ سب ایک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہوتے ہی انہوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ اس ہیبت ناک نعرہ کی آواز سے تمام میدان لرز گیا۔ فضا گونج اورد زمین ہچکولے کھانے لگی۔ آنے والا لشکر بھرا ہی کا تھا وہ شتون مارنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمان غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہوں گے اور وہ جاتے ہی ان کا نس عام شروع کر دے گا۔ لیکن جب اس نے مسلمانوں کو اٹھتے اور کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر لگاتے دیکھا تو وہ اور اس کا لشکر خوف و دہشت سے کانپ گئے اور کھڑے ہو کر حیرت بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ مسلمانوں نے نعرہ لگاتے ہی تلواریں کھینچ لیں اور بڑھ کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ بھراؤ سنہارا سپاہیوں کو ہمراہ لایا تھا۔ اگرچہ انہیں پیر سے ایک مسلمان کے دو نظر آئے مگر پھر بھی وہ یہی سمجھا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو مسلمان ہیں چنانچہ یا تو وہ لرز رہا تھا یا اسکی ہمت بندھ گئی تھی اور اس نے نہایت بلند آواز سے کہا۔ دنیہ ہندو ویہ بہت تھوڑے مسلمان ہیں انہیں جلد جلد قتل کر ڈالو۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی تعداد دیکھ لی تھی۔ انہیں تھوڑے دیکھ کر ان کے دل بھی بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے بھی جوش و غضب میں آکر حملہ کر دیا۔ اب تلواریں جلد جلد چلنے لگیں۔ تلواروں کی کھٹ کھٹ اور مجروحین کی چیخ و پکار سے میدان گونجنے لگا۔ اگرچہ ہرانہ چاہتا تھا کہ آواز بلند ہو۔ لیکن ہندوؤں کی عادت ٹھہری تھی غل مچانے کی۔ چنانچہ وہ شور کرنے اور جیکارنے لگانے لگے۔ مسلمان کو نہ ان کے شور کی پرواہ تھی نہ جیکاروں کی۔

انہوں نے جنگ شروع کر دی اور نہایت جوش اور دلیری سے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ چونکہ وہ اڑھائی سو ہی تھے اس لئے انہوں نے ایک لمبی صف قائم کر لی اور یہ کوشش کرنے لگے کہ کوئی ہندوؤں کی صف توڑ کر لشکر کی طرف نہ جانے پائے۔ ہندو اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی صف توڑ کر سوتے ہوئے لشکر پر جا پڑیں۔

چونکہ ہر دو فریق پوری جدوجہد کر رہے تھے اس لئے نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ ہاتھ پیر اور دھڑ بڑی ہرعت سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے اندھیرے میں تلواریں

چونکہ مسلمان تمام قلعے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کو قتل کر رہے تھے اور سارے قلعے میں چیخ و پکار مچ رہی تھی اس لئے سونے والے بھی بیدار ہو گئے تھے۔ مگر جاگتے ہی خون کی دھبہ سے کوٹھڑیوں میں جا گھسے تھے۔

جب ہندوؤں نے دیکھا کہ اب جان بچنا بہت دشوار ہے تو انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور امان امان! چلانے لگے۔ محمد قاسم اور اسلم نے جگ بند کر دی اور انہیں امیر کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کو بڑا ناگوار گزارا کہ ان کم بختوں نے ابھی سے الامان! الامان! اچلانا شروع کر دیا۔ جی تو ان کا نہ چاہتا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ چھوڑیں۔ لیکن امان کہنے پر تلوار نہیں چلا سکتے تھے۔ چنانچہ مجبوراً انہوں نے تلواریں میانوں میں ڈال لیں اور انہیں گرفتار شروع کر دیا۔

بجلی کی طرح کوندتے ہوئے اٹھا اٹھ کر انسانی سمندر میں ڈوب رہی تھیں۔ ہر فروش نہایت جوش و
غضب میں آکر لڑ رہے تھے اور قتل ہو کر گر رہے تھے۔ یوں تو مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے۔
مگر بہت کم البتہ ہندو جس قدر زیادہ تھے اسی کثرت سے مر رہے تھے۔ ہر مسلمان شیرز کی طرح
جست لگا لگا کر حملے کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک نہ ایک دھوتی بند کو مار ڈالتا تھا اور جب کسی
ایک کو مار ڈالتا تھا تو جلدی سے دوسرے پر چھپٹ کر اسے ختم کر دیتا تھا اس طرح ہندوؤں میں
موت کی بیماری پھیل گئی تھی اور وہ بڑی بڑی گرجاؤں سے قتل ہو رہے تھے اور مجرد بڑی طرح
سے چلا رہے تھے۔

جو مجرد گرتا تھا پھر اٹھنے کی اسے نوبت ہی نہ آتی تھی انسان اسے اپنے پیروں سے روند
ڈالتے تھے۔ اسلم تلوار لئے دائیں بائیں اور سامنے چھپٹ چھپٹ کر حملے کو رہے تھے اس کی
تلوار ہر ہندو کو ختم کر دیتی تھی جو اس کے سامنے آجاتا تھا۔ اس نے بہت سے ہندوؤں کو مار
اٹھا۔ مگر ابھی تک اس کا جوش اور جذبہ بہادری نہ ہوا تھا بلکہ اور بڑھ رہا تھا جوں جوں اس کا
جوش بڑھتا تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرتا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو ہندوؤں کو مار ڈالتا تھا۔ اتفاقاً
وہ لڑتا ہوا بھرا کے وزیر اعظم تک پہنچ گیا۔ وزیر نے فوراً اس پر حملہ کیا وہ ایک دوسرے ہندو کی
طرف متوجہ تھا لیکن اس نے وزیر کی تلوار اپنے سر کی طرف آتے ہوئے دیکھ لی اس نے نہایت
پھرتی سے ڈھال پر وزیر تلوار روکی اور پھر اپنی تلوار مار کر ہندو کو ٹھنڈا کر دیا جس پر کہ اس نے حملہ
کر دیا تھا۔ اسے قتل کرتے ہی اس نے پینیرا بدل کر وزیر اعظم پر حملہ کر دیا۔ وزیر نے ڈھال
سلنے کر دی۔ چونکہ وہ سہم گیا تھا اس لئے اچھی طرح ڈھال کی آڑ نہ سے سکا اور اسلم کی تلوار
اس کی گردن پر پڑی۔ جس طرح سے دھاگہ صابن کو کاٹ ڈالتا ہے۔ اسی طرح تلوار نے وزیر
کا سر کاٹ ڈالا اور اس کی لاش کٹے ہوئے درخت کی طرح فضا میں ہاتھ مارتی ہوئی زمین پر
گری اسلم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ تڑپا یا بغیر تڑپے ہی سر گیا۔ اس نے فوراً ہی دوسرے ہندو پر
حملہ کر دیا اور اسے بھی ختم کر دیا۔ جس وقت مسلمان موت کی لڑائی لڑ کر ہندوؤں کو کھیرے کھکھری
کی طرح کاٹ رہے تھے اس وقت اللہ اکبر کے نعرہ کی پھر آواز آئی۔

مسلمان اور ہندو دونوں سمجھ گئے کہ اسلامی لشکر بیدار ہو کر لڑنے کے لئے آگیا ہے اس
سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ہندوؤں کی بہت پشت ہو گئی۔ اگرچہ صبح صادق کے
آواز ظاہر ہو گئے تھے مگر ابھی اتنا اجلا نہ ہوا تھا جس سے دور کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں۔

ہندویر بھیجے کہ مسلمانوں کا تمام لشکر آگیا وہ دیکھ چکے تھے کہ صرف اڑھائی سو مسلمانوں نے جنہیں وہ پانچ
 سمجھ رہے تھے ان کے دس ہزار لشکر کو نہ صرف روک دیا تھا بلکہ ان کے کثیر تعداد سپاہیوں کو قتل
 ڈالا تھا اور اب تمام لشکر حملہ آور ہو گیا تھا۔ حالات تک ابھی تمام لشکر نہ آیا تھا یہ اسلم کے بقیہ اڑھائی سو
 تھے اس لئے ان کے پیر اکھڑ گئے اور وہ قلعہ کی طرف بھاگے مسلمان ان کے پیچھے چھپے اور دوڑ
 کر انہیں قتل کرنے ان کے پیچھے لگے چلے گئے تھے۔ ہندوؤں کو اس میدان کی ہر ایک چیز نظر
 ان پر حملہ کرتی دکھائی دیتی تھی اور کچھ واقعہ ہی ایسا ہو گیا تھا کہ جب کوئی ہندو پیچھے بھاگ کر دیکھتا تھا
 اسے اپنے قریب ہی مسلمان اپنے پیچھے دوڑتا نظر آتا تھا اور دو چند ہی قدم چلنے پاتا تھا کہ مسلمان
 تلوار سے گرا دیتی تھی۔ ان کا بہادر راجہ بھہر اسب سے آگے بے تماشہ بھاگا چلا رہا تھا۔ اسے
 ہندو مسلمان نظر آکر اس حملہ پر کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا اور اس لئے وہ پوری طاقت سے دوڑ رہا تھا
 چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد قلعہ آجائے اور وہ اس میں داخل ہو کر بچ جائے۔ ہندو اب بھی شور
 مچاتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ مسلمان خاموشی سے انہیں قتل کرتے ہوئے دوڑے چلے
 رہے تھے۔ آخر دوڑتے دوڑتے ہندو قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ لیکن ان کے ساتھ ہی مسلمان
 داخل ہوئے اور انہیں قلعہ کے اندر گھس کر قتل کرنے لگے اگر ہندو بدحواس نہ ہو جاتے اور آنکھ کھولا
 کر یہ دیکھ لیتے کہ کس قدر مسلمان ان کا تعاقب کر رہے ہیں تو اطمینان سے وہ واپس لوٹتے اور ان کی
 زیادہ تعداد قتل نہ ہوتی۔ مگر غل مچانے والی قوم بہادری کیا جانے وہ بہادر ہوتے تو بھاگتے ہی کیوں
 اور نہ بھاگتے تو ہزاروں کیوں مارے جاتے۔ چونکہ پانچ سو مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے تھے اس
 وہ ہر طرف پھیل کر انہیں قتل کرنے لگے۔

اس وقت محمد قاسم اور دستہ لے کر آگیا اور وہ قلعہ میں گھس کر جنگ کرنے لگا چونکہ اب صبح ہو
 گئی تھی اور آفتاب طلوع ہونے کے قریب تھا اس لئے خوب روشنی پھیل گئی تھی اور ہر ایک چیز
 اچھی طرح نظر آنے لگی تھی۔

اتفاق سے محمد قاسم کی نظر بھہر پر پڑ گئی اس نے لپک کر اس پر حملہ کیا۔ بہادر بھہر نے
 تلوار دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیں یا شاید کچھ اشوک یا دیدک کے منتر پڑھنے لگا۔ ابھی اس کے ہونٹ
 اٹل ہی رہے تھے کہ محمد قاسم کی تلوار اس کے سر پر پڑی اور اس کا وہ سر جس میں فخر و غرور بھرا
 ہوا تھا کٹ کر دوڑ جا گیا۔

۱۲۱

رہائی

داہرنے رانی لادی اور طاہرہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے کمروں میں قید کر دیا تھا۔ محل کے اس گوشہ میں قید خانہ تھا اور اس قید خانہ میں وہ عورتیں قید کی جایا کرتی تھیں جن سے داہرنا خوش ہو جایا کرتا تھا۔ جب کوئی بد بخت اس قید خانہ میں قید کر دی جاتی تھی تو پھر وہ اپنی زندگی میں باہر نہ نکل سکتی تھی۔ وہ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوک اور پیاس سے سوکھ سوکھ کر مر جاتی تھی۔ رانی لادی کو جب تیر و تار کمرہ میں قید کیا تو وہ اندھیرے اور تنہائی کو دیکھ کر گھبرا گئی وہ ٹوٹتے ہوئے بڑھی اس خیال سے کہ شاید اس کے شوہرنے اور کچھ نہیں تو کم از کم فروش تو کر دیا ہوگا۔ مگر اس نے تمام کمرہ چھان مارا لیکن نہ فرش ملانہ کوئی اور چیز مجبور ہو کر بے چاری بیٹھ گئی وہ راجھوتی تھی۔ داہر کی اس نازیبا حرکت سے اس کے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ وہ بیچ و تاب کھانے لگی۔ دیر تک غم و غصہ سے بیٹھی دانتوں سے ہونٹ چباتی رہی۔ آخر جب زیادہ دیر گزر گئی تب وہ پڑ گئی اور غم و غصہ سے پریشان خیالات میں غوطے کھاتے کھاتے سو گئی جب اٹھی تو اس نے پھر ویسا ہی اندھیرا دیکھا جیسا کہ سوتے وقت تھا۔ حالانکہ اس وقت سورج نکل آیا تھا مگر قید خانہ کے کمرے کچھ ایسے بناٹے گئے تھے کہ رات ہو یا دن روشنی کا ان میں گزرنہ ہوتا تھا۔ ہر وقت اندھیرا پھیلا رہتا تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر غم اور غصہ سے بل کھانے لگی۔ کچھ دیر کے بعد کسی نے تالا کھولا اور وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس خیال سے کہ شاید داہر آ گیا۔ مگر جب دروازہ کھلا تو داہر نہیں بلکہ ایک سیاہ رنگ کا وحشی جھانکنے لگا۔ لادی سمجھ گئی کہ وہ قید خانہ کے محافظوں میں سے ایک ہے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف چلی لیکن جب اس کے پاس پہنچی تو محافظ نے تلوار اس کی طرف اسے ڈرانے کے لئے بڑھائی اور کچھ کہا۔ لادی اس کی زبان نہ سمجھ سکی۔ وہ ہندوستان کے کسی ایسے حصہ کا رہنے والا تھا۔ جس کی زبان لادی نہ جانتی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ تمام

زبانوں کو کوئی بھی نہیں جانتا یہ دوسری بات ہے کہ اردو عالمگیر زبان ہو گئی ہے اور ہر صوبہ میں بولی جاتی ہے۔ لادی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ وحشی محافظ آگے بڑھ کر آیا اور کچھ کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا۔ آج پہلا موقع تھا کہ لادی کو اس بے قدری کے ساتھ کھانا ملا اسے پھر غصہ آیا لیکن وہ سمجھ گئی کہ غصہ کرنا لاجواب ہے اگرچہ اسے بھوک تو معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن کھانا کھانے کو ہی نہ چاہتا تھا۔ وہ بیٹھی سوچتی رہی دیر کے بعد اس نے طے کیا کہ انسان اناج کا کپڑا ہے بغیر کھائے کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ اس نے پتھر لے کر کچھ کھانا کھایا اور خاموش ہو کر بیٹھی رہے گی۔ قیدیوں کے رات دن کٹنے مشکل ہو جاتے ہیں خصوصاً تہا رہنے والوں کے چنانچہ لادی کا بھی ایک ایک لمحہ دو بھر ہو رہا تھا۔ مگر کیا کوئی مجبور تھی بیٹھی رہتی کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور کبھی لیٹ جاتی وقت کا اسے کچھ پتہ ہی نہ تھا۔ قیدیوں کو رات دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا دیا جاتا تھا چنانچہ اسے بھی صرف ایک ہی وقت دیا گیا تھا۔ دوسرے وقت اسے بھوک بھی نہ لگتی جب وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو لیٹ گئی لیٹے لیٹے جب زیادہ دیر گزر گئی تو اسے نیند آنے لگی۔ ابھی آنکھ بھپکی نہ تھی کہ کچھ کھٹکا ہوا وہ سہم گئی اور سمٹ کر پڑ گئی۔ چونکہ وہ پڑی ہوئی تھی اس لئے اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ کوئی کمرہ میں بے قدموں آ رہا ہے وہ ہندو تھی اور ہندو بھوت پریت کے قائل تھے اس لئے وہ سمجھی کہ شاید کوئی بھوت آ گیا ہے اور وہ پھر رہا ہے اس خیال نے اسے اور بھی سہا دیا اس نے وہشت سے آنکھیں بند کر لیں ویرنگ آنکھیں بند کیے پڑی رہی اور وہ قدموں کی چاپ سن رہی تھی ہر قدم اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فرط خوف سے اس کی جان نکل رہی تھی۔ ڈر پوک آدمی اکثر ڈر سے آنکھیں بند کر لیا کرتے ہیں نہ معلوم اس سے کیا فائدہ سمجھتے ہیں اگر آنکھیں کھلی ہوں تو کسی خطرہ کا مقابلہ باسانی کیا جاسکتا ہے اور جب آنکھیں ہی بند کر لی جائیں تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ لادی آنکھیں بند کئے خاموش پڑی تھی کہ کسی نے آہستہ سے پکارا۔ لادی کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بادل گر جا ہو وہ اچھل پڑی اتفاق سے اس کی آنکھیں کھل گئیں اس نے مدھم روشنی سی دیکھی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر کسی نے آہستہ لہجہ میں کہا۔ رانی تم جاگ رہی ہو۔ اب لادی کی نظر سامنے پڑی۔ سامنے طاہرہ ایک ہاتھ میں موم بتی لئے کھڑی تھی۔

لادی کو سخت حیرت ہوئی وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے کہا طاہرہ تم ہو۔ طاہرہ نے ہاتھ اپنے منہ پر رکھتے ہوئے کہا آہستہ بولو۔ وہ بڑھ کر لادی کے پاس پہنچ کر ٹھہر گئی۔ لادی نے آہستہ سے کہا واہرنے کیا تم کو رہا کر دیا۔

طاہرہ - نہیں!

لاڈی - پھر تم یہاں کیسے آئیں۔

طاہرہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا بتا دوں گی۔

لاڈی - ہاں بتاؤ مجھے معلوم ہے کہ اس قید خانہ سے کبھی کوئی زندہ باہر نہیں نکلا ہے۔

طاہرہ - خدا میں سب کچھ قدرت ہے جب وہ مہربان ہوتا ہے تو دشمن بھی مہربان ہو

جاتا ہے۔

لاڈی - تم پر کون مہربان ہوگا۔

طاہرہ - خدا کا ایک نیک بندہ۔

لاڈی - اور وہ کون ہے۔

طاہرہ - ایک پنڈت یا جوتشی

لاڈی - کہاں ہے۔

طاہرہ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ سامنے کیا کھڑا ہے۔ لاڈی نے بجز و طاہرہ کے

اور کسی کو نہ دیکھا تھا اب طاہرہ کے اشارہ کرنے پر جب اس کی نظر اٹھی تو اس نے سامنے

ایک بڑھے برہمن کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ جوتھی لاڈی کی نظر برہمن پر پڑی تو وہ جھک گئی۔

لاڈی نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا کون؟

سیاگر نے کہا جی ہاں آپ کا خادم سیاگر ہی ہے۔

لاڈی - تمہارے دل میں کیسے یاد مہربانی آگئی؟

سیاگر - مجھے حضور کے قید کئے جانے کا حال معلوم نہ تھا۔ صرف اس عرب دو شیرہ کے

قید ہو جانے کا حال معلوم تھا۔ چونکہ میں نجومی اور جوتشی ہوں۔ میں نے علم نجوم سے معلوم کر لیا کہ محمد قادم

سندھ کو فتح کرے گا اس لئے میں نے سوچا کہ اس بڑکی کو رہائی دلا کر مسلمانوں پر ایک احسان کر دوں

تاکہ کسی وقت احسان کے صلہ میں مسلمانوں کی عنایات حاصل کر سکوں چنانچہ میں نے اسے رہا کر دیا۔

مگر اس نے بتایا کہ آپ بھی قید ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہوا اور میں اس کے ساتھ آپ کو بھی رہا

کرانے چلا آیا۔

لاڈی - بڑی مہربانی کی آپ نے؟

سیاگر - مگر زیادہ مہربانی تو طاہرہ نے کی ہے۔

لاڈی۔ تو کیا آپ طاہرہ کو اور سے باہر نکال سکیں گے۔

سیاگر۔ ہاں میں نے دن میں ہی انتظام کر لیا تھا۔

لاڈی۔ اور میرے لئے؟

سیاگر۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

لاڈی۔ کیا میں بھی طاہرہ کے ساتھ چلی جاؤں؟

سیاگر۔ کوئی ہرج تو نہیں ہے۔

لاڈی۔ لیکن کیا!

سیاگر۔ یہ آپ کے لئے غیر مناسب ہے آپ راجپوتنی ہیں ایک ہمارا راجہ کی رانی ہیں اس طرح آپ کے چلے جانے سے قوم کی بدنامی ہے!

لاڈی۔ پھر کیا کروں؟

سیاگر۔ تم راجہ سے اپنا قصور معاف کرا لو!

لاڈی۔ ٹھیک ہے میں نے قید کرتے وقت راجہ سے کہا تھا کہ اگر میں بے قصور ہوں

دیوی دیوتا میری امداد کریں گے اور مجھے رہا کر دیں گے۔

سیاگر۔ اگر یہ دیوتاؤں ہی کی مہربانی ہے تو تم اس وقت رہا ہو رہی ہو۔

لاڈی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلو طاہرہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

سیاگر نے کہا۔ مگر ہمارا راجہ سے میرا اس عرب دوشیزہ کا کچھ ذکر نہ کرنا۔

لاڈی۔ اطمینان رکھو میں کچھ نہ کہوں گی لیکن محافظ؟

سیاگر۔ محافظوں کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے وہ اپنی جگہ پہرہ پر موجود ہیں۔

لاڈی۔ پھر آپ قید خانہ میں کیسے داخل ہوئے۔

سیاگر۔ یہ تمام کمرے ایک خفیہ راستہ سے ایک کر دیئے گئے ہیں وہ راستہ راجہ کی خواب

گاہ میں ختم ہوتا ہے۔

لاڈی۔ گویا آپ راجہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر آئے ہیں۔

سیاگر۔ ہاں

لاڈی۔ کیا راجہ ابھی خواب گاہ میں نہ آجائیں۔

سیاگر۔ نہیں ابھی وہ نالچ دیکھ رہے اور گانا سن رہے ہیں۔

لاوی۔ تو جلدی چلنے کہیں وہ خواب گاہ میں نہ آجائیں۔

سیاگر۔ ہاں جلدی چلئے۔

یہ تینوں چلے سیاگر نے بڑھ کر دیوار میں کوئی چیز دبائی تو دروازہ نمودار ہوا اور یہ تینوں اس کے اندر داخل ہو گئے۔ دوسری طرف ایک تنگ برآمدہ تھا جس کو طے کر کے ایک زینہ پر چڑھے ہاں دیوار تے ان کا راستہ روک دیا سیاگر نے یہاں بھی کوئی چیز آہستہ سے دبائی دروازہ ظاہر ہوا۔ اس نے جھانک کر دیکھا اس طرف ایک وسیع کمرہ تھا۔ جس میں سینکڑوں موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ان سے تمام کمرہ روشن تھا۔ یہ کمرہ داہر کی خواب گاہ تھا ابھی تک خالی پڑا تھا۔ یہ تینوں آہستہ سے کمرہ میں داخل ہوئے سیاگر نے دروازہ بند کر لیا اور اس کمرہ سے نکل کر ایک اور کمرہ میں پہنچ گیا۔ وہی اور طاہرہ دونوں اس کے ہمراہ تھیں یہاں پہنچ کر اس نے کہا۔ ہمارا فی مناسب ہے کہ اب باہر کے پاس جاؤ اور اسے حیران کر دو۔ اس وقت وہ گانا سن رہے ہیں۔ گانے کی مدغم آواز رہی تھی۔ کوئی عورت کہیں دور پر گارہی تھی۔ لاوی نے کہا بہت اچھا اور طاہرہ!

سیاگر۔ مگر میں اسے قلعہ کے باہر لے جا کر اپنے آدمیوں کے ساتھ نیروں بھیج دوں

مگر کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ محمد قاسم وہیں ہیں۔

لاوی۔ بہت بہتر ہے طاہرہ آؤ مل تو لو!

طاہرہ بڑھی لاوی نے اپنے سینے سے اسے لگایا اس نے کہا طاہرہ بھول نہ جانا۔ طاہرہ نے کہا کبھی نہ بھولوں گی رانی سیاگر نے کہا وقت نازک ہے زیادہ دیر نہ لگاؤ۔ لاوی الگ ہو گئی۔ طاہرہ کو لے کر سیاگر کمرہ سے باہر چلا گیا لاوی سے دیکھتی رہی جب وہ دور نکل گئی۔ تب اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور وہاں سے چلی۔



داہر کا استعجاب

راجہ داہر نے شب و روز بد کاریوں اور سیاہ کاریوں میں گزرتے تھے۔ وہ ہندو حسین کو ہر ممکن کوشش کر کے حاصل کرتا تھا اکثر جب اس نے کسی کو کسی سے طلب کیا اور اس نے ان کو دیا تو وہ اس انکار کرنے والے کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ بھٹ نور بھے کئی آدمی اس نے قتل کر دیئے تھے یہ لوگ نشانہ ستم بنائے گئے تھے ان کے رشتہ دار داہر سے سخت ناراض ہو گئے تھے لیکن داہر کی طاغوتی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کا مقابلہ کسی طرح سے بھی نہ کر سکتے تھے اس لئے وہ ڈرتے تھے اور ڈر کا وجہ سے مظالم برداشت کر رہے تھے۔ جب سے لادو نے لادو کو قید کیا تھا۔ اس وقت سے اس کے دل میں غم و فکر پیدا ہو گئے تھے اور غم دور کرنے کے لئے وہ رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا تھا آج بھی رات کے وقت ایک وسیع کمرہ میں بیٹھا تھا۔ کمرہ میں ریشم کے کپڑے کا فرش ہو رہا تھا اور ایک طرف نہایت خوب صورت مسند بھی ہو گئی تھی۔ جس پر کشیدہ کڑھا ہوا تھا۔ داہر مسند تکیر کے سہارے بیٹھا تھا اس کے سامنے دس بڑی بڑکیاں بیٹھی تھیں وہ صورت نگین اور اس پر ساڑھی باندھے تھیں لیکن ساڑھی کے پلے اس طرف پھلو کے نیچے سے آکر سامنے کی طرف سے سینہ پر ہوتے ہوئے کندھوں پر آکر ختم ہو گئے تھے کہ ان کے سارے بدن کی ابھی طرح پردہ پوشی نہ ہو سکی تھی۔ بائیں طرف پیٹ اور کمر کے حصے سب نظر آ رہے تھے یہ تمام بڑکیاں حسین تھیں اچھی پوشاک پہنے اور آبدار موتیوں کے زیورات پہنے تھیں اس لئے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھیں کمرہ میں کافی روشنی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں ہر ایک چیز جگمگا رہی تھی۔ بڑکیاں نہایت چنچل تھیں۔ بیٹھے بیٹھے بھی ان کی بوٹی بوٹی حرکت رہی تھی۔ داہر نہ صرف انہیں دیکھ ہی رہا تھا بلکہ ان سے چھیڑ خانی بھی کر رہا تھا وہ بھی خوب کھل کھل کر ہنس رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد داہر نے ناچ دیکھنے اور گانا سننے کی فرمائش کی۔

لڑکیوں نے سزا مٹھائے اور ان میں سے ایک نے گھنگھرو باندھ لئے سزا بجا شروع ہوا۔
 عرو باندھنے والی لڑکی ناچنے لگی۔ ناچنے والی نہایت ہوشیار تھی خوب داہر سے داد لی۔ اس
 دورانِ رقص میں گانا بھی شروع کر دیا۔ جیسا ناچی ویسا ہی گایا بھی۔ نہایت اچھا گلاتھا۔ شیریں
 تھی۔ داہر جھوم رہا تھا وہ محو اور بے خود سا ہو رہا تھا۔ اپ تک کئی مالٹیں اسے انعام میں دے
 لیا تھا۔ جبکہ یہ نرم رقص دسر و گرم تھی اور راجہ داہر اندر تباہ بیٹھا تھا اور گانا سن رہا تھا اس وقت
 حسین لڑکی بغیر اطلاع کے کمرہ میں گھس آئی داہر اور تمام لڑکیوں نے اسے دیکھا۔ دیکھتے ہی
 بند کر دیئے۔ ناچنا موقوف ہو گیا اور سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے خصوصاً راجہ داہر
 ہیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ نہایت غور اور بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دیر تک
 تار ہا کچھ دیر کے بعد حیرت انگیز لہجہ میں بولا۔ کون رانی لادی؟
 یہ پوری پیکر لڑکی رانی لادی تھی۔ وہ چپ تھی اور راجہ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ قدرت نے اسے
 بین بنا دیا تھا۔ نہایت بھولا چہرہ اور معصوم نگاہیں عطا کی تھیں۔ اس نے نرم اور شیریں لہجہ میں کہا
 ہاں آپ کی داسی لادی ہے۔

داہر۔ تعجب ہے کس نے تم کو رہا کیا؟

لادی۔ ان دیوتاؤں نے جو مجھ پر مہربان ہیں۔

داہر حیرت و استعجاب کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا اس نے تمہیں سنخیز انداز سے کہا۔ دیوتاؤں

نے؟

لادی۔ جی ہاں

داہر نے خشونت بھرے لہجہ میں کہا غلط ہے فریب کار سینہ تم نے محافظوں کو دھوکہ

یا ہے۔

لادی۔ بھوے راجہ اگر میں محافظوں کو دھوکہ دیتی اور محمد قاسم کے پاس جانا چاہتی تو

پ کے پاس کیوں آتی!

لڑکیاں محمد قاسم کا نام سن کر حیران ہوئیں داہر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ سوچتا رہا اور کچھ

یر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔ دیوتاؤں نے تجھے کیسے رہائی دی۔ لادی اب تک ان سے

چند قدم کے فاصلے پر کھڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا کہ میں سو رہی تھی کچھ کھٹکا ہوا۔

میں سمجھی کہ آپ کو مجھ پر رحم آگیا۔ میری آنکھ کھل گئی دیکھا تو تمہاری روشنی کیسی اور کہاں سے آرہی ہے۔

ابھی میری حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ پھر کھڑکا ہوا۔ یہ کھٹکا چھت کی طرف سے ہوا تھا۔ میں اوپر دو لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھت پھٹ گئی۔ سب فرط حیرت سے بت بنے کھڑے لادی کی گن سن رہے تھے۔ داہر نے حیران ہوتے ہوئے کہا: چھت پھٹ گئی۔

لادی۔ جی ہاں اور اس میں سے ایک نورانی شخص اترتا ہوا نیچے آیا اور میں اس کے لئے جھک گئی۔

داہر۔ کس قدر تعجب کی بات سنا رہی ہوں تم لادی۔ ابھی اور سنئے سوامی۔

داہر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ وہ میرے پاس آکھڑے ہوئے نہایت ہی خوشگوار لہجہ میں کہنے لگے پتری تو بیاکل (بے چین) کیوں ہے بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ ناتھوں کے ناتھ آپ پر سب کچھ پر گھٹ (روشن) ہے۔ انہوں نے کہا ایلان (مصیبتوں پر آیتیاں) آتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا اسی لئے مجھے کچھ شکوہ نہیں ہے وہ بولے اچھا تو چل میں تے خوش ہو کر دریافت کیا کیا آپ کے ہمراہ آکاش (آسمان) پر چلوں وہ۔ نہیں اپنے سوامی کے پاس

میں نے آزر دہ ہو کر کہا۔ مگر میرے سوامی تو بچھ سے خفا ہیں انہوں نے کہا اب وہ تجھ سے خوش ہو جائیں گے میں نے کہا چلیئے انہوں نے میری ساڑھی کا آچل پکڑ لیا۔ ناتھ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ان کے ساتھ اڑنے لگی ہم دونوں اڑتے ہوئے چھت سے باہر نکل گئے چھت پھر برابر ہو گئی انہوں نے مجھے اس کمرہ کے باہر اتار دیا اور خود اڑے چلے گئے۔ سمجھ گئے ہوں گے کہ لادی نے جو افسانہ بیان کیا وہ ایک افسانہ سے زیادہ وقت ہی نہ رکھتا تھا۔ مگر اس نے کچھ ایسے انداز سے بیان کیا کہ سب کو یقین آگیا البتہ داہر چونکہ اس سے مشکوک تھا۔ لہذا اسے شبہ ہی رہا۔ اس نے کہا وہ کوئی دیوتا تھے۔

لادی۔ اور کون ہوں گے سوامی؟

داہر۔ اچھا پھر پہلے میں تصدیق کروں

لادی۔ کس سے تصدیق کریں گے آپ؟

داہر۔ محافطوں سے

لادی۔ محافطوں سے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکے گا۔

داہر۔ مگر تو میرے ہمراہ چل!

لا دی۔ چلئے۔

دونوں رہاں سے چل کر محافظوں کے پاس پہنچے۔ داہرنے اس محافظ سے جس کی حفاظت میں لا دی کا کمرہ تھا کہا۔ تم کب سے پرہ دے رہے ہو؟
محافظ نے جواب دیا۔ شروع رات سے۔

داہر۔ رانی کہاں ہے۔

لا دی نے ساڑھی کے آنچل سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

محافظ۔ قید خانہ میں!

داہر۔ تم نے کسی کو چابی تو نہیں دی۔

محافظ۔ جی ہاں۔

داہر۔ اچھا چابی لاؤ۔

محافظ نے فوراً چابیاں داہر کے ہاتھ میں دے دیں داہرنے لے کر اس سے کہا۔ کمرہ کھولو اس نے پہلا کمرہ کھولا۔ دونوں اندر گئے پھر دوسرا کمرہ کھول کر داہرنے کہا روشنی لے جاؤ اور رانی کو بلا لاؤ۔ محافظ فوراً موم بتی اٹھا کر دوسرے کمرہ میں گیا وہ خالی تھا وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اچھی طرح دیکھ بھال کر گھبرایا ہوا باہر نکلا۔ داہرنے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ وہ سخت پریشان اور بدحواس تھا وہ آتے ہی داہر کے قدموں پر گر کر کہنے لگا۔ حضور رانی صاحبہ کمرہ کے اندر نہیں ہیں داہرنے ڈپٹ کر دریافت کیا۔ بتاؤ وہ کہاں گئی۔ محافظ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا مہاراج اسے تو دیوی دیوتا ہی جان سکتے ہیں۔ داہر اس کی حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہے اب اسے یقین آ گیا کہ لا دی کو کسی دیوتانے ہی رہائی دلائی ہے وہ جلدی سے کمرہ سے باہر آیا اور رانی کے پیروں کی طرف تھکتے ہوئے بولا۔ پر یہ (پاری) مجھے گنہگار نہ بنائیے۔ داہرنے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اچھا تم نے میرا قصور معاف کر دیا۔ میری خوشی سے کہہ دو کہ معاف کر دیا۔

لا دی۔ کر دیا سوامی!

داہرنے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ آؤ میری رانی! لا دی نے اس کے کندھے پر ہاتھ

رکھ دیا اور دونوں داہر کی خواب گاہ کی طرف چلے۔

اسلام کی صداقت

جب بھرا اس کا وزیر اعظم اور بہت سے مٹاکر (افسر) مارے گئے اور سیم میں رٹنے والوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو مسلمانوں نے ان کو اسیر کرنا شروع کر دیا دوپہر تک گرفتاریاں جاری رہیں اور ہر اس ہندو کو گرفتار کر لیا گیا جو مسلح تھے بہت سے ہندوؤں نے ہتھیار بھی اتار کر پھینک دیئے تھے لیکن انہیں ان کے بھائیوں ہی نے بتایا کہ گرفتار کرادیا۔ جب تمام لوگ گرفتار کر لے گئے تب مسلمانوں نے ان سے مردہ ہندوؤں کو اٹھوا کر چلوایا اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے جمع کر کر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کرادیا۔ اس جنگ میں تین ہزار ہندو اور ستتر مسلمان مارے گئے۔ اس کام سے فراغت کر کے اس نے سپاہیوں کو کھانا کھانے کا حکم دیا سب پھیل کر کھانا پکانے لگے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ظہر کی اذان کا وقت ہو گیا چند ایک آدمیوں نے بل کر اذان دی سب نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہزاروں ہندو مرد اور عورتیں پاس آ کر حیرت سے دیکھنے لگے انہوں نے اس روز سے پہلے کبھی مسلمانوں کو نہ دیکھا تھا نہ کسی کو نماز پڑھتے دیکھا تھا ان کے خیال میں خدا کی عبادت کا یہ طریقہ عجیب تھا وہ تمام بت پرست تھے اور بتوں کو پوجتے تھے جس وقت مسلمان نماز پڑھ رہے تھے تو ان کے سامنے کچھ بھی نہ تھا یعنی نہ بت تھے نہ پتھر اور نہ کوئی اور چیز یہ دیکھ کر اکثر عورتیں عورتوں کی طرف اشارہ بازیاں کر رہی تھیں کہ یہ کیسی نماز پڑھ رہے ہیں جب کہ ان کے سامنے بت نہیں۔ جب مسلمانوں نماز سے فارغ ہوئے تب محمد قاسم نے اسی جگہ جس جگہ نماز پڑھی تھی دربار منعقد کیا۔ تمام ہندوؤں کو بلایا جب سب آگئے۔ تب محمد قاسم کھڑا ہوا اور اس نے کا کا سے کہا کہ کسی مترجم کو بلاؤ جو کہ میری تقریر کا ترجمہ اپنی زبان میں کر کے ان لوگوں کو سناٹے فوراً ایک مترجم بلایا گیا اب محمد قاسم نے کہا ہندو دوستوں میں سب سے پہلے اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان دینا اور دنیا کی تمام اشیاء

پیدا کریں۔ وہ اس وقت ہے جب کچھ نہ تھا اور اس وقت بھی رہے گا۔ جب یہ دنیا مٹ جائے گی۔ آسمان روٹی کے گالوں کی طرح اڑ کر غائب ہو جائے گا۔ زمین پھٹ جائے گی وہ تنہا ہے اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے ہر کام کا حکم وہ خود دیتا ہے بغیر اس کے حکم کے ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا یہ بت جن کو تم دیکھتے ہو۔ نہ خدا میں نہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان کو خدا سمجھ کر پوجتے ہو۔ اس خدا کو نہیں پوجتے جس نے تم کو بنایا اور تمہارے لئے دنیا کی ہر چیز بنائی یہ عقیدہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ انسان مرنے کے بعد گھوڑا، گدھا، کتا، بلی، کیڑے، مکوڑے وغیرہ بن جاتا ہے اور یہ کیڑے مکوڑے بلی آدمی بن جاتے ہیں اگر یہ بات ہوتی تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ دنیا ہمیشہ قائم اور باقی رہتی اور انسان جون بدل کر گدھا اور گدھے سے انسان بنتا رہتا۔ قیامت کبھی نہ آتی نہ قیامت کے آنے کی ضرورت تھی اس لئے جب خون بدلنے سے اعمال کی سزائیں گئی تو قیامت کی ضرورت ہی کیا رہی لیکن تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ جگ پر پور قیامت بھی ہوگی نرگ (دوزخ) اور سوڑگ (بہشت) بھی ہے سمجھنے کی بات ہے کہ جب انسان نے اپنے اعمال کی سزا جون بدل کر پالی پھر دوزخ اور بہشت کس کام کی۔ قیامت کیوں ہوگی؟ میرے بھولے دوستو یہ چکر تمہارے بزرگوں نے اپنی ناگہی سے خود ہی قائم کر دیا۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ انسان مگر جانور اور جانور مگر انسان بن جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو ان کی سمجھ میں آ جاتا کہ برسات میں اس قدر کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں کہ ان کا شمار ہی نہیں ہوتا کسی ایک ملک کے اگر تمام کیڑوں کو جمع کیا جائے تو وہ ساری دنیا کے انسانوں سے بھی کروڑوں زیادہ ہو جاتے ہیں اگر وہ انسانوں کی جون چھوڑ کر کیڑوں کی جون میں آجاتے تو انسانوں سے زیادہ نہ آتے اس کے علاوہ اگر جون ہی بدلنا ہوتا تو مرنے کے بعد فوراً ہی جون بدل لی جاتی۔ برسات کا انتظار کیوں کیا جاتا یہ کچھ نہیں محض ایک ڈکوسلہ ہے۔ عقل مند آدمی جون کے چکر میں نہیں پھنس سکتا۔ پھر اس جون کے قائل صرف ہندو یا وہ لوگ ہیں جو ہندوستان سے شمال مشرق کی طرف چلے گئے ہیں دنیا میں اور بھی بہت سی اقوام آباد ہیں لیکن کوئی بھی جون بدلنے کی قائل نہیں بلکہ جو اس عقیدہ کو سنتا ہے مضمک اڑاتا ہے دوستو خدا نے سب کا رخا نہ قائم کیا ہے وہی لائق پرستش ہے اس نے قیامت کا دن مقرر کر کے اپنے بندوں کو بتا دیا ہے کہ اگر تم بھٹک گئے تم نے میرے سوا کسی اور کو پوجا یا کرنی اور گناہ کیا تو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا حساب لوں گا اور جس نے اچھے عمل کئے اسے جنت میں داخل کروں گا۔

اور گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دوں گا۔ مسلمان خدا ہی کو پوجتے ہیں۔ میں استدعا کرتا ہوں کہ تم سب بھی خدا ہی کو پوجو۔ خدا کے پوجنے والے مسلمان کہلاتے ہیں تم بھی مسلمان ہو جاؤ جو لوگ مسلمان ہو جائیں گے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے اور خواہ کہیں بھی ہوں سارے مسلمان انہیں بھائی سمجھ کر ان کی مدد کریں گے۔

اس لمبی چوڑی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سینکڑوں روشن خیال ہندو مسلمان ہوئے انہیں فوراً ہار کر دیا گیا۔ اب محمد قاسم نے کاکا کو چاندی کی کرسی پر بٹھا کر اس کے سرتاج رکھا۔ جو بچہ راہنہ کر رہا تھا۔ محمد قاسم نے کہا کاکا! ہمارا دوست ہو گیا ہے ہم پر اس کی مدد فرض ہو گئی ہے۔ ہم نے بچہ راہنہ کو کاکا کاکا کا راج اس سے چھین کر کاکا کے حوالے کر دیا ہے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ کاکا کی اطاعت کرے جو ذرا بھی اطاعت سے گزر کرے گا اس کے سر پر مسلمانوں کی تلواریں پھر بلند ہو جائیں گی۔ اس تاج پوشی کی رسم کے بعد محمد قاسم موہ تمام مسلمانوں کے قلعہ سے باہر نکل آ گیا اور قلعہ کے سامنے والے میدان میں مقیم ہو گیا۔ کاکا کو اور کاکا کو ہی کیا ہر ہندو کو خیال تھا کہ مسلمان سیم پر قابض ہو کر وہاں خود حکومت قائم کر لیں گے لیکن جب محمد قاسم نے کاکا کو راج حوالے کر دیا تو تمام ہندو دنیا کو تعجب بھی ہوا اور وہ مسلمانوں کے شکر گزار بھی ہوئے بعض متعصب غیر مسلم مسلمانوں پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ تلوار کے زور سے کی اور ملک پر ملک چھین کر ان پر حکومت کی لیکن وہ ایک مثال بھی ایسی نہیں بتا سکتے کہ مسلمانوں نے فلاں ملک پر بلاوجہ حملہ کیا یا کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا ہو۔ ہندوستان ہی کو بے لچھے اس ملک پر سب سے پہلا حملہ حضرت عثمان غنی خلیفہ سوم کے زمانہ میں کیا گیا یہ حملہ اس وجہ سے ہوا کہ جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کر لیا تو بہت سے ایرانی ہندوستان میں بھاگ آئے تھے اور یہاں کے سادہ لوح ہندوؤں کو برا فرختہ کر کے مسلمانوں سے نبرد آزما کرانے کی تجویزیں کرنے لگے۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا۔ حضرت عثمان نے ہندوستان کے راجاؤں کو لکھا کہ وہ ایرانیوں کو اپنے ملک سے نکال دیں مگر راجاؤں نے اس کا جواب نہایت نامناسب الفاظ میں دیا۔ چنانچہ مجبور ہو کر ان کا غرور ان کے سروں سے دور کرنے کے لئے سب سے پہلے مسلمانوں نے ۳۵ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ چونکہ غرض صرف اتنی تھی کہ ہندو ایرانیوں کو ہندوستان سے نکال دیں اور مسلمانوں کے حملہ کرنے ہی ہندوؤں کی شکست سے آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے ایرانیوں کو نکال دیا۔ اس لئے مسلمان واپس لوٹ گئے۔ دوسرا حملہ ۹۲ھ میں ہوا۔ جس کے متعلق ہم یہ ناول لکھ رہے ہیں اس کی بتائے فساد

ناظرین نے بخوبی سمجھ لی ہوگی۔ اسی طرح ہر قتل اعظم پر جو عیسائیوں کا بادشاہ تھا اور ملک شام میں حکومت کرتا تھا۔ اس لئے حملہ کیا گیا کہ اس نے اس قاصد کو جو آنحضرت صلعم نے اس کے پاس بھیجا تھا قتل کر دیا۔ قاصد کے قتل کا انتقام لینے کے لئے حملہ کیا گیا اور اس کے بعد جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ غرض کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہی نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں نے کسی ملک پر بلاوجہ حملہ کیا۔ چونکہ دعویٰ ہے دلیل غلط ہوتا ہے اس لئے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے دعویٰ کو غلط سمجھا جاوے۔ غرض کہ اس دن محمد قاسم نے قیام کیا اور دوسرے دن اس کا ارادہ بھٹ نور کی طرف پیش قدمی کرنے کا ہوا۔ بھٹ نور ایک چھوٹی سی ریاست سیم سے آگے بڑھ کر ساموج اور قندرباہیل کے درمیان تھی۔ لیکن ابھی اسلامی لشکر نے کوچ نہ کیا تھا کہ راجہ بھٹ نور کا قاصد صلح کرنے کی غرض سے آیا اس کو راجہ نے ایک ہزار درہم چاندی خراج دینے اور ہمیشہ کے لئے اسلامی حکومت کا وفادار رہنے کے اقرار پر صلح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ محمد قاسم نے منظور کر لیا اور صلحنامہ لکھ کر اس کے حوالہ کر دیا۔ وہ چلایا گیا۔ جب مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی تو ایک قاصد حجاج کا فرمان لے کر حاضر ہوا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حجاج نے ڈاک بٹھادی تھی اور دوسرے دن محمد قاسم حجاج کو اور حجاج محمد قاسم کو خط لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ چونکہ تمام خطوط کو لکھنا طوالت تھی اور اس سے ناول کی صنعت بڑھ جاتی اس لئے ہم نے ضروری خط کو لکھ دیا اور غیر ضروری کو چھوڑ دیا ہے مگر ان دونوں کی خط و کتابت محفوظ ہے محمد قاسم کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی قاصد آتا اور خط لاتا تو فوراً تمام مسلمانوں کے سامنے باواز بلند پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ چونکہ اس وقت تمام مسلمان بیٹھے ہوئے تھے اس لئے اس نے پڑھ کر سنا شروع کر دیا لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے پیارے فرزند محمد قاسم مجھے تعجب ہے کہ تم نیرون سے اور جلیک بجانے بیہ اور قندرباہیل کی طرف چلے گئے ہر ان اطراف میں بہت ہی چھوٹے چھوٹے رہتے ہیں پھر انہوں نے کوئی قصور بھی نہیں کیا ہے ان پر بلاوجہ لشکر کشی کرنا میں غیر مناسب سمجھتا ہوں۔ تمہارا کام تو راجہ داہر کو نرا دینا تھا اور اس کا غرور توڑنا ہے تم فوراً لوٹ آؤ اور دیہاتے مہران (سندھ) کو عبور کر کے اور پر حملہ کرو۔ داہر فتنہ جو اور دغا باز ہے اس کی کسی بات پر اعتماد نہ کرنا۔ البتہ جو شخص بھی تم سے امان مانگے اسے امان دو۔ جو مسلمان ہو جائے اس سے نیک سلوک کرو اور مال غنیمت سے

اسے بھی حصہ دو۔ لڑنے والوں سے لڑو اور انہیں قتل کرو۔ مگر جو امن پسند شہری ہوں انہیں قتل مت کرو۔ نماز پڑھتے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ ہر وقت اسی سے مدد طلب کر لو۔ وہی مدد دے گا۔ تم حق پورا انشاء اللہ فتح تمہاری ہی ہوگی اور تمام مسلمانوں سے میرا سلام کہہ دو۔

حجاج

اس خط کو سن کر تمام مسلمان خوش ہوئے محمد قاسم نے اسی وقت واپس لوٹ کر نیرون پہنچنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی لشکر نیرون کی طرف چل پڑا۔



الوداع

جب سیساگر طاہرہ کو لے کر راج محل سے باہر آیا تو طاہرہ نے اس سے کہا میں کس زبان سے آپ کا شکر یہ ادا کروں سیساگر نے کہا۔ بیٹی طاہرہ میں نے جب سے سنا تھا کہ تو نیک اور پاک دامن ہے اور راجہ کی مرضی پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہے میں اسی وقت سے تیری ربائی کے فکر میں تھا لیکن موقع نہ ملتا تھا۔ دوسرے میں یہ دیکھ رہا تھا کہ تو کہاں تک پاک دامن رہتی ہے۔ جب تجھے قید کر دیا گیا۔ تب میں نے کوشش کی اور تجھے نکال لایا۔ قید خانہ داہرہ کے باپ بیچ نے تعمیر کرایا تھا۔ خفیہ راستہ یا تو وہ جانتا تھا یا بدھی من وزیر۔ مجھے اس وزیر سے ہی اس راستہ کا علم ہوا تھا۔ واہرہ بھی اس راستہ کو جانتا تھا میں نے تیری روانگی کے لئے یہ انتظام کر دیا ہے کہ میرے دو معتد شہر سے باہر تیرے منتظر ہیں تم ان کے ہمراہ نیردن چلی جانا۔ طاہرہ نے کہا کیا اسی طرح چلی جاؤں؟

سیساگر۔ اور کس طرح جانا چاہتی ہو۔

طاہرہ۔ آپ کا محل کس طرف ہے۔

سیساگر۔ اتر کی جانب ہے۔

طاہرہ۔ کتنی دور ہے؟

سیساگر۔ قریب ہی ہے

طاہرہ۔ کیا آپ مجھے چند دن وہاں چھپا سکتے ہیں۔

سیساگر۔ چند روز کیا میں عمر بھر چھپا سکتا ہوں۔

طاہرہ۔ اچھا تو آپ اس وقت مجھے اپنے محل میں لے چلیں۔

سیساگر۔ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کس لئے

طاہرہ۔ میں اس لباس میں جانا نہیں چاہتی!

سیاگر۔ کیا کسی ہندو کینا دو شیزہ کی پوشاک لاؤں۔

طاہرہ۔ نہیں!

سیاگر۔ اور

طاہرہ۔ میں مردانہ لباس میں جانا چاہتی ہوں۔

سیاگر۔ تو کیا کسی راجکنور کا لباس لاؤ۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ راج کنور کا لباس تمہارے راجکنور لباس ہی کیا پہنتے ہیں

محض ایک دھوتی۔

سیاگر۔ ہم ہندو ستانیوں کا ایسا ہی لباس ہوتا ہے مگر دھوتی سے اوپر گلے تک موتیوں

کے کنٹھوں اور بالوں سے تمام جسم ڈھکا رہتا ہے۔

طاہرہ نے شرماتے ہوئے کہا لیکن ایک عورت کنٹھوں اور بالوں سے کیسے اپنا جسم

ڈھانپ سکتی ہے۔

سیاگر۔ ہاں نہیں چھپا سکتی پھر کیسا لباس چاہتی ہے تو۔

طاہرہ۔ عرب زبواؤں کا۔

سیاگر۔ وہ تو یہاں نہیں مل سکتا نہ کوئی اس لباس کو تیار کرنا جانتا ہے۔

طاہرہ۔ تیار تو میں خود کروں گی آپ کیڑا تو مہیا کر سکتے ہیں۔

سیاگر۔ جیسا کیڑا مسلمانوں کے لباس کا ہوتا ہے ایسا اس دس میں تیار نہیں ہوتا۔

طاہرہ۔ مگر جس کیڑے کا لباس میں اس وقت پہنے ہوں ایسا تو مل سکتا ہے۔

سیاگر۔ ایسا بھی نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اس قسم کے کیڑے صرف راجاؤں کے لئے تیار ہوتے

ہیں اور راجہ ہی انہیں خریدتے ہیں

طاہرہ۔ اس سے گھٹیا قسم کا تو مل جائے گا۔

سیاگر۔ اچھا تم میرے ہمراہ چلو۔ میں کوکسٹس کروں گا کہ اچھے سے اچھا کیڑا مل جائے

لیکن

طاہرہ۔ لیکن کیا؟

سیاگر۔ تجھے اس کمرہ میں بند رہنا پڑے گا جس میں تجھے میں ٹھہراؤں گا۔

طاہرہ۔ مجھے منظور ہے۔

سیاگر۔ غالباً بیٹی تو سمجھ گئی ہوگی کہ اگر کسی نے تجھے میرے محل میں دیکھ لیا اور راجہ کو خبر کر

دی تو وہ فوراً مجھے قتل کرادے گا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تو کمرہ سے باہر نکلے اور کوئی تجھے دیکھے
طاہرہ۔ اطمینان رکھئے کوئی مجھے نہ دیکھ سکے گا جہاں آپ چاہیں گے وہیں رہوں گی۔
سیاگر۔ اچھا آؤ۔

طاہرہ اس کے ساتھ چلی۔ چونکہ ابھی رات تھی۔ بازار اور گلیاں سونی پڑی تھیں اس لئے راستہ
میں انہیں کوئی بھی نہ ملا اور وہ بخیریت سیاگر محل میں داخل ہو گئی۔ یہ محل بھی وسیع تھا۔ مگر اتنا نہیں
کہ جتنا راجہ داہر کا تھا۔ سیاگر طاہرہ کو لے کر ایک طرف چلا اور ایک وسیع کمرہ میں داخل ہو کر بولا
یہ کمرہ ایسا ہی ہے۔ جہاں تو چھپی رہ سکتی ہے لیکن اگر کسی وقت باہر نکل گئی اور کسی نے تجھے دیکھ
لیا تو اس وقت سے میرے لئے جملہ مصائب کا دروازہ کھل جائے گا۔

طاہرہ۔ آپ اطمینان رکھئے میں ہرگز اس کمرہ سے باہر نہ نکلوں گی۔

سیاگر۔ اچھا تو بیٹھ جا میں کچھ روشنی سے آؤں۔

طاہرہ۔ روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔

سیاگر۔ نہیں روشنی ضرور چاہیے۔ یہ کمرہ ایک عرصہ سے بند پڑا ہے۔ کوئی کیڑا کانا
وغیرہ نہ ہو۔ کمرہ میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ طاہرہ فرش پر بیٹھ گئی۔
سیاگر چلا گیا اور عموڑی دیر کے بعد ایک موم بتی لئے ہوئے آیا۔ اس روشنی میں طاہرہ نے کمرہ کو دیکھا
کمرہ اچھا خاصا وسیع تھا۔ اس میں کپڑے کا فرش ہو رہا تھا۔ فرش پر ایک طرف مسند بھی ہوئی تھی۔ مسند
پر تکیے لگے ہوئے تھے۔ طاہرہ کو تعجب ہوا کہ ایسا کمرہ جو ضروری سامان سے آراستہ ہے بند کیوں پڑا
ہے۔ چنانچہ اس نے سیاگر سے دریافت کیا۔ یہ کمرہ بند کیوں پڑا ہے۔ سیاگر کی آنکھیں پر نیم ہو
گئیں اس نے کہا پتری میری ایک بیٹی تھی۔ وہ اس کمرہ میں رہا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا اس وقت
سے یہ کمرہ بند ہے مگر میں اسے خود ہر روز صاف کرتا ہوں۔ طاہرہ کو افسوس ہوا کہ اس نے کیوں
ایا ذکر چھپایا۔ سیاگر کے دل کو تکلیف پہنچی۔ اس نے کہا مٹا کر نہیں آئے آپ کے دل کو دکھانے والی بات پوچھی۔

سیاگر۔ میں جانتا تھا کہ تو پوچھگی اچھا اب میں چارہا ہوں صبح آؤں گا۔

سیاگر کے بشرہ سے ظاہر تھا کہ اسے اپنی لڑکی یاد آگئی ہے اور وہ سخت غمزدہ ہو گیا چنانچہ وہ
جلدی سے چلا اور کمرہ سے باہر نکل گیا اس کے چلے جانے کے بعد دیر تک طاہرہ بیٹھی افسوس کرتی رہی۔
جب وہ اٹھی تو آفتاب نکل آیا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ صبح کی نماز قضا
ہو گئی۔ چونکہ وہاں پانی نہ تھا اور اسے وضو کرنا تھا۔ بغیر وضو کئے ناز نہ پڑھ سکتی تھی اس لئے اٹھ کر سوپنے
لگی کہ پانی کیسے اور کہاں سے لے۔ کچھ دیر کے بعد سیاگر آ گیا۔ وہ کئی قسم کے کپڑے لایا تھا۔ اس نے

آتے ہی کہا بیٹی میں تیرے واسطے کپڑے لایا ہوں۔ طاہرہ نے کہا۔ بڑی ہیربانی کی آپ نے اس نے اس سے کپڑے لے کر دیکھے اور دکھ دیئے۔ سید اگرنے درافت کیا۔ ٹھیک ہیں نہ یہ کپڑے، طاہرہ۔ جی ہاں ٹھیک ہیں۔

سید اگرنے اور کس چیز کی ضرورت ہے۔

طاہرہ۔ سب سے پہلے تو پانی چاہیے مجھے وضو کر کے نماز پڑھنا ہے۔ سید اگرنے اور پھر؟

طاہرہ۔ اور پھر سوٹی دھاگے کی ضرورت ہوگی۔

سید اگرنے اچھا میں ابھی لائے دیتا ہوں۔

وہ چلا گیا طاہرہ نے اس کے جاتے ہی کپڑے بھینٹے شروع کر دیئے تھوڑی ہی دیر میں سید اگرنے پانی اور سوٹی دھاگے لے کر آگیا اور طاہرہ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر کپڑے سینے سینے لگی سید اگرنے چلا گیا اور دوپہر کو خود ہی کھانے لے کر آیا۔ طاہرہ نے کھایا وہ چلا گیا۔ چند ہی روز میں

طاہرہ نے دو جوڑے تیار کر لئے جو بالکل عرب مجاہدوں کے سے تھے جب کپڑے تیار ہو گئے تب اس نے سید اگرنے کو کہا آپ مجھے ایک ڈھال ایک تلوار ترکش اور تیر کمان جو میرے قابل ہو فراہم کر دیجئے اور آج مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیجئے۔ سید اگرنے کو طاہرہ سے اپنی بیٹی جیسی محبت ہو گئی تھی اور اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ طاہرہ اس کے پاس سے جائے۔ چنانچہ اس نے کہا بیٹی اب تو یہاں سے نہ جا۔ میرے ہی پاس رہ۔ میں تیری ہر طرح سے حفاظت کروں گا۔

طاہرہ نے کہا میرے محسن میرے یہاں رہنے سے آپ کے لئے خطرہ ہے۔ دوسرے میں جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہوں اس لئے مجھے جانے سے نہ روکنے۔

سید اگرنے افسردہ دلی سے کہا۔ اچھا میں سب کچھ فراہم کر دوں گا کاش میں تم سے محبت نہ بڑھاتا۔

طاہرہ۔ میں چند روز کے لئے جا رہی ہوں اور پھر اگر زندگی ہے تو آپ کے ساتھ رہوں گی۔

سید اگرنے خوش ہوتے ہوئے کہا یہ تیرا وعدہ ہے۔

طاہرہ۔ جی ہاں

سید اگرنے اچھا میں آج ہی سب چیزیں مہیا کر دوں گا۔

طاہرہ۔ ایک رہبر کی ضرورت ہوگی۔

سیاگر۔ نہ صرف ایک بلکہ کئی محافظ ساتھ کر دوں گا۔
 طاہرہ۔ نہیں صرف ایک شخص کو ساتھ کر دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ ایک نو عمر عربی
 لڑکانیرون سے آیا تھا۔ وہ واپس جانا چاہتا ہے۔

سیاگر۔ اچھا!

وہ چلا گیا۔ رات کے وقت واپس آیا اس وقت طاہرہ نے اپنا لباس سی لیا تھا۔ ایک لمبی
 آستینوں والا لباس پہن لیا تھا۔ اس کے نیچے ازا۔ (شلوار) تھی سر پر عمامہ تھا۔ عمامہ کے اوپر ایک
 رومال تھا جو سینے پر آکر رک گیا تھا۔ وہ اچھی خاصی ایک نو عمر عربی لڑکانی گئی۔ سیاگر اسے دیکھ
 کر حیران رہ گیا۔ اس لباس میں وہ مطلق بھی نہ پہچان سکا اس نے کہا طاہرہ خوب بھیس بدلا ہے
 تو نے۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا اب کوئی مجھے لڑکی تو نہ سمجھے گا۔
 سیاگر۔ بالکل نہیں۔

اب طاہرہ نے ڈھال پشت پر لٹکانی۔ اس پر ترکش ڈالا۔ کمان شانے پر ڈالی اور تلوار کمر
 میں لگائی۔ اس طرح سے وہ پورا نو عمر مجاہد بن گئی تھی۔ سیاگر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب رات
 زیادہ گزر گئی تو سیاگر اسے اپنے ہمراہ لے کر چلا۔ طاہرہ نے وہ جوڑا جو وہ پہنے تھی اور ایک ایسا
 ہی مردانہ جوڑا جیسا کہ اس نے اب پہنا تھا دونوں باندھے اور کمر سے ٹکائے وہ سیاگر کے
 ہمراہ چلی محل سے باہر نکلی دونوں خاموشی سے چل کر قلعہ کے دروازہ پر آئے۔ چونکہ سیاگر وزیر اعظم
 تھا۔ اس لئے پہرہ داروں نے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی اور وہ طاہرہ کو ہمراہ لے کر قلعہ
 سے باہر نکل آیا دونوں خاموشی سے چلتے رہے جب قلعہ سے زیادہ دور نکل گئے تب سیاگر
 رک گیا اور اس نے آواز دی رنجیت۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک اٹھیر عمر کا ہندو دو گھوڑوں کی باگیں بکڑے آیا اور اس نے کہا حاضر
 ہوں۔ سیاگر نے کہا یہ ہے وہ لڑکا جو کہ میروں جانا چاہتا ہے تم اسے پہنچا کر اور اس کی چھٹی لے
 کر آیا۔ تجھے انعام دے کر مالا مال کر دوں گا۔

رنجیت نے کہا۔ بہت اچھا۔ سیاگر نے طاہرہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
 اچھا رخصت الوداع! وہ گھوڑے پر سوار ہوئی دوسرے پر رنجیت سوار ہوا اور دونوں
 روانہ گئے۔ دیر تک سیاگر وہاں کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ دور نکل گئے۔ تب وہ ٹھنڈا
 سانس بھر کر واپس ہوا۔



پیشگوئی

راجہ داہر عیش و عشرت میں مشغول تھا اس کے گرد ہر وقت سیم تن لڑکیوں کا مجمع رہتا تھا شبے روز ناچ اور گانا دیکھتا اور سناتا رہتا تھا۔ مورخ اس کی تعیشانہ زندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے لکھتے ہیں کہ وہ اس لئے داد عیش دے رہا تھا تاکہ اس کی رعایا اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی جلد آوری سے متفکر اور پریشان نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی پرکاش کے برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ دراصل وہ عیش پسند تھا۔ حریص حسن تھا اور ہر وقت حسین لڑکیوں سے اختلاط کرتا تھا۔ یا شاید وہ اس لئے داد عیش دے رہا تھا کہ اسے اپنا تباہ خیر انجام قریب نظر آ رہا تھا۔ سمجھتا تھا کہ شاید تباہی سر پر آگئی ہے پھر کیوں نہ دل کے ارمان پر رے کرے ٹھیک اسی طرح جیسے کہ شرابی شراب کو قابل نفرت چیز سمجھتے ہوئے بھی اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ شراب اس کی صحت کو تباہ کر کے رفتہ رفتہ اسے موت کی آغوش میں کھینچے لئے جا رہی ہے شراب پیتا ہے بلکہ اپنا عبرتناک انجام قریب دیکھ کر اور بھی کثرت سے شراب پینا شروع کر دیتا ہے اور آخر اس کی جان شراب کی ہی نذر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح داہر سمجھ رہا تھا کہ مسلمان اس کا ملک چھیننے اور اسے قتل کرنے کے لئے جلد آور ہوئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے بھی وہ مشغول عشرت تھا۔ اگر وہ عقلمند ہوتا تو ضد کرنے کے بجائے مسلمانوں کو جنھیں اس کے سپاہیوں نے اپنی حماقت سے قید کر لیا تھا چھوڑ دیتا اور اگر اس کی راجپوتی نشان اس کی اسے اجازت دیتی تو جنگ کی تیاری کرتا اور نرم عیش چھوڑ کر میدان کارزار میں جا پہنچتا۔ لیکن ایک عشرت پسند انسان کی دلیری کو زنگ لگ جاتا ہے اور وہ بزول بن کر موت سے ڈرنے لگتا ہے۔ داہر بھی بزول بن گیا تھا اور اس کا شغلہ بجز عیش و عشرت کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا۔

ایک دن جب کہ محفل رقص و سرود گرم تھی۔ پچاس ساٹھ مہ جیبیں لڑکیاں نیم برہنہ لباس میں

اس کے گرد پیش موجود تھیں اور ان کے تنویر حسن سے تمام کمرہ جگمگا رہا تھا۔ داہر مسند پر بیٹھا ناچ اور گانا سن رہا تھا۔ سیساگر تین آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوا اور اس نے نہایت ادب سے جھک کر اسے سلام کیا۔ ناچ و گانا بند ہو گیا۔ داہر نے کہا آئیے وزیر اعظم صاحب کہنے اس وقت کیسے آئے۔ سیساگر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ مہاراج غالباً حضور نے سن لیا ہوگا کہ محمد قاسم دیبل نیرون، سوستان، بدیہہ اور قندھار بابل فتح کر لئے ہیں۔

داہر۔ ہاں ہم نے سن لیا۔

سیساگر۔ معلوم ہوا ہے کہ محمد قاسم قندھار بابل اور بدیہہ سے واپس لوٹ کر نیرون میں آگیا ہے۔ داہر نے ہنستے ہوئے کہا اب وہ ملک عراق یا اور کہیں واپس جانا چاہتا ہے۔

سیساگر۔ نہیں حضور!

داہر۔ تو کیا نیرون میں ہی قیام کرنے کا ارادہ ہے۔

سیساگر۔ ان داتا نہیں

داہر۔ پھر اس کا کیا ارادہ ہے۔

سیساگر۔ وہ دریائے مہرلن کو عبور کر کے اور پر حملہ کرنے کی فکر میں ہے۔

اب تک داہر ترکیہ کے سہارا سے بیٹھا ہوا تھا اب وہ چونک کر خوفزدہ لہجہ میں گویا ہوا اور پر

حملہ کرنے کی فکر میں ہیں؟

سیساگر۔ جی ہاں۔

داہر۔ جب تو اس کی گستاخی اور جرات حد سے بڑھ گئی ہے۔

سیساگر۔ یہی بات ہے مہاراج اب اس بزم عشرت اور محفل رقص و سرود کو بند کیجئے ملک

سخت خطرہ میں پھنس گیا ہے اسے بچائیے۔

داہر نے جوش میں آگے کہا۔ بچاؤں گا۔ اس نے پر بحال لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چلی جاؤ تم سب انسان کو حیوان بنا دینے والی خوب صورت تصویر چلی جاؤ۔ تمام لڑکیاں

ایک ایک کر کے چلی گئیں۔ اب اس نے تمام ارکان سلطنت اور منجموں کو بلایا۔ سیساگر نے بہت

اچھا کہا اور اٹھا۔ داہر نے دریافت کیا کہ یہ آدمی کون ہے؟ سیساگر نے کہا یہ بیت کے رہنے

والے ہیں محمد قاسم کے بڑھنے کی خبر لے کر آئے ہیں؟

داہر۔ بیت میں ہو کہ راجہ ہے اسے بچائیے۔

سیاگر۔ وہ مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

داہر۔ مجھ سے تو وہی اچھا رہا خیر پر وہاں نہیں اب ارکان سلطنت اور جو تیشیوں کو بلائیں اتنے میں ایک مسلم دو تیزہ کو بلا کر قتل کرادوں جس کی وجہ سے مسلمان حملہ کر کے آ رہے ہیں سیاگر خوب جانتا تھا کہ وہ لڑکی روانہ بھی ہو چکی ہے مگر اس نے اس کا ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا ضرور قتل کرادیئے اسے سیاگر چلا گیا داہراٹھ کر قید خانہ پر پہنچا اور اس کمرہ کو کھلوا کر جس میں اس نے ظاہرہ کو قید کیا تھا۔ اندر گیا دوسرا کمرہ کھلنے پر اس نے کہا۔ ظاہرہ آؤ۔ اسے یقین تھا کہ ظاہرہ وہاں ہوگی۔ مگر حیب جواب نہ آیا تو وہ حیران ہو کر کمرہ کے اندر گیا۔ وہاں اندھیرا تھا اس نے محافظ کو روشنی میں دیکھا کمرہ خالی پڑا تھا وہاں ظاہرہ نہ تھی اسے بڑا تعجب ہوا اس نے محافظ سے دریافت کیا کہاں گئی ظاہرہ محافظ کا بھی دم خشک ہو رہا تھا اس نے کہا میں کیا بتاؤں حضور!

داہر۔ کیا تم نے اسے نکلنے ہوئے نہیں دیکھا۔

محافظ۔ نہیں حضور۔

داہر۔ تعجب ہے اس میں مجھے تیری شرارت معلوم ہوتی ہے۔

محافظ نے پاؤں پگرتے ہوئے کہا۔ حضور میں بالکل بے قصور ہوں داہر کچھ سوچنے لگا۔

سزج کرواپس لوٹا۔ جب اس کمرہ کے قریب پہنچا جس میں سے اٹھ کر آیا تھا تو سیاگر بلا داہر نے کہا۔ وزیر ظاہرہ غائب ہو گئی۔ سیاگر نے کہا حضور وہ مسلمان تھی اور مسلمان جا دو گرہوتے ہیں۔

یقیناً وہ بھاگ گئی ہوگی فکر نہ کیجئے داہر سیاگر کے ہمراہ کمرہ میں آیا اس وقت تمام ارکان سلطنت اس کا بیٹا بے سیاہ اور کٹی پنڈت بیٹھے تھے داہر کو دیکھتے ہی وہ تمام اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی تعظیم کے لئے جھک گئے داہر مسند پر جا بیٹھا اس کے قریب ہی سیاگر بیٹھ گیا ان دونوں کے

بیٹھ جانے پر تمام درباری اور پنڈت بھی بیٹھ گئے۔ داہر نے جو تیشیوں سے پوچھا اور کہا کہ تم اپنے علم سے دیکھو اور بتاؤ کہ اگر مسلمانوں سے میں لڑوں تو فتح کس کی ہوگی۔ پنڈتوں نے پوتھیاں سنبھالیں

اکثر نے رول پر لپٹا ہوا کپڑا کھولنا شروع کیا۔ وہ کھولتے جاتے تھے اور حساب لگاتے جاتے تھے۔ دیر کے بعد انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ مشورہ کر کے پھر حساب لگایا۔ دو تین مرتبہ اس

طرح کرنے کے بعد ایک بڑھے منجم نے کہا۔ اندرانا بہتر ہے کہ حضور اس بات کو دریافت نہ کریں۔ داہر نے کہا نہیں میں پوچھوں گا اور تمہیں بتانا ہوگا۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتانا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

داہر اور تمام ازکان سلطنت چونک پڑے داہر نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔
 کم بختو کیسی بدشگونی کی بات کہی تم نے؟ منجموں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ حضور اس
 بات کو دریافت ہی نہ کریں۔

داہر۔ گویا فتح مسلمانوں کی ہوگی؟
 منجم۔ جی ہاں۔

ایک آواز آئی اور یہ بالکل ٹھیک ہے سب نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے جو گنی کھڑی
 تھی۔ سب نے اس کے سامنے سر جھکا دیئے۔



راج ہسٹ

جوگنی سے سب ڈرتے تھے اور اس لئے اس کی تعظیم کرتے اس کی بابت مشہور تھا کہ وہ دم کے دم میں ہر اندیپ ہو آتی ہے روزانہ گنگا جی میں اٹھان کرنے جاتی ہے اور سندھ میں بھی ہر وقت ہر جگہ موجود رہتی ہے اس وقت بھی جوگنی کے الجھے ہوئے غبار آلود بال اس کے کندھوں اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے مگر اس وقت خلاف معمول اس کے چہرہ سے حزن و حلال کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ سیسا گرنے اس سے کہا ماما جی کیا مسلمانوں کی فتح ہوگی۔ جوگنی نے کہا ہاں بالکل اسی طرح جس طرح رام چندر جی نے راون پر فتح پائی۔

سیسا گر۔ مگر راون تو ستیا جی کو لے گیا تھا۔

جوگنی۔ راجہ داہر مسلمانوں کو اسیر کر لائے ہیں۔

لہ چندر ہی راجہ دسرتھ کے بڑے بیٹے تھے دسرتھ اجودھیا میں حکمران تھا اس کے کئی رانیاں تھیں اور اور کئی رانیوں کے کئی اولاد تھی۔ رانی کئی سب سے چھوٹی اور حسین رانی تھی وہ اسے سب سے زیادہ چاہتے تھے اس نے رام چندر جی کو چودہ برس کا بن باس دلایا تھا تاکہ اس کے بعد رانی کا بیٹا بھرت تخت حاصل کرے۔ رام چندر جی اپنے بھائی لچھن اور اپنی ستیا کو لے کر گئے اور جنگل میں رہنے لگے اس زمانہ میں روان لنگا کا راجہ تھا وہ وہ ستیا جی کی خوب صورتی کی تعریف سن کر آیا اور دھوکہ دے کر انہیں اٹھائے گیا۔ رام چندر جی کو بے حد رنج ہوا اور وہ ان کے فراق میں گھومتے پھر سے آخر نہیں معلوم ہو گیا کہ راون نے کیا چنانچہ انہوں نے بندھوں اور بچھوں کی فوج لے کر چلا کر چلا کیا اور اسے مار کر اپنی بھتیجی ستیا جی کو چھوڑا۔ اس کے چب وہ اجودھیا واپس آئے تو لوگوں نے ستیا جی کی حالت دیکھی اور شہم کیا۔ چنانچہ ستیا جی کو آگ میں بیٹھ کر اپنی عنینت مآبی امتحان دینا پڑا۔ اور وہ دنوں میں رکھی گئی مگر وہ ہی ملک میں چھوڑ گیا (بقیہ صفحہ ۱۶۹ پر دیکھو)

داہرنے جوگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا ہمیں جنگ نہ کرنا چاہیے۔

جوگنی۔ جس جنگ کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہو اس سے کیا فائدہ ہے۔

داہر۔ کچھ ہو میں ضرور لڑوں گا۔

جوگنی۔ افسوس تم اب بھی ضد نہیں چھوڑتے تم اپنی جاتی (قوم) تباہ کرانے پر تلے ہوئے ہو

چاہتے ہو کہ بھارت درشش کا ناش ہو جائے۔

داہر۔ اطمینان رکھو بھارت درشش کا ناش نہ ہوگا۔ جاتی تباہ نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کا خاتمہ

ہو جائے گا۔

جوگنی۔ کاش ایسا ہوتا۔

داہرنے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہوگا۔

جوگنی۔ جو مجھے معلوم ہے اور یا جو کچھ ان منجموں کو اپنے علم سے معلوم ہو گیا ہے اگر تم کو بھی یہ معلوم ہو جاتا تو لڑائی کا نام نہ لیتے۔

داہر۔ میں راجپوت ہوں اور راجپوت لڑنے سے نہیں گھبرا یا کرتے!

جوگنی۔ افسوس تم اپنی قوم اور اپنے ملک کی پرواہ نہیں کرتے اور اگر سچ پوچھو تو اپنی بھی

پرواہیں ہے۔

داہر۔ بے شک اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

جوگنی۔ کیا تم اپنا اپنے ملک کا اور اپنی قوم کا انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

داہر۔ میں جادو گروں کی کوئی بات دیکھنا نہیں چاہتا۔

جوگنی کو اس کی بات سخت ناگوار گزری۔ اس نے کہا نہ دیکھو لیکن جب دریا کے اندر تمہارا ہاتھی

گھس جائے اور موت تم کو آگھیرے اس وقت مجھے یاد کرنا شاید میں تم کو بچا سکوں۔ یہ کہتے ہی جوگنی

جلی گئی۔ اس کی یہ باتیں سن کر تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد داہر قبضہ لگا کر

ہنس دیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ مجھے ڈرانا چاہتی ہے لیکن نہیں جانتی کہ میں ڈرنے والوں

میں سے نہیں ہوں سیسا کرنے کہا لیکن ہمارا ج جب جوتشی بھی وہی کہہ رہے ہیں جو مانا جوگنی کہہ

(نوٹ صفحہ ۱۷۸ سے پیوستہ) اس سے رام چندر جگول میں ستیا جی کی پاک دامنی میں پھر شبہ ہوا اور انہوں

نے انہیں نکال دیا۔ مگر تھوڑے سی عرصہ کے بعد رام چندر کے دل میں ستیا جی کی محبت نے پھر شعلہ مارا

اور انہوں نے دریا میں غرق ہو کر جان دے دی۔ (صدیقی)

رہی ہے تو جنگ ملتوی کر دینا چاہیے۔

داہر نے غصہ بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کبھی نہیں ایک راجپوت اپنی آن قائم رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ لیزا کر دیتا ہے داہرا اپنے آپ کو راجپوت کہا کرتا تھا۔ حالانکہ وہ آدھا راجپوت اور آدھا برہمن تھا۔ راجپوت تو اس لئے کہ اس کی ماں راجپوتنی تھی اور برہمن اس لئے کہ اس کا باپ برہمن تھا۔ سیساگرنے کہا جب یہ خیال ہے تو دیر نہ کیجئے۔ فوراً لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے چلیئے۔

داہر۔ یہ ہے بہادری کی بات دارا کین سلطنت سے خطاب کر کے کہہ تمہاری۔ ایک آدمی نے کہا اند تارائے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب آپ جنگ کا فیصلہ کر چکے ہیں تو چلئے ہم سب ساتھ ہیں۔

داہر۔ مگر دل سے تم بھی لڑائی کو اچھا نہیں سمجھتے۔

وہی شخص۔ صحیح بات یہ ہے کہ مقابلہ ہے مسلمانوں سے اور مسلمان وہ قوم ہے جس کی بہادری کا ڈنکہ تمام دنیا میں بج رہا ہے ایران جیسی زبردست سلطنت کو انہوں نے فتح کر لیا ہے شام اور عراق کی حکومتوں کو انہوں نے تختہ الٹ دیا ہے ان سے جنگ کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے اس کے علاوہ جو تیشیوں کو ان کا علم بھی یہی بتا رہا تھا کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی لیکن ان باتوں کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی اگر آپ لڑائی کے لئے تیار ہیں تو ہم بھی آمادہ ہیں۔

داہر۔ ٹھیک ہے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے راجہ کی آن کو برقرار رکھنے کے لئے سید سپہ ہونا چاہیئے اب یہ بتاؤ کہ محمد قاسم کو مہراں سے اس طرف اترنے دیا جائے یا ہم دریا کے پار پہنچیں؟ سیساگر۔ ہمیں خود ہی دریا کے پار اترنا چاہیئے اس لئے کہ اگر محمد قاسم دریا پار آگیا تو رعایا پر برا اثر پڑے گا۔

ایک راجپوت۔ مناسب یہی ہے۔

داہر۔ یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے اگر محمد قاسم دریا سے مہراں پار کر کے اس طرف آجائے تو اس کے سامنے ہمارا لشکر اور پشت پر عظیم الشان دریا ہوگا۔ اس سے وہ گھبرا جائے گا۔ اور پھر فتح تمہاری ہوگی۔

سیساگر۔ جو عبادی سمجھ میں آتا ہے وہ ہم کہہ دیتے ہیں اگر یہی مناسب ہے کہ محمد قاسم دریا کو پار کر کے آجائے تو ایسا ہی کیجئے۔

داہر۔ ہاں میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں اچھا لشکر تیار کرو۔ لیکن بے سیاہ تم کچھ لشکر لے کر کل ہی روانہ ہو جاؤ۔

بے سیاہ نے جھک کر کہا بہت اچھا۔
داہر۔ اپنے ہمراہ کافی ہاتھی لے جانا۔
بے سیاہ۔ بہتر ہے۔

ایک بڑھے جوتشی نے کہا۔ اندا تا جب آپ رٹائی کے لئے جا رہے ہیں تو رانیوں کو بھی ہمراہ لے جائیے۔

داہر۔ میرا خود بھی یہی خیال تھا بلکہ کچھ کنیزوں کو بھی لے جاؤں گا۔
جوتشی۔ خیر کنیزوں کو آپ لے جائیں یا نہ لے جائیں مگر رانیوں کو میدان جنگ میں لے جاتے رہے ہیں۔

داہر۔ اچھا اے ملک و قوم کے یہی خواہو اب تیاریاں شروع کر دو اور ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بہت بہتر سب نے کہا اور راجہ کو سلام کر کے اٹھاٹھو کر چلے گئے ان کے لواحقین (شاہی محل) سے باہر جاتے ہی لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ راجہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے مع اپنی رانیوں کے جانے والے ہیں لوگوں کو بڑا فکر ہوا دراصل مسلمانوں سے لڑنا کوئی بھی پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن راجہ ہٹ مشہور ہے داہر کی فصد کے سامنے کسی کی بھی پیش نہ جاتی تھی اور لوگ مارے باندھے تیاریاں کر رہے تھے۔ دوسرے دن علی الصبح داہر کا بیٹا بے سیاہ پندرہ ہزار لشکر ہزار اور تقریباً تلو ہاتھی لے کر نہایت شان سے الور سے نکلا اور دریائے مہران کی طرف روانہ ہوا راجہ داہر سے دور تک پہنچانے آیا جب وہ کئی میل نکل آیا تب راجہ لوٹ کر الور چلا گیا۔



مصالحات

محمد قاسم معہ مجاہدین اسلام کے سیم سے روانہ ہو کر نیروں آگیا سامنی نے اس کی بڑی اوجھلٹ کی یہاں بہت سے ہندو مسلمانوں کے اخلاق و عادات طریقہ عبادت دیکھ کر خود بخود بخود مسلمان ہو گئے چنانچہ ان کے لئے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور ہندوستان میں کیسب سے پہلی مسجد بنائی گئی تھی ایسی مسجد کی تعمیر جاری تھی کہ شکر اسلام نے دریائے سندھ کی طرف کوچ کر دیا۔ چونکہ اب تک ہر جگہ مسلمانوں کی فتح ہوتی رہی تھی اس لئے ہندوؤں پر ان کی ہیبت پھا گئی اور وہ مسلمانوں کی صورتیں دیکھنا تو کجا ان کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنا سب کچھ چھوڑ پھوڑ کر بھاگ پڑتے تھے۔

چنانچہ جس طرف سے اسلامی لشکر گزار آبادیاں غیر آباد ملتی چلی گئیں مسلمان بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کوچ و قیام کرتے دریائے سندھ کی طرف بڑھتے رہے آخر محرم ۹۳ھ کو وہ قلعہ اشٹہار کے سامنے پہنچے یہ قلعہ نہایت مضبوط اور وسیع تھا۔ ہندوؤں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور فصیل پر فوج تعینات کر دی۔ محمد قاسم نے قلعہ کے سامنے لشکر کو ٹھہرا کر دوسرے ہی دن سے اپنے کیمپ کے گرد خندق کھودانا شروع کر دیا۔ ہندو قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں کو خندقیں کھوتے ہوئے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ مسلمان خندقیں کیا کھود رہے تھے قلعہ اشٹہار کے سامنے ایک کچا قلعہ بنا رہے تھے ہندوؤں نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کا ارادہ یہاں چھاؤنی ڈال کر رہنے کا ہے اس خیال سے انہیں بڑی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ مسلمان دو چار یا دس بیس دن محاصرہ کر کے یا تو آگے بڑھ جائیں گے یا کسی اور طرف چلے جائیں گے۔ مگر جب انہوں نے مسلمانوں کو خندق کھود کر قلعہ بناتے دیکھا تو ہمت گھبرائے اور انہوں نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ محمد قاسم رٹائی پر صلح کو ترجیح دیتا تھا اور وہ جب بھی کہیں رٹا مجبور ہو کر رٹا۔ چنانچہ اس نے فوراً درخواست صلح منظور کر لی۔ صلح ادا کئے مالگزار کی اور خلیفہ کے تابع رہنے

پر ہوئی صلح نامہ مرتب ہوتے ہی قلعہ اشتہار کی کنجیاں محمد قاسم کے حوالہ کر دی گئیں اور یہ شیر اسلام قلعہ
 قلعہ میں داخل ہوا۔ ہندوؤں نے غلوص دل سے اس کا استقبال کیا۔ محمد قاسم نے مسلمانوں کو قلعہ کے اندر
 رہنے اور زیادہ تعداد میں آنے کی اجازت نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو عورتیں بے پردہ نیم برہمنہ
 حالت میں مسلمانوں کے پاس خرید و فروخت کے آتی جاتی تھیں اس نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ چند دن
 وہاں قیام کر کے اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ جون جوں اسلامی لشکر بڑھتا تھا۔ ہندوؤں پر عرب قلم ہوتا جاتا تھا۔
 سندھ کے اس پار والے ہندو یہ سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کے سیلاب کو کوئی طاقت نہیں روک
 سکتی۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ جوان بخت و جوان سال محمد قاسم بڑے عزم مصمم کے ساتھ ہندوستان
 میں آیا تھا اور اب تک اس نے جس طرف کا رخ کیا تھا۔ مظفر و منصور ہوتا چلا گیا تھا۔ شہروں پر
 شہر اور قلعوں پر قلعے فتح کر لئے تھے دراصل محمد قاسم کی فتوحات میں خدا پرستی کا راز مضمر تھا۔
 اگرچہ محمد قاسم سترہ ہی سال کا تھا۔ کچھ بھی عمر نہ تھی اس عمر کے بچوں میں سمجھ بوجھ کا مادہ بھی نہیں ہوتا مگر
 محمد قاسم کو خدا نے عجب دل و دماغ عطا کئے تھے وہ ہر بات کو سمجھ سوچ کر کرتا تھا سب سے بڑی بات
 یہ کہ وہ روزہ و نماز کا پابند تھا۔ امر و نہی کا خیال رکھتا تھا ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہونے دیتا تھا۔
 رات رات بھر قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا اس کی پرہیزگاری کا تمام لشکر پر اثر پڑتا تھا۔ دہر شخص
 نماز کی اور پرہیزگار تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے اور اس کی عبادت کرتے تھے اس سے
 دعائیں مانگتے تھے خدا ان کی مدد کر رہا تھا اور وہ کامیاب و فتح مند ہو رہے تھے۔ جو شخص بھی خدا کو
 یاد کرتا ہے خدا سے یاد کرتا ہے اور جو خدا کو بھول جاتا ہے خدا اسے بھول جاتا ہے۔ خدا کی یاد کا ذریعہ
 نماز ہے محمد قاسم قلعہ اشتہار سے روانہ ہو کر منزل بمنزل کوچ و قیام کر کے دریائے سندھ کے قریب
 جا پہنچا یہاں اس نے ایک وسیع میدان میں ہندوؤں کے کثیر التعداد لشکر کو خیمہ زن دیکھا اس نے
 اس لشکر سے کچھ فاصلے پر اپنے لشکر کو بٹھرایا۔ ہندوؤں کا یہ لشکر اموکہ راجہ کا تھا۔ موکہ نہایت ہی
 دانشمند آدمی تھا یہ راجہ داہر کا قریبی رشتہ دار تھا۔ موکہ کو معلوم ہو گیا کہ بے سیاہ محمد قاسم کو روکنے
 کے لئے اور اس سے لڑنی کے لئے جیل پڑا ہے اور عنقریب ہی اس کے پاس پہنچنے والے ہیں۔ چنانچہ
 اس نے قصد کر لیا تھا کہ دریائے سندھ کے اس پار ہی محمد قاسم کا مقابلہ کرے اور اگر ممکن ہو تو اسے
 شکست دے کر بھگا دے۔ محمد قاسم کو نہر میت دینے کی تمنا ہر ہندو راجہ کے دل میں
 ہوتی تھی اور اس تمنا کو اس وجہ سے اور تقویت ہوتی تھی کہ انہوں نے سن لیا تھا کہ وہاں ہی منحصر ہے
 ہے لیکن جب اس بچہ سے ان کا مقابلہ ہوتا تھا اور اسے میدان جنگ میں لڑنا دیکھتے تھے تو

ساری تمنائیں اور حوصلے لپٹتے ہو جاتے تھے اور پھر یا تو اس سے مصالحت کر لیتے تھے یا میدان جنگ میں مارے جاتے تھے اور یا بھاگ جاتے تھے۔ چنانچہ موکہ کے دل میں بھی محمد قاسم کو شکست دینے کی تمنا پیدا ہوئی اور وہ اس کے مقابلہ کے لئے اپنی پوری طاقت و عظمت سے آڑا۔ اس کے ہمراہ تقریباً بارہ ہزار لشکر تھا۔ محمد قاسم کے ہمراہ چھ ہزار ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلے میں دو ہندو لشکر مسلمانوں کو کچھ خوف نہ تھا۔ انہوں نے خیمے نصب کر کے سب سے پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر چھ آدمی رات کو جلانے کے لئے لکڑیاں کاٹنے لگے۔ کچھ قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے اور کچھ میدان میں نکل نکل کر جگہ جگہ دست و پنہ پندرہ پندرہ کی ٹولیوں میں بیٹھ کر ہتھیاروں کو صاف کرنے لگے۔ جب دن چھپا تو مغرب کی اذان ہوئی۔ تمام مسلمانوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ تمام کیمپ میں ہر خیمہ کے سامنے آگ روشن ہو گئی۔ عشا کے وقت تک کھانا تیار ہوا۔ سب نے پہلے عشا کی نماز پڑھی اور پھر کھانا کھایا۔ پانصد آدمی لشکر کی حفاظت کرنے لگے اور باقی تمام اطمینان سے سو گئے۔ صبح اٹھتے ہی انہوں نے نماز پڑھی اور محمد قاسم نے انہیں مسلح ہو کر میدان کا اوزار میں پہنچنے کا حکم دیا۔ اذان سنتے ہی مجاہدین اسلام بڑے ذوق سے صف بستہ ہونے لگے ہر سردار اپنا علم لے کر اپنے اپنے دستہ میں جا کھڑا ہوا۔ محمد قاسم بھی علم لے کر سب سے آگے جا پہنچا۔ تمام علموں کے پھرے ہوئے ہوا ہیں لہذا رہے تھے اور لہرا کر عجیب سماں پیدا کر رہے تھے۔ ان تمام علموں پر آیات لکھی ہوتی تھیں مسلمان جب ان کی طرف دیکھتے تھے تو جوش اور ولولہ ان کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ مسلمان منتظر تھے کہ ہندو بھی مسلح ہو کر اپنی صفیں مرتب کریں گے مگر وہ میدان میں نہ نکلے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اسلم محمد قاسم کے پاس آیا اس نے کہا یا سیدی آج ہندوؤں کا ارادہ لڑنے کا نہیں معلوم ہوتا۔ محمد قاسم نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

اسلم - شاید وہ کسی اور لشکر کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

محمد قاسم - ممکن ہے۔

اسلم - پھر کیوں نہ ہم ہی بڑھکر حملہ کر دیں۔

محمد قاسم - نہیں ابھی انتظار کرو۔

اس وقت ہندوؤں کے لشکر میں سے چند سوار نکل کر ان کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ ایک سفید جھنڈا لٹے آ رہے تھے تمام مسلمان ان کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ مسلمانوں کے لشکر

کی پہلی صفت کے سامنے آ کر کے ان میں سے ایک شخص نے عربی زبان میں کہا ہم تمہارے سپہ سالار محمد قاسم سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اسلم نے کہا آگے بڑھ آؤ وہ آگے بڑھ کر محمد قاسم کے پاس گئے اسلم نے محمد قاسم کی طرف اشارہ کر کے کہا ہمارے سپہ سالار یہ میں ہندو نے کہا ہمارا راجہ ہو کہ آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہے محمد قاسم نے کہا میں تیار ہوں۔

ہندو۔ کیا آپ ان کے یہاں آنے اور گفتگو کر کے واپس جانے تک امان دیتے ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں میں امان دیتا ہوں۔

ہندو چلے گئے محمد قاسم نے لشکر کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کو بڑا افسوس ہوا کہ آج لڑائی ملتوی ہو گئی وہ واپس لوٹ کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ محمد قاسم اپنے خیمہ کے سامنے کھیل کے فرش پر جا بیٹھا۔ تھوڑی ہی دیر میں موکہ معہ تلو سواروں کے آگیا۔ سب سے پہلے اسلم نے اس کا استقبال کیا پھر عبدالرحمن اور عجل نے سب کے بعد نبانہ اور عبدالقیس نے موکہ اس طرح استقبال کے جانے سے بڑا خوش ہوا۔ جب وہ محمد قاسم کے پاس پہنچا تو فوراً وہ اور اس کے ہمراہی گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے محمد قاسم بھی چند قدم استقبال کے لئے بڑھا اور بڑے احترام سے اسے لاکر اپنے برابر بٹھایا اس کے اور آدمی اور مسلمان افسران دونوں کے سامنے بیٹھ گئے موکہ بار بار حیرت سے محمد قاسم کی صورت دیکھتا تھا۔ آخر محمد قاسم سے نہرہا گیا اور اس نے مسکرا کر کہا آپ کیا دیکھ رہے ہیں موکہ جواب دیا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کتنی تھوڑی عمر ہے اور آپ نے سندھ میں آکر بہت سے قلعے فتح کر لئے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ اس خدا کا انعام ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔

موکہ۔ جو کچھ بھی ہو لیکن رہے تعجب کی بات۔

محمد قاسم۔ تم شاید اس لئے تعجب کرتے ہو کہ تمہاری قوم کے اس عمر کے بچے لڑنا نہیں

جانتے۔

موکہ۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ مگر ہماری قوم کے مجھ سے چھوٹے بچے بھی لڑتے ہیں ہم جب ماؤں اور اناؤں کی گود میں ہوتے ہیں تو ہمیں لڑائیوں کے قصے سناتی ہیں اسی وقت سے ہمارے دلوں میں لڑائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے اور جب ہم ہوش سنبھالتے ہیں تو جنگ کے ہنر سکھائے جاتے ہیں۔

ہو کہ۔ ٹھیک ہے میں مصالحت کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔

محمد قاسم۔ میں نے اپنے بھائیوں سے دریافت کیا تھا کہ فتح کس کی ہوگی انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ آپ سے صلح کریں۔

محمد قاسم۔ جن شرائط پر آپ کہیں میں صلح کرنے کو تیار ہوں۔

ہو کہ۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بیت کی حکومت کا نسلا بعد نسلا میں مالک رہوں اس کے صلح میں خراج ادا کروں گا اور سندھ پارا اترتے کے لئے کشتیاں مہیا کروں گا۔

محمد قاسم۔ مجھے منظور ہے۔

چنانچہ اسی وقت صلح نامہ لکھا گیا اور اس پر فریقین کے دستخط ہو گئے ہو کہ صلح نامہ لے کر چلا

گیا اور دوسرے دن محمد قاسم اپنے لشکر کے ساتھ دریا سے سندھ کی طرف رہا نہ ہوا۔

بیت

کسی کی یاد

اسلامی لشکر نہایت جوش و خروش سے نان ملک میں گھسا جا رہا تھا اگرچہ مسلمان سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم خطرہ کی طرف بڑھ رہا ہے اس لئے کہ انہوں نے سن لیا تھا کہ داہر کا بیٹا بے سیاہ زبردست لشکر کے ساتھ ہاتھیوں کی فوج لئے بڑھا چلا آ رہا ہے اور اس کے پیچھے خود داہر بھی آنے والا ہے اور وہ پوری جماعت کے ساتھ آئے گا لیکن باوجود ان متوحش خبروں کے مسلمانوں کو کوئی خوف نہ تھا نہایت بے فکری اور اطمینان کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے مگر وہ لشکر بھی اس کے ہمراہ تھا اور اس کی تعداد دس ہزار تھی مگر اس کی شرکت برائے نام تھی اس سے یہ معاہدہ نہ ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا اس سے صرف یہ طے ہوا تھا کہ وہ دریائے سندھ پر پہنچ کر کشتیاں فراہم کرے گا اور ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا اس لئے یہ توقع ہی نہ تھی کہ وہ ان کی طرف سے لڑے گا بنا بریں اس کی شرکت کوئی معنی نہ رکھتی تھی اس کا لشکر مسلمانوں سے آگے چلنا تھا اور آگے ہی قیام کرتا تھا۔ یہ تجویز محمد قاسم کی تھی کیونکہ مگر پر اسے پورا بھروسہ نہ تھا اسے اندیشہ تھا کہ مبادا کسی وقت مسلمانوں کو غافل پا کر وہ شبنم نہ مارے اس کا یہ اندیشہ حق بجانب تھا۔ اس لئے کہ مگر ہندو تھا۔ مسلمانوں سے ڈر کر ان کے ساتھ ہو گیا تھا ایسا دشمن جس نے دبا کر صلح کی ہو اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا تھا لیکن محمد قاسم کی مروت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ مگر سے کہہ دیتا کہ وہ پناہ اپنا لشکر واپس کر دے اور صرف ہزار یاد و ہزار سوار ہمراہ رکھ لے کیونکہ یہ بھی معاہدہ میں داخل نہ تھا اور وہ کوئی بات معاہدہ کی خلاف نہ کرنا چاہتا تھا ایک دن جمعہ کی وجہ سے محمد قاسم نے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی۔ جب جمعہ کی نماز پڑھ لی گئی تو وہ میدان میں کیمپ سے باہر کیل بچھا کر بیٹھ گیا۔ جس جگہ وہ بیٹھا تھا اس کے سامنے دو زنک خمیوں کے جھنڈ پھیلتے چلے گئے تھے لیکن شرقی جانب کھلا ہوا میدان تھا جو کہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا اس نام

میدان میں چھوٹی چھوٹی گھاس زمین سے ملی ہوئی کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے فرش بچھا دیا ہو سورج نکلا ہوا چمک رہا تھا۔ سفید سفید دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ خفیف خفیف کے جھونکے چل رہے تھے نہایت فرحت بخش منظر تھا۔

محمد قاسم اس کے کیف آگئیں نظارہ میں ڈوبا ہوا تھا کہ موکہ آگیا اور اس کے قریب کھڑا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا دیکھتا رہا۔ دیر تک خاموش کھڑا ہوا محمد قاسم کو اس کے آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد اتفاقاً اس کا نظر اٹھ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا آپ تشریف لے آئیے مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ اطلاع کیوں نہ کرادی میں آپ کا استقبال کرتا آئیے تشریف رکھیے! موکہ بڑھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا اس نے کہا۔ میں جب آپ کو دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ محمد قاسم نے ہنستے ہوئے کہا شاید اس لئے کہ میں ابھی بچہ ہوں۔
موکہ۔ ہاں اس لئے۔

محمد قاسم۔ مگر میں عرض کر چکا کہ میری قوم کے مجھ سے چھوٹے بچے بھی رڑائی کے اس قدر شائق ہوتے ہیں۔ جس قدر کہ بڑے!

موکہ۔ یہ زندہ اور بہادر قوم کی نمائندگی ہے۔

محمد قاسم۔ آپ نے دریائے سندھ دیکھا ہے۔

موکہ۔ سینکڑوں مرتبہ

محمد قاسم۔ سنا ہے کہ وہ نہایت گہرا اور چوڑا ہے۔

موکہ۔ بالکل ٹھیک سنا ہے آپ نے۔

محمد قاسم۔ اگر پل تیار کیا جائے تو کتنی کشتیاں تیار ہوں گی۔

موکہ۔ سینکڑوں چاہیئے۔

محمد قاسم۔ آپ کشتیاں کہاں سے فراہم کریں گے۔

موکہ۔ دریا میں جس قدر کشتیاں ملاحوں کی ہوں گی تمام پکڑ لائی گا۔

محمد قاسم۔ لیکن اگر پھر بھی کمی رہی؟

موکہ۔ اور بنوادی جائیں گی۔

محمد قاسم۔ داہر کے کئی رانیاں تھیں؟

موکہ۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں لیکن شاید چار پانچ ہیں اور سینکڑوں خوب صورت اور کسن

کینز ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔

موکہ نے مسکراتے ہوئے کہا کیا خواب میں؟

محمد قاسم۔ نہیں غالم بیداری میں

موکہ۔ کہاں دیکھا تھا۔

محمد قاسم۔ ویل کے قریب

موکہ۔ وہ وہاں کہاں پہنچ گئی تھیں۔

محمد قاسم۔ کسی مندر میں اپنی نصرت کے لئے دعا مانگنے کے لئے آئی تھیں۔

موکہ۔ ٹھیک ہے میں نے بھی سنا تھا کہ رانی لادی تمام رانیوں سے زیادہ حسین ہے۔

وہ گلاب کا بھول ہے جو اسے ایک مرتبہ دیکھ لیتا ہے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے

محمد قاسم۔ آپ نے سچ کہا ہے میں نے اسے رات کے وقت دیکھا تھا اگرچہ اس بات

کو عرصہ ہوا لیکن اب بھی کبھی کبھی ان کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

موکہ۔ انہوں نے شاید تم کو نہیں دیکھا۔

محمد قاسم۔ اچھی طرح دیکھا ہے۔

موکہ۔ تعجب ہے کیا ان کے ساتھ اس وقت لشکر نہ تھا۔

محمد قاسم۔ تھا مگر کوئی شخص چند راماہی اسے پھسلا کر لایا تھا اور تنہا جنگل میں لے گیا

تھا وہ ان پر دست درازی کرنا چاہتا تھا کہ اتفاق سے میں وہاں جا پہنچا میں نے اسے اور اس

کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

موکہ۔ خوب اور رانی لادی کو کیوں نہ گرفتار کیا۔

محمد قاسم۔ ان کی بھولی صورت اور معصوم نگاہیں دیکھ کر مجھے اس کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

موکہ۔ اگر تم انہیں گرفتار کر لیتے تو راجہ داہر صلح کر لیتا

محمد قاسم۔ گرفتار نہ کرنے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔

موکہ۔ کیا؟

محمد قاسم۔ ایک لڑکی طاہرہ داہر کے محل میں ہے اور وہ اس کی محافظ ہے

موکہ۔ بات یہ ہے کہ رانی جس قدر خوب صورت ہے اسی قدر نیک ہے وہ اسی کوشش

میں مصروف رہتی ہے کہ واہر سیاہ کاریاں چھوڑ دے۔

محمد قاسم۔ تعجب ہے کہ ایسی حسین رانی کے ہوتے وہ دوسری رانیوں سے ارتباط محبت بڑھاتا پھرے۔

موکہ۔ اس سے لوگ اسی وجہ سے ناراض ہیں۔

محمد قاسم۔ ہونے ہی چاہئیں

موکہ۔ میں نے سنا ہے کہ راجہ داہر تمام رانیوں کو ہمراہ لے کر لڑائی کے لئے آئے گا۔

محمد قاسم۔ خیر وہ جیسے بھی آئے مگر اس نے اچھا نہ کیا کہ مسلمانوں کو بلاوجہ چھیڑا

موکہ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تم کیوں آتے۔

محمد قاسم۔ پھر کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی؟

موکہ۔ مگر ہماری پرانی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ مسلمان اس ملک پر حملہ کریں گے یہ بات

سچی ہونی ضرور ہے آخر مسلمانوں کے حملے کے لئے کوئی نہ کوئی سبب بھی تو ہونا چاہیے۔

محمد قاسم۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ اچھا دریاٹھ سنہ کے اس طرف سے پہلا قلو کون سا ہے

موکہ۔ بے دار (جیسو) لیکن آپ کا وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے

محمد قاسم۔ کیوں؟

موکہ۔ اس لئے کہ جے سیاہ دریاٹھ سنہ پر آگیا ہے۔

محمد قاسم۔ تو شاید وہ ہمارے دیا کو عبور کرنے میں مزاحمت کرے۔

موکہ۔ یقیناً کرے گا۔

محمد قاسم۔ وہ خدا مددگار ہے۔

موکہ۔ کیا آپ ایک بات بتادیں گے۔

محمد قاسم۔ کیوں نہ بتاؤں گا۔

موکہ۔ اگر رانی لادی آپ کو مل جائیں تو آپ کیا کریں گے۔

محمد قاسم۔ اگر میدان کارزار میں گرفتار ہوئیں تو نوٹڈی شمار کی جائیں گی اور پھر ان کا تصفیہ

وائسرائے (جج) کر سکیں گے۔

موکہ۔ لیکن اگر وہ خود ہی آپ کے چلی آئیں۔

محمد قاسم۔ تب وہ آزاد ہوں گی۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔

موکہ۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب آپ انہیں یاد کرتے رہتے ہیں تو وہ بھی آپ کو یاد کرتی ہوں گی۔

محمد قاسم۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ جاتی ہی کیوں

موکہ۔ اگر تم نہ جانے دیتے تو کیسے جاتیں۔

اب عصر کی اذان ہوئی اور محمد قاسم نے کہا دعوات کیجئے اذان ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب مجھے

ناز پڑھنے کے لئے جانا ہے۔

موکہ۔ کیا فوراً ہی

محمد قاسم۔ جی ہاں، ہمارے لئے حکم ہے کہ اذان کی آواز سنتے ہی تمام کام چھوڑ دو اور نماز

کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

موکہ۔ بہت خوب جائیے میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔

موکہ اٹھ کر چلا گیا۔ محمد قاسم نے لشکر کے ساتھ ناز پڑھی اور وہ رات اسی میدان میں سیر

کی دوسرے دن صبح کی ناز پڑھتے ہی لشکر نے کوچ کیا دوپہر کے قریب وہ دریائے سندھ

کے کنارہ پر جا پہنچے۔ مسلمانوں نے اس عظیم الشان دریا کو دیکھا وہ نہایت چوڑا تھا۔ جہاں تک

نظر جاتی تھی پانی ہی پانی مر جیں مارتا نظر آ رہا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارہ پر راجپوتوں کا لشکر

خیمہ زن تھا۔ مسلمانوں نے قیاس سے سمجھ لیا کہ وہ لشکر داہر کے بیٹے جے سیاہ کا ہے مسلمانوں نے

بھی اس کے کنارے پر خیمے نصب کر دیئے اس سے کچھ دور بہٹ موکہ کا لشکر خیمہ زن ہوا۔



عجیب پل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ دریا سے سندھ ایسا عظیم الشان دریا ہے کہ اہل ہند اسے اباسی دریا اور
 کا باب کہتے ہیں دنیا میں بہت کم ایسے دریا ہیں جو اس کا مقابلہ کرتے ہیں اسلامی لشکر جہیم کے میدان
 میں ٹھہرا تھا۔ مسلمان صبح کی نماز پڑھتے ہی روانہ ہوئے اور دریا کے کنارے پر پہنچ گئے
 اور اسے عبور کرنے کی تدابیر سوچتے اگر کوئی معمولی دریا ہوتا تو شاید عرب اس میں گھوڑے ڈال دیتے
 اور اسے عبور کر لیتے مگر سندھ جیسے ڈیڑھا دریا کو اس طرح پار کرنا غیر ممکن تھا اور اس لئے وہ کشتیاں
 کا انتظام کر رہے تھے مگر ساگر چلا گیا تھا اور وہاں کشتیاں فراہم کرنے لگا تھا۔ چند دن میں اس
 نے بہت سی کشتیاں فراہم کر لیں ادھر مسلمانوں نے بھی درختوں کو کاٹ کاٹ کر کشتیاں بنا
 لیں۔

جب دو سو کشتیوں کے قریب تیار ہو گئیں تب اسلامی لشکر نے ان کے ذریعہ سے دریا
 کو عبور کرنے کا ارادہ کیا لیکن جسے سپاہ اپنا زبردست لشکر لئے دوسرے کنارے پر ٹپا ہوا
 تھا وہ روزانہ صبح ہوتے ہی چار پانچ ہزار سپاہیوں کو کنارہ پر کھڑا کر دیتا تھا اور وہ تیرکمان
 لے کر اس انتظار میں رہتے تھے کہ جو نہی مسلمان کشتیوں پر بیٹھ کر دوسرے کنارے کی طرف
 چلیں اور وہ تیروں کا مہینہ برسا کر انہیں ختم کر ڈالیں۔

کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مسلمان چند کشتیوں میں بیٹھ کر چلے اور جب دریا کے نیچے
 میں پہنچے تو ہندوؤں نے اس کثرت سے تیر برسائے کہ انہیں مجبور ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔ محمد تمام
 نے اس طرح پار ہونے کی کوشش بند کر دی ایک دن اس نے تمام کشتیوں کو چھوڑ دیا اور
 انہیں ہدایت کر دی کہ وہ بھی تیر اندازی کرتے ہوئے بڑھے چلے جائیں۔ آج جسے سپاہ
 خود مع اپنے تمام لشکر کے کنارہ پر آ گیا تھا اور اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے دیا تھا۔

جب اسلامی کشتیاں دریا کے بیچ میں آجائیں اس وقت ان پر تیرا فگنی کی جاٹے ایک کنارے
 مسلمان کھڑے ہو گئے اور دوسرے پر ہندو کشتیاں چلیں اور پانی کو چیرتے ہوئے بڑھیں آج
 اسی قدر تیز تھی اس لئے عظیم الشان دریا میں اونچی اونچی موجیں اٹھ رہی تھیں ان موجوں سے
 لہریاں تھپیڑے کھاتی ان کے اوپر سے گزرتی چلی جا رہی تھیں۔ جب وہ منجھڑھا میں پہنچیں
 ہندوؤں نے ایک دم شور کر کے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں نے بھی تیرا سا
 سا کر ان کا جواب دینا شروع کیا۔ مگر ہندوؤں کے تیرا اس کثرت سے آنے لگے کہ ان سے
 پچنا دشوار ہو گیا اور مسلمان زخمی ہو ہو کر کشتیوں میں بیٹھنے لگے۔ محمد قاسم اور تمام مسلمان یہ کیفیت
 دیکھ کر بہت غضب ناک ہو رہے تھے ان کے چہرے جوش سے سرخ ہو رہے تھے۔ آنکھیں
 لال آئی تھیں اکثر پر جوش مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ مگر فوراً ہی محمد
 قاسم نے ان کو روکا اور واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ مجبوراً وہ لوگ جنھوں نے گھوڑے دریا میں ڈال
 دیئے تھے واپس لوٹ آئے۔ مسلمانوں کو جوش اور غصہ تو بہت آ رہا تھا دریا سے ذخار پر کچھ
 بس نہ چلتا تھا اسے عبور کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی اور کوئی قوم ہوتی تو ہمت ہار دیتی مگر مسلمانوں
 نے ہمت نہ ہاری وہ برابر دریا کو عبور کرنے کی فکر میں رہے بغیر تیرا بانی کے کسی قوم نے کسی زمانہ
 میں بھی کچھ حاصل نہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی بڑی تیرا بنائیں کیں اور ان تیرا بنیوں کی بدولت ہی سب
 کچھ حاصل کیا۔ ابھی کشتیاں منجھڑھا میں نہ پہنچنے پائی تھیں کہ ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی
 گئی پھر اس کثرت سے کہ جب آتے تھے تو آفتاب ان کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔ چونکہ مسلمان
 مجروح ہو ہو کر کشتیوں میں بیٹھنے لگے تھے۔ اس لئے محمد قاسم کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں تمام کشتیوں
 والے مسلمان زخمی ہو ہو کر ناکارہ نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے فوراً جھنڈا سے اشارہ کیا اور
 انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ کشتیوں والے مسلمان نہ چاہتے تھے کہ واپس لوٹیں اگرچہ وہ مجروح
 ہو رہے تھے اور خوب جانتے تھے اور دوسرے کنارے پر صبح و سالم پہنچنا غیر ممکن ہے
 لیکن پھر بھی چاہتے تھے کہ واپس نہ لوٹیں اور آگے ہی بڑھتے رہیں مگر ان کے سپہ سالار نے
 انہیں واپس لوٹنے کا اشارہ کیا تھا اور اس لئے اب وہ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔

چنانچہ تمام کشتیاں واپس لوٹا دی گئیں ہندوؤں نے جب انہیں دیکھا تو فرط مسرت
 سے اچھل اچھل کر جیکارنے لگانے لگے اور شور مچانے لگے ان کے شور سے تمام وادی اور
 سارا دریا گرج اٹھا تھوڑی ہی دیر میں تمام کشتیاں کنارہ سے آگئیں مسلمان اترا تر کر خشکی پر آگئے۔

اور جو لوگ مجروح ہو گئے تھے ان کی سرہم پٹی کا جائے لگی آج بقیہ دن مسلمانوں نے کچھ نہ کر
 واپس لوٹ کر اپنے کیمپ میں پہنچ گئے اور آرام کرنے لگے لیکن محمد قاسم کو بڑا فکر تھا اسے آج
 کہاں ملتا وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دریا کے کنارے شمال مشرق کی طرف بڑھا کئی میل چلا لیکر
 کہیں بھی دریا کچھ غھوڑا ساتھ لے کر نہ آیا وہ واپس لوٹ آیا اور تمام شب اسی فکر میں غلط
 و پیمانہ میں رہا صبح اس نے نماز پڑھتے ہی پھر شکر کو کنارہ صاف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ تمام
 لشکر مسلح ہو کر کنارہ پر جا پہنچا۔ سب کے بعد محمد قاسم آیا اور اس نے کہا۔ مسلمانوں! آج میرے
 ذہن میں ایک تجویز آئی ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم دریا پر پل بنانے میں کامیاب ہو جائیں
 گے۔ تمام افسران کے قریب اکھڑے ہوئے تھے وہ حیرت سے محمد قاسم کو دیکھ رہے تھے۔
 ایک افسر کا نام ذکوان تھا اس نے کہا یا سیدی پل اس وقت تک نہیں بنایا جاسکتا جب تک کہ
 کشتیاں دوسرے کنارے پر نہ پہنچ جائیں اور دشمن کشتیوں کو دوسرے کنارے پر نہیں پہنچنے
 دیتے پھر پل کیسے بن سکتا۔

محمد قاسم۔ اگر عقل و تدبیر سے کام لیا جائے تو پل بن سکتا ہے۔
 عجل۔ ہم نے بہت کچھ فہم و ادراک سے کالیانگر ہماری سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آئی۔
 عبدالرحمن۔ میری بھی کئی راتیں سوچنے ہوئے گزری ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔
 محمد قاسم۔ اچھا یہ اندازہ لگاؤ کہ دریا کتنا چوڑا ہے۔

عبدالرحمن۔ میرے خیال میں کم سے کم نو سو گز چوڑا ہے۔
 تبارہ۔ اس جگہ دریا کا عرض ذرا کم ہے اس لئے میرا خیال بھی یہی کہ نو سو گز چوڑا ہوگا۔
 محمد قاسم۔ اور ہماری کشتیاں اوسطاً کتنی لمبی ہیں۔

اسلم۔ زیادہ سے زیادہ آٹھ آٹھ گز لمبی ہیں۔
 عجل۔ بالکل ٹھیک ہے چھوٹی بڑی کشتیاں سب ملا کر آٹھ گز اوسطاً ہوا۔
 محمد قاسم۔ اس حساب سے ایک سو تیرہ کشتیوں سے پل تیار ہو سکتا ہے۔

اسلم۔ جی ہاں
 محمد قاسم۔ اور ہمارے پاس ایک سو اسی کشتیاں ہیں۔
 اسلم۔ یہ میں نے شمار نہیں کیا۔
 محمد قاسم۔ میں نے گن لیا ہے۔

اسلم۔ بس تو ٹھیک ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا تم دریا کے چڑھاؤ یعنی شمال کی طرف کشتیاں جوڑے چلے جاؤ اور ایسی مضبوط جوڑو کہ ان سے پل تیار ہو جائے۔

ذکوان۔ مگر اس سے کیا فائدہ ہوگا ہمیں پل بنانا چاہیے مغرب سے مشرق کی طرف اس وقت تم ہم دریا سے پار ہو سکتے اگر ہم نے جنوب سے شمال کی طرف پل باندھا تو... محمد قاسم۔ شاید کوئی نتیجہ نکل آئے تم دریا کے چڑھاؤ کی طرف پل بنانا شروع کر دو۔ کوشش کی۔ مگر فوراً کشتیوں کو جوڑ جوڑ کر دریا کے چڑھاؤ کی طرف پل بنانا شروع کر دیا گیا۔ تمام کشتیوں سے بڑی بڑی کشتیاں چھانٹ چھانٹ کر اس پل میں لگادی گئیں۔ عام طور پر کشتیاں آٹھ گز لمبی اور پانچ گز چوڑی تھیں اکثر کشتیاں چھوچھ گز اور چار چار گز لمبی تھیں۔ مگر چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھیں اور بڑی زیادہ تھیں۔ مسلمانوں نے ہر کشتی کو دوسری سے ملا کر موٹے موٹے رسوں سے خوب مضبوط کس کس کے پل تیار کر دیا۔ جب پل تیار ہو گیا تو محمد قاسم کشتیوں میں گیا اور اس نے چنانچہ لیا کہ پل ایسا مضبوط بنا دیا ہے جو آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا اب اس نے ان پر تختے بچھوانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ تمام کشتیوں پر تختے بچھا بچھا کر جڑ دیئے گئے تاکہ وہ کسی وقت بھی جنبش نہ کھا سکیں جب اس طرح تیار ہو گیا اور دن چھینے کے قریب پہنچ گیا تو محمد قاسم نے آج مسلمانوں کو پل کے پاس اور پل کے اوپر ہی آرام کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ

مسلمان پل کے تختوں پر اور دریا کے کنارے پر کھڑے دیکھتے رہے ان کی سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ ہندو تو کیا خود مسلمان ہی نہ سمجھتے تھے۔ لیکن ہندوؤں کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان رات کے وقت کوئی کارروائی کریں گے۔ اس لئے وہ سامنے والے کنارے پر آگئے تھے اور مسلمان کے بالمقابل ٹھہر گئے تھے ساری رات مسلمان اور ہندو آگ روشن کئے باری باری جاگتے سوتے رہے جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے نماز پڑھی نماز پڑھ کر محمد قاسم نے دعائ مانگی۔ خدایا مسلمانوں کی امداد کر اور تجویز جو میں نے سوچی ہے۔ اس میں کامیابی عطا فرما دعائ مانگ کر وہ اٹھا اور مسلمانوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ فوراً تمام مسلمان مسلح ہو ہو کر کھڑے ہو گئے اور ادھر موکہ اور اس کا لشکر بھی حیرت سے مجاہدین اسلام کی طرف کی دیکھ رہے تھے کہ محمد قاسم کیا کرنے والا ہے۔

موکہ رہ رہ کر حیران ہو رہا تھا کہ پل تو بنایا گیا ہے دریا کے چڑھاؤ کی طرف اور مسلمانوں کو اتنا بے مغرب سے مشرق کی طرف پھر یہ پل کیا کا دے گا۔ اب محمد قاسم نے سب سے آخری

کشتی جو بڑھاؤ کی طرف تھی اس میں تلو بہادر مسلمانوں کو بٹھا کر ہدایت کی کہ وہ قطاروں میں اس طرح سے بیٹھ جائیں جس طرح ناز پڑھتے وقت دو رازو بیٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح مسلمان بیٹھ گئے۔ اب اس نے کہا کہ ڈھالیں سامنے کھڑی کر لو اور اپنی حفاظت کے لئے ان کا قلعہ بنا لو اس کے حکم کے بموجب ڈھالیں کھڑی کر کے قلعہ بھی بنا لیا گیا۔ اب محمد قاسم نے بہت سے موٹے موٹے رتے کشتی کے کندوں میں باندھ باندھ کر ان ڈھالوں کو کشتی میں ڈلوایا اور ان میں منجھیں باندھ دیں چند کشتیاں جنوب کی طرف لگا کر پل سے باندھ دی گئیں اور ان میں بھی مجاہدین کو بٹھا دیا گیا اس کے علاوہ آگے پیچھے تمام کشتیوں پر مسلمان کھڑے کر دیئے گئے اور ان کو زیادہ تعداد میں تیرو سے دیئے گئے اب محمد قاسم نے رسوں کو کھلوایا جو کنارہ میں میخوں سے بندھے تھے اور جن کے سہارا سے پل ٹھہرا ہوا تھا ملاخوں کو حکم دیا کہ وہ شمال سے مشرق کی طرف پل کو تیرائیں چنانچہ ملاخوں نے پتوار اور ڈنڈا لے کر شمالی جانب کی آفری کشتی کو مشرق کی طرف پھیلایا۔ جوں جوں وہ بڑھی جاتی تھی۔ پل مشرق کی طرف پھیلتا جاتا تھا اب ہر ایک کی سمجھ میں آ گیا کہ محمد قاسم کیا چاہتا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس طرح شمال کی طرف کشتیاں دھکیل کر مشرق کی طرف بڑھتی جائیں گی اور پل مغرب سے مشرق کی طرف پھیلتا جائے گا۔ چونکہ پل بنانے کی یہ عجیب اور نرالی تدبیر تھی اس لئے سب نوجوان مجاہد محمد قاسم کی عقل و دانش پر آفرین پکار اٹھے۔ چونکہ کشتیاں ایک دوسری سے بندھی ہوئی تھیں۔ اس لئے سرے والی کشتی کے ساتھ مشرق کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھیں یہ عجیب تدبیر پل بنانے کی دیکھ کر ہندو حیرت زدہ ہو گئے دیر تک دیکھتے رہے جب پل بہہ کر ان کے زیادہ قریب پہنچ گیا تو وہ حیرت سے چونکے اور شور کر کے تیر برسانے لگے۔ محمد قاسم نے تیروں سے بچنے کے لئے تدبیر پہلے ہی کر رکھی تھی اس نے ڈھالوں کا قلعہ بنوایا تھا۔ ہندوؤں کے تیر ڈھالوں پر آ کر رک رہے تھے ادھر وہ کشتیاں جو پل کے ادھر ادھر لگائی گئی تھیں ان میں جو مسلمان سوار تھے انہوں نے ہندوؤں پر تیر برسانے شروع کیا۔ ملاخوں نے اپنی پوری طاقت سے کشتیوں کو کھینا شروع کیا وہ بھی ڈھالوں کی آڑ میں بیٹھے پتوار چلا رہے تھے۔ کشتیاں نہایت تیزی سے پھلتی جاتی تھیں جوں جوں پھلتی جاتی تھیں پل بندھتا چلا جاتا تھا۔ مسلمان نہایت خوش ہو رہے تھے ان کے ادھر ادھر پانی کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور وہ نہایت اطمینان سے بیٹھے اور کھڑے تھے جو مسلمان پھل کشتیوں میں کھڑے تھے اور وہ بھی ہندوؤں پر تیر پھینک رہے تھے آج ہندو بھی مسلمانوں کے تیروں سے مجروح ہو رہے تھے۔ محمد قاسم۔ اسلم۔ ذکوان اور محل سب سے اگلی کشتی میں ڈھالوں کے پیچھے بیٹھے تھے وہ اس بات کا خیال کر رہے تھے کہ کہیں پل چھوٹا نہ رہا بلکہ جنوب کشتی مشرقی کنارہ پر پہنچی تو ساحل سے ٹکرا کر رک گئی۔ ہندوؤں نے شور مچانا شروع کیا چونکہ اب ان کے تیر بے کار

ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے شمشیر میں سونت لیں اور کشتی کی طرف بڑھے ایک موٹا تازہ ہندو چھپٹا۔ ابھی وہ کشتی کے قریب پہنچا بھی نہ تھا کہ دریا کے شمال کی طرف سے ایک تیراگر اس کے سینے میں لگا اور وہ چیخ مار کر اوندھے منہ گوا۔ مسلمانوں کو حیرت ہوئی کہ اس طرف سے کس نے تیر چلایا اسلام کی نظر جب سامنے گئی تو اس نے اس طرف ایک نو عمر لڑکے کو تیر کمان لئے کھڑے دیکھا وہ ریشمین عربی لباس پہنے تھا دھوپ میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا دور سے بالکل فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ اسلم نے محمد قاسم کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے دیکھا اس عربی لڑکے کو؟ محمد قاسم بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ہاں دیکھا تعجب ہے کہ یہ کون لڑکا ہے اور کیسے ہم سے پہلے اس طرف پہنچ گیا اب مسلمان کشتیوں سے کود کر کنارہ پر پہنچے اور ہندوؤں سے لڑنے لگے۔ ہندو بھی پیدل تھے۔ لیکن وہ بے شمار تھے۔ مسلمان کود کر خشکی پر جا پہنچے اور انہوں نے سب سے پہلے رے سے کھینچ کر مینجیں گاڑ دیں اور اس طرح مغرب سے مشرق تک پل قائم ہو گیا اب مسلمان دوڑ دوڑ کر پل عبور کر کے شرقی کنارے پر جا پہنچے اور پہنچتے ہی لڑنے لگے۔



شکست فاش

محمد قاسم کے ذہن میں جو پل بنانے کی تدبیر آئی وہ نہایت ہی عجیب و غریب تھی۔ اس سے پہلے کسی نے اس طرح کوئی پل کسی دریا پر نہ بنایا تھا۔ تمام ہندو سارے مسلمان ہو کر اور اس کے ساتھ کمال متحیر ہوئے اور وہ محمد قاسم کی دانش مندی کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے جسے سیاہ نے اپنے ساتھیوں کو ملکا کر حملہ کرنے پر برا لگینے کیا۔ ہندوان مسلمانوں پر جو کشتیوں سے نیچے اتر آئے تھے ٹوٹ پڑے اور نہایت زور و شور سے جنگ شروع کر دی مسلمان جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کے انہیں دریا کے کنارے سے پیچھے دھکیلنے لگے۔ جنگ شروع ہو گئی تو اریں جلد جلد اٹھا اٹھا کر سڑوٹن کے فیصلے کرنے لگیں۔ سرفروش کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لاشیں لڑھک لڑھک کر دریا میں گرنے لگیں۔ خون دریا کے پانی میں مل کر پانی کو سرخ رنگ میں رنگنے لگا۔ شرقی کنارے پر ہندوؤں کا تمام لشکر تھا اور لشکر بھی بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ مسلمان بھاگ بھاگ آ رہے تھے۔ مگر ابھی تک گنتی کے چند مسلمان ہی آسکے تھے مگر جو آگئے تھے وہ موت کی لڑائی لڑ رہے تھے ہر مسلمان حقیقت میں شیریں گیا تھا اور شیروں کی طرح حملے کر کے ہندوؤں کو دریا کے کنارے سے پیچھے ہٹانا چاہتے تھے تاکہ آنے والے مسلمانوں کے لئے کنارہ پر اترنے کی جگہ نکل آئے اور ہندو ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے وہ جہاں تھے وہیں کھڑے لڑ رہے تھے آتش جنگ مشتعل ہوتی جا رہی تھی اور دم بدم پھیلتی جاتی تھی مسلمان دوڑ دوڑ کر آ رہے تھے لیکن کنارہ پر ہندوؤں کی اس قدر کثرت تھی کہ وہ کشتیوں سے نیچے نہ اتر سکتے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ کنارہ پر پانی کم ہوتا ہے اس لئے اب مسلمانوں کیے دریا میں کود کر کنارہ پر پہنچنا اور پہنچتے ہی لڑائی شروع کر دی اس طرح سے مسلمان دور تک پھیل گئے اور جہاں تک وہ پھیلے محاذ جنگ بھی پھیلتا چلا گیا آج مطلع صاف تھا آفتاب پوری آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ دھوپ بھی طرح پھیلی ہوئی تھی ہوا کے خوشگوار

جھونکے چل رہے تھے دونوں فریق جوش و غصہ سے بھرے ہوئے ایک دوسرے کو فنا کر ڈالنے کے لئے پوری طاقت سے حملے کر رہے تھے ہندو دیکھ چکے تھے کہ اول تو مسلمانوں کا تمام لشکر ان سے بہت ہی کم ہے دوسرے جس قدر مسلمان اب کشتیوں کے چل سے کود کود کر ان کے مقابلہ میں آئے تھے وہ آٹے میں نمک کی مثال تھے اس لئے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اور وہ اپنی پوری طاقت سے مسلمانوں کو قتل کر کر کے دریا میں دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر مسلمان ایسے جوش سے لڑ رہے تھے کہ ہر اس ہندو کو مار ڈالتے تھے جو ان پر حملہ کرتا اور اگر ان پر کوئی حملہ نہ کرتا تھا تو وہ خود جھپٹ جھپٹ کر حملہ کرتے تھے۔ محمد قاسم تلوار لئے ادھر ادھر لپک کر حملے کرتا اور دشمنوں کو قتل کر کے گرتا بڑھا چلا جا رہا تھا اس کے پیچھے اسلم بھی اسی تیزی سے رٹا دشمنوں کو مار مار کر گرتا اس کے پیچھے لگا چلا آ رہا تھا ذکوان اور عجل جنوب کی طرف راستہ صاف کرتے دشمنوں کو ہٹاتے اور راستے بڑھ رہے تھے غرض کہ آشیائے جنگ نہایت تیزی سے چل رہی تھی اور ہندو مسلمان آپس میں پس رہے تھے البتہ یہ بات ضرور تھی کہ مسلمان کم رہے تھے اور دشمن زیادہ ہندوؤں کو خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں گے لیکن جب مسلمانوں نے خود ہی ان کو قتل کرنا شروع کیا تو وہ ذرا احتیاط سے لڑنے لگے ادھر مسلمانوں کے جب وہ دستے جو محمد قاسم نے کشتیوں میں بٹھادیئے تھے کسی نہ کسی طرح کنارے پر پہنچ کر لڑائی میں مشغول ہو گئے تو اب سواروں کے رسلے بڑھنے لگے یہ لوگ بھی سرعت سے گھوڑوں کو دوڑاتے دوسرے کنارے پر پہنچتے اور جوں توں کر کے گھوڑوں کو گدا گدا کر ساحل پر جاتا رہے ان سواروں نے خشکی پر پہنچتے ہی ایسے جوش و جوش سے حملے کئے کہ ہندوؤں کی تعداد کثیر نذر اجل ہو گئی۔ جہاں تہاں مردوں کے ڈھیر لگ گئے اور ان کی صفوں کی صفیں الٹ گئیں۔

یہ کیفیت دیکھ کر بے سیاہ نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہندو پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے اور اس طرح کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اب اسلامی لشکر کے سواروں کو جگہ ملی اور وہ جلدی جلدی چل کر عبور کر کے کنارے پر اترنے اور میدان میں پھیلنے لگے ہر مسلمان یہ چاہتا تھا کہ اسے جلدی سے ذرا سی جگہ خشکی پر مل جائے اور وہ وہاں پہنچ کر جنگ شروع کر دے مگر وہ ایسی سرعت اور گڑ بڑ بھی نہیں کر رہے تھے جس سے بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے بل ہی دریا میں بیٹھ جائے یا ایک سوار دوسرے پر چڑھ جانا۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک جلد سے جلد میدان کا رنار میں پہنچ کر لڑنا چاہتا تھا۔ مگر چل کر ٹپے اطمینان کے ساتھ عبور کیا جا رہا تھا۔

اب بے سپاہ ہاتھیوں پر سوار ہو گیا۔ اس نے تمام ہاتھیوں کو اپنے ہاتھی کے ادھر ادھر پھیلا دیا۔ اور وہ مسلمانوں کی طرف ان کاٹے پہاڑیوں کو لے کر چلا۔ خوش قسمتی سے ان ہاتھیوں کا رخ اس طرف ہو گیا۔ جس طرف پیدل مسلمان تھے اور نہایت جوش سے لڑ رہے تھے اگر یہ عظیم الجثہ جانور کالی رات کی طرح گھوڑوں کی طرف بڑھتے تو چونکہ عربی گھوڑے ایسی کالی بلاؤں سے ناواقف تھے اس لئے وہ ضرور بھڑک اٹھتے اور ان کے بھڑکنے سے شاید لڑائی کا پانسہ بدل جاتا لیکن بے سپاہ سے یہ حماقت ہوئی کہ وہ ہاتھیوں کی فوج بجائے سواروں کے پیدلوں کی طرف نئے گیا۔ شاید اسے خیال ہوا کہ ان ہاتھیوں سے وہ پیدل مسلمانوں کو پامال کر دے گا۔

چنانچہ وہ اس جگہ پہنچا جہاں محمد قاسم، اسلم اور ساٹھ ستراور مسلمان مصروف پیکار تھے مسلمانوں نے ہاتھیوں کو آتے ہوئے دیکھا وہ گھبرا گئے اور ان بلاؤں سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوئی تجویز سوچنے لگے۔ لیکن اتنا موقع نہ تھا کہ وہ اطمینان سے کھڑے ہو کر سوچتے کیونکہ ہندو ان کے گرد تھے اور ان کی تلواریں ان پر برس رہی تھیں وہ بھی لڑ رہے تھے۔ مگر وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے اور ہاتھیوں کے درمیان جو ہندو تھے وہ ادھر ادھر بچے چلے جا رہے تھے وہ بھی ترچی نظروں سے ہاتھیوں کو دیکھ دیکھ کر ان ہندوؤں سے لڑ رہے تھے جو ان کے ادھر ادھر پھیلے ہوئے تھے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہندوؤں نے انہیں محاصرہ میں لے کر ہاتھیوں کے سامنے لے جا ڈالنے کی کوشش کی ہے ظاہر کہ انسانوں کا ہاتھیوں سے کیا مقابلہ مسلمانوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ ان کی شہادت کا وقت قریب آگیا ہے مگر باوجود اس کے ان پر خوف کا غلبہ نہ ہوا اور وہ جس جوش اور جس شان سے لڑ رہے تھے برابر لڑتے رہے ابھی ہاتھی ان سے کچھ فاصلے پر تھے مگر قدم قدم بڑھے چلے آ رہے تھے اسلم نے محمد قاسم سے کہا۔ ان کالی پہاڑیوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا۔ محمد قاسم نے کہا۔ خدا پر اعتماد رکھو لا حول ولا قوۃ الا باللہ (یعنی کوئی خوف اور طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے) کا درو کرتے رہو جب ہاتھی ان کے قریب آگئے تب محمد قاسم نے بلند آواز سے کہا۔ ان کی سونڈوں پر ضربیں لگاؤ۔ مسلمان تیار ہو گئے۔ لیکن سب سے پہلے انہوں نے ادھر ادھر حملہ کر کے ہندوؤں کو دبانا اور پیچھے ہٹانا شروع کیا جنگ کچھ ایسی شد و مد کے ساتھ ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو دوسری جماعت کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ ہر گروہ اپنے حال میں گرفتار تھا۔ چونکہ ہندوؤں کی کثرت تھی اس لئے ہر طرف اور ہر جگہ ہندو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے جنگ کر رہے تھے مسلمان بھی سر جھکائے نہایت اطمینان اور بڑے استقلال سے لیکن کمال

جوش اور بڑی پھرتی سے لڑ رہے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے تھے اور پھر حملے میں ایک دو ہندوؤں کو مار کر گرا دیتے تھے موت کا بازار گرم ہو رہا تھا اور بہادر کٹ کٹ کر گر رہے تھے جہاں تک نظر جاتی تھی خون آلودہ تلواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آتی تھیں ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اٹھلے اور گرتے نظر آتے تھے۔ محاذ جنگ بہت کچھ پھیل گیا تھا اور ہر جگہ نہایت زور و شور سے جنگ ہو رہی تھی۔ محمد قاسم۔ اسلم اور ان کے ساتھیوں نے ہندوؤں کو مار مار کر اپنے گرد لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے اب ہاتھی بالکل ان کے قریب پہنچ گئے تھے اور ان کی پھنکاروں کی آوازیں سننے لگے تھے وہ بھی ان پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے دفعتاً ان کی پشت کی طرف سے آکر ہاتھی کی آنکھ میں تیر لگا اور اس نے بیخ ماری۔ اس کے چنچتے ہی تمام ہاتھی رک گئے اور لمبی لمبی سونڈیں موڑ موڑ کر اپنے مونہوں میں دبا دبا کر کھڑے ہو گئے۔ مجروح ہاتھی بڑی طرح سے جھگھاڑ رہا تھا اور اگلے پیروں کو زمین پر مار رہا تھا۔ محمد قاسم۔ اسلم اور اس کے ساتھی حیران ہو رہے تھے کہ کس بہادر نے اس وقت تیر چلا کر ہاتھی کو زخمی کرنے کی جرأت کی بھی ان کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ پھر ایک تیر آکر لگا۔ جو دوسرے ہاتھی کی آنکھ میں پیوستہ ہو گیا اور اس نے بھی دل روڑ بیخ ماری اب اسلم نے پشت کی طرف دیکھا اسے وہی لڑکا تیر کمان لئے کھڑا نظر آیا۔ جو کشتیوں کے پل پر اس وقت نظر آیا تھا۔ جب اس نے ایک موٹے ہندو کو تیر سے زخمی کر دیا تھا۔ چونکہ وہ اس سے ذرا قریب تھا اب بجائے پیدل کے گھوڑے پر سوار تھا اس لئے اس کی صورت صاف نظر آ رہی تھی۔ اسلم کو اس کے چہرہ سے حسن کی شعاعیں نکلتی معلوم ہوئیں اس نے محمد قاسم سے کہا دیکھئے اس فرشتہ کو دیکھئے محمد قاسم اور تمام مسلمانوں نے پھر پھر کر دیکھا۔ سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے محمد قاسم نے کہا حقیقتاً کوئی فرشتہ ہے۔ مسلمانو بڑھو اور ان ہاتھیوں پر حملہ کرو۔ چنانچہ مسلمان بڑھے اور ہاتھیوں کے قریب پہنچ کر انہوں نے زور سے الشراکیر کا نعرہ لگایا۔ نعرہ لگاتے ہی ہاتھیوں کے سونڈوں پر وار کئے فیلبانوں نے لٹکار کر ہاتھیوں کو بڑھایا اور ساتھ ہی فیلب نشینوں نے بھی مسلمانوں پر حملے شروع کئے لیکن مسلمانوں نے کسی بات کی بھی پروا نہ کی۔ انہوں نے جھپٹ جھپٹ کر سونڈوں پر تلواروں سے ضربیں لگانا شروع کیں ادھر مسلمانوں کے پشت کی طرف اسی نوجوان نے جو رشیم کی پوشاک پہنے تھا جلدی جلدی تیر چلا کر ہاتھیوں کو مجروح کرنا شروع کر دیا۔ ان پیہم حملوں سے ہاتھی گھبرائے اور پیچھے ہٹے ان کے پیچھے ہٹتے ہی مسلمانوں نے ان کے پیروں پر تلواریں مارنا شروع کیں۔ تمام ہاتھی یدر حواس ہو کر بھاگے اور اپنے ہی لشکر کو کچلتے ہوئے دوڑنے لگے۔ ہاتھیوں کے

اس طرح بھاگنے سے ہزاروں ہندو میلے گئے اور سارے لشکر میں اتیری پھیل گئی۔ ادھر مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سن کر ہر دستہ نے ہر جگہ نعرہ لگایا اور ان نعروں سے تمام میدان گونج اٹھا۔ ہندو ہاتھیوں کے بھاگنے سے بہت کچھ نقصان اٹھا چکے تھے۔ ہاتھی کسی ایک طرف نہ گئے بلکہ مختلف اطراف میں دوڑ رہے تھے اور جس طرف نکل جاتے تھے اسی طرف تباہی پھیلاتے جاتے تھے اس لئے ہندو خوف زدہ ہو گئے تھے اب جب کہ انہوں نے نعرہ تکبیر کی آواز سنی تو وہ سمجھے کہ شاید مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور راجہ جے سیاہ ہزیمت اٹھا کر بھاگ لگا۔ اس خیال نے ہندوؤں کے حوصلے پشت کر دیئے اور وہ ہر جگہ سے گھبرا گھبرا کر بھاگنے لگے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہر طرف اور ہر جگہ ہندو کثرت سے قتل ہونے لگے محمد قاسم اور اسلم نے بے شمار ہندوؤں کو قتل کیا تھا اور ابھی تک بدستور مصروف قتل تھے کہ انہوں نے اس ریشمین پوشاک والے نوجوان کو اپنے قریب ہی ہندوؤں سے لڑتے دیکھا وہ نہایت سرعت سے تلوار چلا رہا تھا اور دشمن کے حملوں کو اپنی چھوٹی سی ڈھال پر روک رہا تھا۔ قریب ہر حملہ میں وہ ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ نہایت جوش سے لڑ رہا تھا اس کا چہرہ فرط غیظ و غضب سے تमतارہا تھا اور گل لالہ سے زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔ دفعتاً کئی ہندوؤں نے ان پر بیک بخت حملہ کیا۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے ان کے حملوں کو ڈھال پر روکا۔ محمد قاسم نے اسلم سے کہا۔ جلد بڑھو ہندوؤں نے اسے زغر میں لے لیا ہے دونوں اس طرف چھپے ہندو اس نوجوان کو زغر کئے تھے اور اسے ختم کرنے کے لیے حملے پر حملہ کر رہے تھے۔ اب وہ ان کے حملے روک رہا تھا لیکن معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی طاقت نازل ہو چکی ہے کیونکہ اب اس سے جلد جلد ڈھال نہ اٹھی تھی۔ چنانچہ ایک ہندو کی تلوار اس کی ڈھال پر پڑی اور ڈھال سے شانہ پڑا کر شانہ مجروح کر گئی اس نے ایک خفیف آہ سی کی اور اس کے چہرہ کا گلابی رنگ اڑ کر سفید ہو گیا۔ اس عرصہ میں محمد قاسم اور اسلم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے اور دونوں نے نعرہ لگا کر ہندوؤں پر حملے کر دیئے ہندو خوف زدہ ہو کر بھاگے محمد قاسم نے کہا اسلم اس نوجوان کی خبر لو یہ مجروح ہو گیا تھا اور گھوڑے سے گرنے والا تھا کہ فوراً اسلم اس کے قریب پہنچا اور اس نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ حوصلہ کرو نوجوان۔ نوجوان نے اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت کے لہجہ میں کہا۔ کون اسلم۔

اس نوجوان کی زبان سے اپنا نام سن کر اسلم کو کمال حیرت ہوئی مگر یہ حیران رہنے کا موقع نہ تھا۔

اس نے فوراً کہا۔ ہاں میں اسلم ہی ہوں۔ نوجوان نے کمزور آواز سے کہا۔ میں زخمی ہو گیا ہوں اگر ممکن ہو تو مجھے آہستہ سے گھوڑے سے نیچے اتار لو۔ جلدی سے اسلم نے اسے گود میں لئے کر گھوڑے سے کھینچ لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس نوجوان کا جسم نہایت ملائم ہے مگر اس وقت اس بات پر بھی غور کرنے کا موقعہ نہ تھا اس نے اسے زمین پر کھڑا کر کے اپنے عماد میں سے دھبیاں بھاڑ کر اس کے شانہ پر باندھیں اور اسے بٹھا کر اس کے پاس خود اس کی حفاظت کے لئے کھڑا ہو گیا ادھر ہندوؤں کو ہر محاذ پر شکست ہو گئی تھی اور وہ بُری طرح سے بھاگ رہے تھے مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل کرتے بڑے چلے جا رہے تھے۔ بے سیاہ ہاتھی پر سوار تھا۔ لشکر کی پراگندگی دیکھ رہا تھا۔ فیلیان نے اس سے کہا اندانا ہندو بھاگے جا رہے ہیں۔ ہاتھی کو چھپے ہٹاؤں یا آگے بڑھاؤں۔ بے سیاہ نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ افسوس بزدل ہندو نہر میت اٹھا کر بھاگ رہے ہیں اس وجہ سے اب ہاتھی آگے بڑھانے سے کیا ہوگا۔ فیلیان سمجھ گیا کہ بے سیاہ بھی بھاگتا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہاتھی کو اشارہ کیا اور وہ بے سیاہ کو لے کر بیت کی طرف لپکا۔ وہ جس طرف سے گزرا اس نے تباہ حال اور پریشان حال ہندوؤں کو ڈرتے ہوئے دیکھا۔ جو ہندو پیدل تھے ان میں سے تو ایک بھی زچ کر نہ جاسکا۔ سب کو مسلمانوں نے ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ البتہ جو سوار تھے وہ اپنی جانیں بچا کر لے جاسکے دوپہر کے وقت تمام میدان ہندوؤں سے پاک ہو گیا۔ اب مسلمانوں نے ہندوؤں کے کیمپ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر کیمپ پر اپنا قبضہ کر لیا۔



۱۰ ہندوؤں کو بھاگتا دیکھ کر بے سیاہ کی ہمت ٹوٹ گئی تھی اور اس لئے اس نے لڑنے پر بھاگ جانے کو ترجیح دی۔ (از تالیف ہند) صفحہ ۱۴۰۔

زخمی نوجوان

اسلامی تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اکثر و بیشتر ایسے ایسے کام کئے جن کو سن کر ہی حیرت ہوتی ہے جو طریقہ پل بنانے اور اسے تیرا کر قائم کرنے کا قاسم کے ذہن میں آیا وہ عجیب ہی تھا اور اس وقت تک کسی کی سمجھ میں ہی نہ آیا جب تک وہ تیرا دو سرے کنارہ کی طرف نہ چلا۔ مگر یہ بھی حیران ہوا اب سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ اس کے خیال میں محمد قاسم بچہ تھا جو لہو و لعاب میں اپنی نو عمری کے دن گزارتا نہ کہ میدان جنگ میں آکر لڑتا اور پھر کس شان سے لشکر کا سپہ سالار بن کر اور ایسی ایسی تجویزیں اس کے ذہن میں آتی جو بڑے بڑے مدبروں کے دماغ میں نہ آسکیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے کمپ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے زخمیوں کی مرہم پہنی کرنا شروع کی اور کچھ لوگ دوسری طرف جا کر اپنے ڈیرے خیمے اور سامان پل کے ذریعہ سے آئے جب کہ تمام مسلمان کسی نہ کسی کام میں مشغول تھے اس وقت اس نوجوان کو جو مجروح ہو گیا تھا اپنے ہمراہ لے کر ہندوؤں کے کمپ میں پہنچا اور خیمہ میں جا گھسا جس خیمہ میں وہ گھسا وہ کسی ہندو سردار کا تھا۔ کیونکہ اس میں آرام و آسائش کا تمام سامان موجود تھا۔ فرش پر مسند بھی ہوئی تھی تکیے لگے ہوئے تھے۔ نوجوان کو سخت تکلیف تھی۔ غالباً چلنے سے زخم میں ٹھیس لگتی تھی وہ جھپکا جاتا تھا۔ اس لیے ہمارا دے کر لایا تھا اس نے اسے مسند پر بٹھا دیا تو وہ بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اب اس نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اسے خیال ہوا کہ اس نے اس وقت سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کہاں دیکھا اسے یاد نہ آیا۔

چونکہ تکلیف کی وجہ سے اس کے چہرہ کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں بوں پر خشکی ڈھونڈی تھی اس لیے اسے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے کہا اس وقت آپ کو سخت تکلیف ہے آپ یہاں آرام کریں میں کسی جراح کو بلائے جاتا ہوں وہ زخم صاف کر کے دوائی لگا

کر ہی ٹکس دے گا۔ نوجوان نے اپنے نازک لبوں کو دانتوں سے دباتے ہوئے کہا۔ نہیں اس کی ضرورت نہیں۔

اسلم۔ ضرورت نہیں خوب کہا آپ نے یہ تکلیف جو اس وقت آپ کو ہے اسی وقت دور ہوگی۔ جب آپکے زخم پر دوا لگا کر کبھی کسی جاٹے گی۔
یہ کہتے ہی وہ اٹھا اور چلنے لگا۔ نوجوان نے کمزور آواز سے کہا۔ ٹھہریے۔
اسلم۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔

وہ چلا گیا۔ نوجوان اب تک تڑختا رہا لیکن اب نہ ہوسکا مسند پر لیٹ گیا اور بے چینی سے کروٹیں بدلتے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت اسلم ایک جراح کو ہمراہ سے کر آگیا۔ دونوں نوجوان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ جراح نے کہا اور ہو کس قدر کسن نوجوان ہے اطمینان رکھو۔ صاحبزادہ میری دوا لگاتے ہی چین پڑ جائے گی۔ ٹھہرو میں تمہارے پہلے کپڑے اتار ڈالوں؟ یہ کہتے ہی وہ نوجوان کی طرف بڑھا۔ باوجود اشد تکلیف ہونے کے نوجوان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کہا نہیں میں کپڑے نہیں اتروا سکتا۔ اسلم اور جراح دونوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ جراح نے کہا تعجب ہے پھر کیسے دوا لگائی جاسکے۔

نوجوان۔ نہ لگائے

جراح۔ مگر یہ آپ کی تکلیف

نوجوان۔ خدا خود دوا کرے گا۔

جراح۔ یہ ٹھیک ہے لیکن دوا کا حکم تو خدا نے بھی دیا ہے

نوجوان۔ مگر میں کپڑے نہیں اتار سکتا۔

جراح۔ کیا ہرج ہے اس میں۔

نوجوان۔ کچھ ہرج نہیں مگر میری شرم اس کی اجازت نہیں دیتی۔

جراح۔ اس قدر شرم ٹھیک نہیں ہے؛

نوجوان۔ کیا آپ حضرت عثمان غنی کو بھول گئے کسی نے آپ کے جسم کو نہ دیکھا تھا۔

جراح۔ لیکن بیمار دل اور مجروحوں کے لئے تو روا ہے۔

نوجوان۔ بے شک مگر میں اس کے لئے تیار نہیں۔

جراح۔ امد ہم لوگوں سے آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جاسکتی۔

نوجوان۔ آپ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے جائیے۔

اسلم۔ اسے اسلامی اخوت گوارا نہیں کرتی۔

نوجوان۔ لیکن میری غیرت کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

جراح نے اسلم سے کہا آپ اس بات کی جاگریہ سالارہ کو اطلاع کریں۔

اسلم۔ بہت اچھا۔

اسلم اٹھا نوجوان نے کہا نہ جاؤ اسلم ان کے پاس نہ جاؤ۔

اسلم۔ اگر تم دوا لگوا لو تو میں نہ جاؤں

نوجوان۔ بخدا مجھے شرم آتی ہے۔

اسلم۔ اور خدا کی قسم ہم سے تمہاری تکلیف دیکھی نہیں جاتی اچھا میں باہر مچھلا جاتا ہوں اور تم

دوا لگواؤ۔

نوجوان۔ نہیں میں دوا نہیں لگوں سکتا تم کپڑا پانی میں تر کر کے کیوں نہیں بانڈھ دیتے۔

جراح۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ زخم کس قدر گہرا ہے اس وقت تک صرف پانی سے تر کر

کے کپڑا بانڈھنا مناسب نہیں ہے۔

نوجوان۔ بس تو رہنے دیجئے۔

اسلم چلا گیا اور بہت جلد محمد قاسم کو بلا لایا۔ نوجوان نے اسٹخنے کا ابارادہ کیا۔ محمد قاسم نے کہا بیت اٹھو۔

میرے دوست مت اٹھو۔ خدا کی قسم کس دلیری سے لڑے ہو تم۔

نوجوان۔ آپ کی اس توجہ انفرادی کا شکر ہے

محمد قاسم بڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا مجھے بھائی اسلم نے بتایا ہے کہ تم دوا نہیں لگواتے۔

نوجوان۔ میرا زخم معمولی ہے صرف پانی کے کپڑے سے اچھا ہو جائے گا۔

محمد قاسم۔ مگر زخم تو دیکھنا تو ضروری ہے

نوجوان۔ لیکن میری شرم مجھے کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

محمد قاسم۔ کپڑے نہ اترو ایسے (جراح سے) آپ جس جگہ زخم ہے وہاں سے تھوڑی سی

عباچاک کر کے زخم دھو کر دوا لگا دیں۔

جراح۔ مناسب ہے۔

محمد قاسم۔ میرے خیال میں اس میں آپ کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
 نوجوان۔ بشرطیکہ عبا کو زیادہ چاک نہ کیا جائے۔
 جراح۔ زیادہ بالکل نہ چاک کیا جائے گا۔

جراح اٹھا اور اس نے اسلم کو پانی لانے کے بھیج دیا اور خود نوجوان کے پاس پہنچا۔ اس کے شانہ پر سے عبا کو چاک کر کے زخم دیکھا۔ واقعی زخم معمولی تھا نہ زیادہ گہرا نہ تھا۔ مگر پھر بھی زخم تھا۔ ذرا سا چاقو لگنے سے ہی تکلیف ہو جاتی ہے وہ تو تلوار کا زخم تھا اس لئے نوجوان کو تکلیف تھی۔ اس عرصے میں اسلم پانی لے آیا۔ جراح نے زخم دھو کر دھائی لگائی اور پیٹی کس دی جب تک پیٹی کستارہا نوجوان کا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا رہا۔ پیٹی کس کو جراح نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ یہ ایک ہی پیٹی کافی ہوگی۔ زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔ جراح چلا گیا۔ محمد قاسم اور اسلم بیٹھے رہ گئے۔ محمد قاسم نے پوچھا۔ کیسے کچھ تکلیف میں کمی ہوئی؟

نوجوان۔ میرے خیال میں آدمی تکلیف رہ گئی ہے۔

اسلم۔ مگر آپ صند کئے جاتے تو تکلیف ضرور بڑھ جاتی۔

نوجوان۔ کیا کروں مجبور ہوں

محمد قاسم۔ تمہارا کیا نام ہے۔

نوجوان۔ بدر جمال

محمد قاسم۔ ماشا اللہ نام صورت کی مناسبت سے خوب رکھا ہے۔

نوجوان۔ یہ سن کر کچھ تھپپ گیا۔

محمد قاسم۔ تم اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟

بدر جمال۔ الود سے

محمد قاسم اور اسلم دونوں کو حیرت ہوئی دونوں حیران ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگے اس نے

اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ محمد قاسم نے تعجب کے لہجہ میں کہا الود سے۔

بدر جمال۔ جی ہاں

محمد قاسم۔ کیوں گئے تم وہاں

بدر جمال۔ ایک رٹ کی طاہرہ کو راہیہ واہر گرفتار کر کے لے گیا تھا۔

یہ کہتے وقت بدر جمال نے اسلم کی طرف دیکھا اسلم ہمہ تن متوجہ ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

... محمد قاسم نے کہا ہاں لے گیا تھا کیا تم اسے رہا کرانے کے لئے گئے تھے؟

بدر جمال - جی ہاں

دونوں کو اور بھی تعجب ہوا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا مگر تم ناکام رہے۔

بدر جمال - میں طاہرہ سے ملا تھا۔۔۔۔۔

دونوں نے نہایت حیران ہو کر اسے دیکھا۔ محمد قاسم نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا تم اس سے

ملے تھے۔

بدر جمال - جی ہاں۔

محمد قاسم - پھر اسے کیوں نہ لے آئے؟

بدر جمال - رانی لادی نے اسے نہ آنے دیا

محمد قاسم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ گویا وہ رانی لادی کے پاس رہتی ہے۔

بدر جمال - رہتی تھی مگر اس نے ایک دن آپ کے (محمد قاسم) کے متعلق اس سے کچھ گفتگو کی

تو راجہ نے سن لی اور اس نے رانی لادی کو قید کر دیا۔

محمد قاسم نے چونک کر بدر جمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا بات کہی تھی رانی نے۔

بدر جمال - اس نے کہا تھا کہ اگر محمد قاسم مجھے اپنی خدمت میں رکھنا منظور فرمادیں تو میں

جانے کے لئے تیار ہوں۔۔۔

محمد قاسم کے دل پر کچھ چوٹ سی لگی۔ اس نے کہا گویا رانی میرے پاس آنے کے لئے

تیار تھی۔

بدر جمال - جی ہاں مگر اب قید کر دی گئی ہے۔

محمد قاسم - انشاء اللہ میں اسے بھی رہائی دلاؤں گا لیکن جب رانی قید ہو گئی تھی تو پھر

طاہرہ تمہارے ساتھ کیوں نہ چلی آئی!

بدر جمال کچھ گھبرا گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی کہا اس لئے کہ رانی کو رہا کرانے کی فکر میں ہے۔

محمد قاسم، مگر تم نے بڑی جرات کی۔

بدر جمال - مجھے ایک جادو کرنی نے وہاں تک پہنچا پاتا تھا۔

جو گنی کو اسلام نے اس وقت دیکھا تھا۔ جب ساحل دیبل پر اسے اور برانڈیپ سے

آنے والے مسلمانوں کو داہر کے سپاہیوں نے قید کیا تھا اس نے کہا ٹھیک ہے شاید وہ

مسلمانوں کی خیر خواہ ہے۔

بدر جمال۔ نہیں وہ اپنے ملک و قوم کی خیر خواہ ہے اس کا خیال ہے کہ مسلمان اس ملک کو فتح کر لیں گے اس لئے وہ نہیں چاہتی کہ جنگ ہو۔
محمد قاسم۔ اور تم رہنے والے کہاں کے ہو۔
بدر جمال۔ بصرہ کا۔

محمد قاسم۔ کس کے ساتھ یہاں آئے تھے؟

بدر جمال۔ آپ کے لشکر کے ساتھ۔
محمد قاسم۔ تعجب ہے میں نے پہلے تم کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔
بدر جمال۔ میں نے خود احتیاط کی تھی کہ آپ مجھے نہ دیکھیں۔

محمد قاسم۔ کیوں؟

بدر جمال۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ مجھے واپس نہ لوٹا دیں۔

محمد قاسم۔ اور تم واپس نہ جانا چاہتے تھے۔

بدر جمال۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ کس وجہ سے

بدر جمال۔ مجھے طاہرہ سے غائبانہ محبت ہو گئی تھی اور میں اسے رہا کرنا چاہتا تھا۔

یہ کہنے ہوئے اس نے اسلم کو دیکھا۔ اسلم کے چہرہ سے رشک کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور

محمد قاسم نے مسکرا کر کہا لیکن طاہرہ نے تمہاری محبت کی کچھ قدر نہ کی۔

بدر جمال۔ نہیں وہ میری بہت مشکور ہوئی۔

اب ظہر کی اذان ہوئی۔ محمد قاسم نے کہا ہم نماز پڑھ آئیں تم یہیں پڑھ لو۔

محمد قاسم چلا گیا۔ اسلم نے اُسے پانی لاکر وضو کرایا۔ بدر جمال قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔



پیغام

گذشتہ باب میں جس جنگ کا ذکر ہم نے لکھا ہے اس میں بھی بے شمار ہندو مارے گئے۔ تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ہندو اور مسلمان پچاس سے کم شہید ہوئے ظہر کی نماز پڑھ کر شہداء کو جمع کر کے جنازہ کی پڑھی اور انہیں دفن کرا دیا چونکہ بہت سے مسلمان مجروح ہو گئے تھے نہ نہیں وہاں چھوڑ دینا مناسب تھا اور ہمراہ بے جانا ٹھیک تھا اس لئے سارا لشکر ہی ان کے اچھا ہونے کے انتظار میں وہیں مقیم ہو گیا۔ شام کے وقت موکہ بھی موہ اپنے لشکر کے اس پار آ گیا اس نے محمد قاسم کو فتح کی مبارک باد دی اور اس کے پل بنانے کی حسن تدبیر کی بڑی تعریف کی اور اب تمام لشکر دارالسلطنت میں بھیج دیا۔ صرف ایک ہزار سوار اپنے پاس رہنے دیئے دوسرے دن تمام منجیقیں اور دوسری بھاری بھاری چیزیں بھی اس طرف سے پل کے اوپر کھینچ لائے محمد قاسم نے موکہ سے کہا کہ وہ اپنے کچھ آدمی بطور جاسوسوں کے اور کی طرف بھیج دیئے تاکہ وہ خبر لادیں کہ راجہ داہر کیا کر رہا ہے اور کس قدر لشکر لے کر ہمارے مقابلہ کے لئے آنے والا ہے۔ چنانچہ موکہ نے اپنے معتمدوں کو دریافت حال کے لئے روانہ کر دیا۔ چند دن میں تمام مجروحین کے زخم منہ پل ہو گئے۔ بدرجہا بھی اچھا ہو گیا اور اب مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کر دی وہاں سے چل کر ایک مختصر قصبہ تارا منی میں پہنچے وہیں ٹھہر گئے۔ کیونکہ سامنے ان کے ایک ایسی جھیل آگئی۔ جس کو بغیر کشتیوں کے عبور کرنا دشوار تھا۔ جھیل کچھ زیادہ چوڑی نہ تھی لیکن گہری اور لمبی بہت زیادہ تھی۔ کئی روز کی لگاتار کوشش کے بعد ایک بہت ہی مختصر سی کشتی تارا منی میں ہی شکستہ حالت میں پڑی ہوئی مل گئی انہوں نے اسے درست کیا اور پہنچ کر جھیل میں لا ڈالا۔ یہ کشتی اتنی چھوٹی تھی کہ ان کے علاوہ صرف تین آدمی اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ تین تین آدمیوں کو ہی اس میں سوار کر کے پار لگاوتے جاتے اس طرح سے کئی دن میں یہ لشکر جھیل سے پار ہوا تمام لشکر اس طرف آ جانے پر پھر انہوں نے

کوچ کیا اور بچے پور میں داد پادہ ندی کے کنارہ پر جا پہنچے یہ ایک نہایت وسیع میدان تھا۔ اسل
 اور سبزہ راز میدان۔ موکنے کہا۔ میرے خیال میں یہ جگہ جنگ کے لئے بہت بہتر ہے۔
 اسی جگہ قیام کیجئے۔ راجہ داہر بھی اسی جگہ لشکر لیکر آئے گا۔ محمد قاسم کو بھی یہ جگہ اچھی معلوم ہوئی اور
 اس نے اسی جگہ قیام کر دیا۔ بدر جمال کے لئے محمد قاسم نے علیحدہ ایک خیمہ دے دیا تھا اور وہ
 اس میں رہنے لگا تھا۔ محمد قاسم کے لشکر میں بہت سے نو عمر مجاہد آئے تھے۔ لیکن ان میں محمد قاسم
 سے کم عمر کا بچہ تھا اور محمد قاسم سے زیادہ کم عمر بدر جمال تھا اور حسین بھی سب سے بڑھ کر تھا وہ اپنے خیمہ سے کم پھر نکلتا
 تھا۔ تو جس طرف سے گزرتا تھا لوگوں کی نظریں اکی طرف اٹھتی چلی جاتی تھیں اب اسے بالکل آرام ہو گیا تھا مگر محمد قاسم بھی وہ
 اچھی طرح آرام نہ ہونے کا بہانہ کئے ہوئے تھا اور اس لئے نماز اپنے ہی خیمہ میں پڑھ لیتا۔ محمد قاسم
 اکثر اس کے پاس آ بیٹھتا تھا اور اس سے باتیں کرتا تھا اسے اس کی باتوں میں بڑا لطف آتا تھا۔
 کبھی کبھی وہ رانی لادی کا بھی فکر چھوڑ دیتا تھا اور گھنٹوں اس کی باتیں سننا رہتا تھا۔ اسلم بہت کم اس
 کے پاس آتا تھا اور جب آتا تھا نہیں بلکہ محمد قاسم کے ساتھ۔ اس کا جی تو چاہتا تھا کہ وہ اس کے پاس
 آ کر بیٹھے اور اس کی باتیں سنے مگر کسی وجہ سے کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ بدر جمال بھی اس بات کو محسوس
 کرتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کیوں کھنچا رہتا ہے۔
 ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اسلم بدر جمال کے سامنے سے گزرتا تھا اور بدر جمال دروازہ پر کھڑا
 تھا۔ اسلم نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور آگے بڑھنا چاہا بدر جمال نے مسکرا کر کہا۔ کہاں جا رہے ہو
 اسلم۔ اسلم نے بے رخی سے کہا۔ سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں۔

بدر جمال۔ کیا کوئی کام ہے۔

اسلم۔ کوئی خاص نہیں ہے۔

بدر جمال۔ تو آئیے کچھ باتیں کریں گے۔

اگر اسلم نہ جاتا تو بد اخلاقی تھی۔ اس لئے وہ اس کی طرف لوٹا۔ بدر جمال خیمہ کے اندر چلا گیا۔ اسلم
 بھی خیمہ میں خیمہ میں داخل ہو کر اس کے پاس جا بیٹھا۔ بدر جمال نے کہا۔ شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں
 اسلم نے کہا۔ میں کیوں ناخوش ہوتا آپ سے؟

بدر جمال۔ اسے تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں

اسلم۔ مگر آپ کو یہ خیال کیوں ہوا۔

بدر جمال۔ آپ کی بے رخی دیکھ کر۔ اسلم۔ یہ محض آپ کا خیال ہے۔

بدر جمال - ممکن ہے مگر میرے پاس نہ آنے کا کیا سبب ہے؟

اسلم - جب موقعہ ہوتا ہے تو ضرور آتا ہوں۔

بدر جمال - موقعہ؟ گویا ہر وقت آپ کام میں مشغول رہتے ہیں۔

اسلم - یہی سمجھ لیجئے۔

بدر جمال - مگر کیا کام کرتے رہتے ہیں آپ؟

اسلم - کوئی خاص کام بھی نہیں ہوتا۔

بدر جمال - میں سمجھتا ہوں اسلم۔

اسلم - کیا سمجھتے ہیں

بدر جمال - آپ مجھ سے کچھ ناخوش ہیں۔

اسلم - نہیں بدر جمال ایسا خیال نہ کرو کوئی مسلمان کسی مسلمان سے کبھی ناخوش نہیں ہو سکتا اور

میں ناخوش کیوں ہوتا۔

بدر جمال - میں بتا دوں

اسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا بتاؤ۔

بدر جمال - تم شاید تسلیم نہ کرو۔

اسلم - تسلیم کرنے کی بات ہوگی تو ضرور تسلیم کروں گا۔

بدر جمال - آپ کا خیال ہے کہ میں طاہرہ کو چھڑانے کے لئے کیوں گیا۔

اسلم - نہیں تم مسلمان ہو اور مسلمان کا یہ فرض تھا۔

بدر جمال - افسوس تم نہیں مانتے جانے دیکھئے اگر آپ اقرار کر لیتے تو میں طاہرہ کا پیغام

آپ کو سنا دیتا۔

اسلم چونکہ پڑا اس نے حیرت سے بدر جمال کی طرف دیکھ کر کہا طاہرہ کا پیغام میرے دوست

سناؤ کیا پیغام ہے!!

بدر جمال - بس کچھ نہیں۔

اسلم نے عاجزی کے لہجہ میں کہا نہیں نہیں دوست ناخوش نہ ہو جاؤ۔ مجھے سناؤ اس کا

پیغام سناؤ۔

بدر جمال - گویا تم کو طاہرہ سے محبت ہے۔

اسلم۔ ہاں۔
 بدر جمال۔ اور آپ کو مجھ سے اس لئے رشک ہوا کہ میں نے اس سے باتیں کیں۔
 اسلم۔ یہ سچ ہے بدر جمال تم خوب صورت ہو
 مجھ سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو مجھے رشک ہونا قدرتی بات ہے۔
 بدر جمال۔ طاہرہ تم کو یاد کرتی تھی اسے یہ معلوم نہ تھا کہ تم آزاد ہو گئے ہو کہنے لگی کہ مجھے
 رہا کرانے سے پہلے انہیں آزاد کرنا۔
 اسلم کا چہرہ چمک اٹھا اس نے کہا کس قدر وفادار کاش میں اڑ کر اس کے پاس پہنچ سکتا کیا یہ
 ممکن نہیں بدر جمال کہ تم اور میں دونوں چلیں اور چل کر اسے آزاد کرالیں۔
 بدر جمال۔ اس کی ضرورت نہیں ہے انشاء اللہ وہ رہا ہو جائے گی۔
 اسلم۔ کیسے رہا ہو جائے گی۔
 بدر جمال۔ سب سے بڑا علم اسے اور انی لادی کو رہا کرانے کی فکر میں ہے۔
 اسلم۔ خدا کرے کہ وہ رہا ہو جائے بدر جمال میرے دن اس کی یاد میں اور میری
 راتیں اس کے تصور میں گزر جاتی ہیں۔
 بدر جمال۔ لیکن اسے خیال تھا کہ شاید تم اسے بھول گئے ہو۔
 اسلم۔ میں اسے آخری وقت تک بھی نہیں بھول سکتا۔
 بدر جمال۔ مگر شاید تم اسے دیکھ کر اب پہچان نہ سکو۔
 اسلم۔ کیوں؟
 بدر جمال۔ اس لئے کہ وہ بہت بدل گئی۔
 اسلم۔ شاید اس پر سختیاں زیادہ کی گئی ہیں۔
 بدر جمال۔ ہاں کچھ سختیاں بھی کی گئی ہیں۔
 اسلم۔ اور کیا وہ بیمار ہو گئی تھی۔
 بدر جمال۔ نہیں!
 اسلم۔ تو شاید غم ورنج نے اسے گھلا دیا ہے۔
 بدر جمال۔ ہاں وہ رنجیدہ رہتی تھی۔
 اسلم۔ افسوس ہے۔

بدر جمال۔ مگر اب خوش تھی۔

اسلم۔ اور خدا کرے کہ خوش رہے۔

بدر جمال نے مسکرا کر کہا اب تم مجھ سے کھینچے کھینچے نہ رہو گے؛ اسلم نے اس کی طرف مشکورانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تمہیں میرے اچھے دوست مجھے معاف کر دو میں نے حماقت کی آپ سے مشکوک ہو کر رشک کرنے لگا!

بدر جمال۔ اسی لئے اسلام رشک کرنے سے منع کرتا ہے۔

اسلم۔ حقیقت میں مجھ سے گناہ ہو گیا معاف کر دو میرے دوست

بدر جمال۔ میں نے معاف کر دیا خدا بھی معاف کر دے۔

اسلم۔ ایک بات عرض کروں۔

بدر جمال۔ کہو!

اسلم۔ مجھے آپ کا چہرہ طاہرہ کے چہرے سے بہت کچھ ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے۔

بدر جمال نے ہنسی کر کہا۔ تھوڑے دنوں میں کہنے لگنا کہ میں طاہرہ ہی ہوں اسلم مجھ کو

ہو گیا۔ اس نے کہا دوست اب تم میرے خیمہ میں میرے پاس رہا کرو۔

بدر جمال۔ آپ کی مہربانی ہے میں تنہا ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

اب محمد قاسم آگئے اور یہ دونوں چپ ہو گئے محمد قاسم نے بیٹھتے ہوئے کہا انوکھ کے

جاسوس آج واپس آگئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ راجہ داہر لشکر عظیم اور ہاتھی لے کر چل پڑا ہے۔

اسلم۔ خداوند کرے گا

محمد قاسم۔ یقین ہے کہ وہ ہمیں فتح دے گا۔

اسلم۔ انشاء اللہ

اس کے بعد مختلف اہل ریبہ گفتگو شروع ہو گئی اور دوپہر کے وقت محمد قاسم اور اسلم دونوں

اٹھ کر اپنے اپنے خیمے کی طرف چلے گئے۔



عظیم الشان لشکر

جے سیاہ کوراجہ واہرا اور اس کی رعایا نے بڑے جوش و خروش اور بڑے شان و تجل سے رخصت کیا تھا۔ تمام رعایا خود واہر اور سارے اراکین سلطنت کا خیال تھا کہ جے سیاہ ہی مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دے گا۔ چنانچہ سب کی نگاہیں میدان کارزار کی طرف لگی ہوئی تھیں اور سب اس امید میں تھے کہ غنقریب فتح کی خوش خبری آنے والی ہے۔ واہر اس بات کو بھول گیا کہ اس نے جے سیاہ سے وعدہ کیا تھا کہ اسکے پیچھے وہ بھی روانہ ہو جائے گا۔ باوجود کہ جے سیاہ کو روانہ ہونے پر وعدہ ہو گیا تھا۔ اب تک اسے بھی اطلاع نہ ہو جاتا ہے تھا۔ لیکن وہ غرقِ عشرت ہوا داد عیش دے رہا تھا دراصل وہ لڑائی سے جی چراتا تھا جو شخص عشق و عشرت میں عشرت میں پھنس جائے۔ ہر وقت عورتوں سے مصروفِ اختلاط رہے۔ اس میں بہادری کے جوہر باقی نہیں رہتے۔ چنانچہ واہر میں بھی مردانگی کے عنصر کا فقدان ہو چکا تھا اس لئے وہ میدان کارزار میں نہ جانا چاہتا تھا لیکن اس قسم کے لوگوں میں ضد کا مادہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ وہ بھی ضدی تھا اور اس ضد کی بدولت ہی اس نے مسلمانوں سے صلح کرنا گوارا نہ کیا۔ حالانکہ مسلمانوں کا سوائے اس کے کوئی اور مطالبہ نہ تھا کہ وہ ان تمام اسیروں کو رہا کر دے جنہیں اس کے سپاہی دیبل کے ساحل سے گرفتار کر لائے تھے اور ان کا تمام سامان اور زر نقد بھی واپس دے دیں مگر اس نے اپنی حماقت اور نا عاقبت اندیشی سے مسلمانوں کا یہ جائزہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اس واقعہ تاریخ دان حضرات اور غیر متعصب لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈاکو مسلمان نہ تھے بلکہ مندوراجہ اور ہمارا جوہر تھے جو کہ اول تو آپس ہی میں کٹے مرتے رہتے تھے۔ ہر طاقت ور کمزور کو فنا کر دیتا تھا اور پس ڈالتا تھا اور جب آپس میں صلح ہو جاتی تھی تو پھر غیر اقوام کو لوٹتے تھے۔ یہ لوٹ مار کی عادت ان میں اس وقت سے تھی جب کہ آریہ ہندوستان میں آئے تھے تاریخی بتاتی ہیں کہ ہندوستان میں کول اور دراوڑ کو تو میں آباد نہیں ماسن و اطمینان سے زندگی بسر

کہ رہی تھیں اور ان کے نہایت عالی شان شہر آباد ہو گئے تھے اور چاروں طرف تجارت خوب پھیل
 گئی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ ہزاروں چیزوں کی پرستش کرتے تھے۔ مثلاً بھوت پریت۔ سانپ بیت
 درخت۔ پتھر۔ زمین غرض کہ ہزاروں چیزوں کو پوجتے تھے مگر اپنے مردوں کو بجائے جلانے کے دفن کرتے
 تھے ان میں ذات پات کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ دفعتاً ان پر مصیبت نازل ہوئی اور آریوں نے افغانستان
 کے درہ سے نکل کر ان امن پسندوں پر حملہ کر دیا یہ حملہ شخص لوٹ مار اور قتل و غارت گری اور زر زمین
 تاراج چھیننے کے لئے گیا۔ کچھ دنوں تو کول اور دراوڑان لیٹروں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر پساہو
 کر جنوبی ہند کی طرف چلے گئے اور کچھ بے چارے جنگلوں کو کاٹ کاٹ کر میدان میں اور کچھ پہاڑوں
 میں جا کر آباد ہو گئے۔ چنانچہ بندھیا چل وغیرہ کی پہاڑیوں اور ان کے نشیبی میدانوں میں یہ قومیں اب تک
 موجود ہیں اور آج تک آریوں کے مظالم یاد کر کے روتی اور انہیں دل کھول کر برا بھلا کہتی ہیں۔ تامل
 تلگو کناری۔ ملایا وغیرہ زبانیں ہی مظلوم قوم بولتی ہے آریوں نے ان لوگوں پر بے حد مظالم کئے انہیں
 قتل کیا لوٹا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو چھین لیا اور ان کو شمالی ہندوستان سے نکال کر جنوبی ہند میں دھکیل دیا۔
 اور ان کے شہروں اور زمینوں پر قابض ہو گئے۔ آج ان ظالم آریوں کی اولاد قریب قریب تمام ہندوستان
 میں پھیلی ہوئی ہے اور چونکہ ان بزرگوں نے ہندوستان کی اصلی باشندہ اقوام پر بلا وجہ حملہ کر کے انہیں
 لوٹا اور قتل و غارت کیا تھا اس لئے آج مسلمانوں پر لوٹ مار اور قتل و خونریزی کا اس لئے الزام
 لگاتے ہیں تاکہ مسلمان انہیں یہ نہ کہیں کہ تم بڑا کو ہو عورتوں اور بچوں کو زبردستی چھینتے و اسے ہو تم نے
 کول اور دراوڑوں پر ستم کئے قتل کیا اور انہیں لوٹا ان کے شہروں کو تباہ کیا ان کی عورتوں بچوں نیز لڑ
 و مال کو ان سے چھین لیا اور انہیں پیسہ پیسہ کو محتاج کر کے شمالی ہندوستان سے نکال دیا۔
 مسلمانوں نے کبھی بلا وجہ ہندوستان پر حملہ نہیں کیا البتہ سب کبھی ان خود سر آریوں کے دماغوں
 میں فتور آیا اور انہوں نے مسلمانوں کے ستانے کی کوشش کی مسلمانوں نے فدا ہی ان کا سر کچل دیا
 اب اس میں قصور مسلمانوں کا ہے یا خود سر آریوں کا جنہوں نے مسلمانوں کو ستا کر حملہ کرنے کی دعوت دی
 ہر مسلمان مہراج آدمی اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا کہ بڑا کو لیٹرے اور ظالم وہ آریا تھے جنہوں
 نے کول اور دراوڑ کو بے گناہ لوٹا قتل کیا اور تباہ کر کے چھوڑا تاکہ مسلمان جنہوں نے ہندوؤں
 کی دست درازی سے تنگ آکر حملے کئے۔ داسر فتح کی خوش خبری سننے کا منتظر تھا کہ دفعتاً اسے
 جے سیاہ کے ہزیمت اٹھانے کی خبر ملی۔ اب اسے فکر ہوا اور رنج بھی۔ اس کے دل میں
 بے چینی پیدا ہو گئی زیادہ ملال اسے اس بات کا ہوا کہ جے سیاہ کا کسی نے بھی کچھ پتہ نہ دیا کہ وہ

مارا گیا ڈوب گیا یا کیا ہوا۔ اب اس نے لشکر فراہم کرنا شروع کیا۔ ملک کے بہادر لوگوں کو جمع کیا اور ایسے دن کا انتظار کرنے لگا جو اچھا ہو۔ ہندو دنوں کو بھی اچھا برا سمجھتے ہیں کسی دن تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا اچھا نہیں سمجھتے تو کسی دن لڑکی کو سسرال بھیجنا مناسب خیال نہیں کرتے غرض کہ سفر بھی خاص دن اور خاص وقت میں کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام دن خدا کے بنائے ہوئے ہیں تمام دن یکساں ہیں دنوں کا اچھا یا برا ہونا کیا۔ مگر جو لوگ خدا کو مانتے ہی نہ ہوں وہ خدا کے بنائے ہوئے قواعد پر کیا عمل کریں۔ ابھی وہ نیک دن جس دن داہر کوچ کرنا آیا بھی نہ تھا کہ جسے سیاہ آگیا۔ بے چارہ بے حد شرمندہ تھا داہر اسے دیکھتے ہی بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا بیٹے پرواہ نہ کر ان سب کو شکست دے کر بھاگا آؤں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تجھے شکست کیسے ہو گئی؟ کیا مسلمان زیادہ تھے یا تیرے لشکر نے بزدلی کی یا مسلمانوں نے شہنشاہ مارا؟ جسے سیاہ نے کہا نہ مسلمان زیادہ تھے نہ انہوں نے شہنشاہ مارا۔ وہ حیرت انگیز طریقہ پر پل بنا کر دریا کو عبور کر کے آئے اور بڑی خواہمندی سے رطے لیکن میرے سپاہیوں نے بزدلی کی اور وہ ان سے ڈر کر بھاگ نکلے۔

داہر۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں میں نے اب ملک کے بہادر اور دلیر آدمی جمع کر لئے ہیں اور تیرا اور مرنے والے ہندوؤں کا مسلمانوں سے انتقام لے لوں گا۔ تو نے لڑائی میں بڑی مشقت اٹھائی ہے لہذا اب تم آرام کرو!

جسے سیاہ چلا گیا اور داہر مزید تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جس دن جسے سیاہ آیا اس کے دوسرے ہی دن سیساگر داہر کے پاس پہنچا وزیر کا چہرہ کچھ اترا ہوا تھا۔ داہر نے اسے دیکھ کر کہا منتری جی (وزیر اعظم) آج کیا بات ہے تم اداس کیوں ہو۔ سیساگر بیٹھ گیا۔ اس نے جواب دیا ان دنوں حضور نے دیکھ لیا کہ راج مارے سیاہ اس تمام لشکر کو تباہ کر آئے۔ جسے وہ مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے گئے تھے۔

داہر۔ بلاشبہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

سیساگر۔ سارے اور اور تمام ملک میں گھر گھر ماتم ہو رہا ہے کیونکہ اس لشکر میں اطراف ملک کے آدمی تھے۔

داہر۔ لیکن ماتم کرنے سے کیا ہوتا ہے لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دیس کی سیوا سے بڑھ کر کوئی دہرم نہیں ہے جو لوگ دیس کی سیوا کرتے ہوئے مر جاتے ہیں وہ اچھی جون میں جنم لیتے ہیں۔ سیساگر۔ یہ وہ مانتے ہیں لیکن پھر بھی ماتم کرتے ہیں۔

داہر۔ یہ ان کے دل کی کمزوری ہے۔

سیاگر۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ہمارا ج کیا اچھا ہوتا کہ یہ جنگ مول نہ لی جاتی اور مسلم اسپروں کو چھوڑ دیا جاتا۔

داہر۔ اب مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں نے فضول ضد کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ مسلمانوں کا خلیفہ ان معمولی قسم کے مسلمانوں کو رہا کرانے کے لئے دور دور از قافلے پر اپنا لشکر لڑنے کے لئے بھیج دے گا۔

سیاگر۔ حالانکہ ہر شخص اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ ہر شخص ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتا ہے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ مسلمان اپنے بھائیوں کو رہا کرانے کے لئے حملہ نہ کرتے۔

داہر۔ یہ میری غلط فہمی ہوئی۔

سیاگر۔ اب بھی مناسب یہی ہے کہ صلح کر لی جائے۔

داہر۔ اب کیسے ہو سکتی ہے جو مسلمان قید تھے انہیں تو انہوں نے چھڑا ہی لیا۔

سیاگر۔ کچھ تاوان جنگ دے کر مصالحت کر لی جائے۔

داہر نے جوش میں آکر کہا میں تاوان جنگ ادا کروں اور ایک مسلمان بادشاہ کو کبھی نہیں میں اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

سیاگر۔ لیکن ملک اور رعایا کو بچانے کے لئے ایسا کیجئے۔

داہر۔ ہرگز نہیں

سیاگر۔ حضور کو معلوم ہوا کہ مسلمان کہاں تک آگئے ہیں۔

داہر۔ نہیں میں نے نہیں سنا۔

سیاگر۔ ہمارا ج وہ جے پور میں آگئے ہیں سوچتے جب دشمنوں کا قیام مقام فتح (جے پور)

میں ہوتا ان کے جے (فتح) ہونے میں کیا شبہ ہے۔

داہر نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا بد شکونی نہ کر دان کا مقام جے دار میں نہیں

بلکہ میں دار (مقام شکست) میں ہے جہاں ان کی ہڈیاں پڑی مڑا کرنے گی۔

سیاگر۔ کاش ایسا ہی ہوتا۔

داہر نے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہو گا تم دیکھ لینا کیا ایک سترہ سال کا لڑکا مجھ جیسے جوان (طاقتور)

راہ پر فتح پائے گا کبھی نہیں میں اب تک ٹال رہا تھا لیکن اب نہ ٹالوں گا اور ایک ایک مسلمان

کو چن چن کر قتل کر دوں گا فتح میری ہونی نا کہ محمد قاسم کی جو ایک شیر خوار بچہ ہے۔ کل لشکر کوچ کرے گا۔
تم سب انتظامات مکمل کر دو۔
سیاگر۔ بہتر ہے۔

وہ چلا گیا۔ دوسرے دن جب آفتاب نکلا تو ہوائی بان (تیر) اڑاٹے گئے جس سے تمام الور
والوں کو خبر ہو گئی کہ اب لشکر روانہ ہونے والا ہے ساتھ ہی نقاروں پر چوٹ پڑی اور لشکر مسلح ہو گیا
رائیاں اور داسیاں سب رتھوں میں سوار کر لی گئی تھیں۔ راجہ ہاتھی پر بیٹھا اور لشکر نے آہستہ آہستہ
الور کے بانڈوں میں چلنا شروع کیا۔ تمام مندروں میں گھڑیاں اور ناقوس بجائے گئے ہر ہندو دیوی
دیوتاؤں کو یاد کر کے اور نام لے کر ان سے فتح کی التجائیں کرنے لگے بڑی شان سے یہ لشکر الور
کے قلعہ سے باہر نکلا اور بے پور کی طرف روانہ ہوا۔



خونریز جنگ

راجہ داہر کے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ آنے کی اطلاع موکہ کے جاسوسوں نے محمد قاسم کو کر دی تھی انہوں نے بیان کیا تھا کہ داہر ملک کے چیدہ بہادروں کو ساتھ لے کر ان مقام کے چوش میں بڑے زور شور سے آ رہا ہے اگرچہ اس کے پاس کافی لشکر ہے لیکن راستہ میں سے اور لشکر بھرتی کر رہا ہے اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی دم لے گا۔ ان متوحش خبروں کا بھی مسلمانوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ نہایت اطمینان سے اپنے کاموں میں مصروف رہے اور اس عظیم الشان لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ موکہ کو خیال ہوا کہ مبادا مسلمانوں کو شکست ہو جائے اگر اس کی موجودگی میں انہیں ہزیمت ہوئی تو داہر اس پر حملہ کر کے اسے بھی ختم کر دے گا۔ اس لئے وہ محمد قاسم سے اجازت لے کر مع اپنے لشکر کے وہاں سے چلا گیا۔ مسلمان جانتے اور سمجھتے تھے کہ موکہ ان کے ساتھ ہو کر داہر سے نہیں لڑ سکتا اس سے یہ معاہدہ تھا اس لئے اس کے چلے جانے سے بھی مسلمانوں پر کچھ اثر نہ پڑا چند ہی روز کے بعد داہر کے لشکر کا سپہ سالار آ گیا۔ مسلمانوں نے دیکھا اندازہ لگایا کہ تقریباً چالیس ہزار لشکر اس کے ہمراہ تھا جس وقت محمد قاسم نیروں سے الوری طرف روانہ ہوا تو اس نے حجاج کو لکھا تھا کہ وہ نان ملک کی طرف جا رہا ہے۔ اس لئے کچھ لشکر اور بیج دیا جائے چنانچہ حجاج نے دو ہزار لشکر اور بیج دیا وہ جے پور میں آ کر مل گیا اب محمد کے پاس آٹھ ہزار لشکر ہو گیا تھا داہر چالیس ہزار لشکر لے کر آیا تھا ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے مقابل میں پانچ ہندو تھے اس کے علاوہ تلوا تھی تھے داہر نے آتے ہی یہ سہیلی کہ مسلمانوں کو رسد نہ ملے اس کو تڑپ جورد کے وہاں میں اپنا لشکر پھیلا دیا اور جس قدر گاؤں میں غلہ تھا اسے لے لیا گاؤں والے مسلمانوں کے ہاتھ اور دوسری اشیاء فروخت کر کے خاطر خواہ نفع اٹھا رہے تھے مگر داہر نے ان سے جبراً سب کچھ چھین لیا۔ تو انہیں بڑا افسوس ہوا اور نہایت غصہ آیا مگر وہ کچھ سوچ کر چپ رہے اب رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ اسلامی لشکر میں ہر شخص روز سے رکھنا تھا اور رات کو تراویح میں کلام اللہ پڑھنا۔

ماہ رمضان المبارک کو داہرنے میں ہزار لشکر کو میدان کارزار میں بھیجا۔ محمد قاسم نے سمجھ لیا کہ داہرنے
 تمام لشکر کو نہیں بھیجا بلکہ آدھا لشکر لڑنے کے لئے آیا ہے اس لئے بھی آدھا ہی لشکر بھیجا اور محرزین ثابت
 کو افسر مقررہ کیا اور اس کی ماتحتی میں دو اور سردار ایک سعید اور دوسرا حسن بن مجتہ الکریمی مقرر کیا
 اور ان سے کہا کہ اگر خدا نخواستہ محرز شہید ہو جائے تو سعید افسر ہوگا اور اگر سعید بھی شہید ہو جائے تو حسن
 علم افسری کو سنبھالے۔ چنانچہ چار ہزار مسلمان میں ہزار ہندوؤں کے مقابلہ میں نکلے اور صفیں قائم کر
 کے لڑنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ جب آفتاب ذرا اونچا ہوا تب ہندوؤں کے لشکر میں تقاریر
 بجنے لگے۔ قرنا اور بوق پھونکے جانے لگے۔ گھڑیاں اور گھنٹے زور شور سے بجائے جانے لگے
 مسلمان سمجھ گئے کہ ہندو حملہ کرنے والے ہیں وہ بھی مستعد ہو گئے تھوڑی ہی دیر میں ہندو جیکارے
 لگاتے اور غل مچاتے بڑے جوش سے بڑھے۔ چونکہ میں ہزار کے تمام لشکر نے نقل و حرکت شروع
 کی اس لئے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کہ انسانوں کے سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں۔ ہندوؤں کی
 صفیں پس اور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی نیم برہمن ہندو
 سیلاب کی طرح بڑھتے نظر آتے تھے ہندوؤں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر محرز نے ٹھہر ٹھہر کر تین نعرے
 لگائے۔ تیسرے نعرہ کے ساتھ تمام لشکر نے نہایت زور کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ محرز نے علم
 کو حرکت دی پھر پورا اسلامی شان کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت رعب داب سے لہرایا اور اسلامی
 لشکر نے بھی پیش قدمی شروع کی۔ محمد قاسم اپنے لشکر یعنی اس لشکر سے جو میدان میں نہیں بھیجا گیا تھا۔
 آگے بڑھ کر کھڑا تھا۔ میدان کارزار کی طرف دیکھنے لگا۔ اسلم۔ بدمہ جمال۔ ذکوان۔ عبدالرحمن اور کئی
 سردار بھی اس کے قریب کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ چونکہ ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی طرف
 بڑھ رہے تھے اس لئے بہت جلد دونوں لشکر مل گئے۔ ہندوؤں نے فوٹا، ہی کھانڈے کھینچ کھینچ کر
 اٹھائے اور مسلمانوں نے تلواریں میاؤں سے نکال نکال کر بلند کیں فریاد ہی کھانڈے مسلمانوں کے اور
 تلواریں ہندوؤں کے سروں پر چھکیں اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ آفتاب نکلا ہوا چمک رہا تھا۔
 دھوپ ہر چیز پر پھیلی ہوئی تھی۔ کھانڈے اور تلواریں آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے بجلی کی طرح
 جگمگانے اور کوندنے لگے تھے۔ ہندوؤں نے اور بھی زور زور سے گھنٹے بجائے شروع کئے ناقوس
 بوق اور قرنا پھونک پھونک کر اور جیکارے لگائے نہایت جوش اور غصہ سے حملہ کر دیا ان کے
 چوڑے اور تیز دھار والے کھانڈے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے چلے مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے
 کر کے ان کے حملوں کو روکا اور پھر خود بھی اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگا کر حملہ کر دیا ان کی نازک تلواریں

پلکتی بل کھاتی اور جگمگاتی لپکیں ہندوؤں کی سیاہ ڈھالوں پر پڑیں جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین ہوش و
غضب میں بھرے ہوئے تھے نہایت غضب ناک ہو کر صلے کرنے لگے۔ کھانڈے اور
تلواریں سروتن کے فیصلے کرنے لگیں خون کے فوارے ابلنے لگے۔ پر جوش سر فروش بڑھ بڑھ
کر چلے کرنے لگے۔ جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی انسانی زندگیاں اسی آگ میں جل جل کر محسوس
ہوتے لگیں۔ موت بہادروں کے سروں پر منڈلانے لگی اور قضا لڑنے والوں کی روہیں کھینچنے
کے لئے گھبرائی گھبرائی پھرتے لگی۔ چونکہ دونوں فریق غیظ و غضب کی حالت میں نہایت جوش
سے لڑ رہے تھے اس لئے لشکر میں کوئی نظام اور کوئی قائم نہ رہا تھا۔ صفیں ٹوٹ گئیں مسلمان ہندوؤں
میں اور ہندو مسلمانوں میں گھل مل گئے اور جو جہاں پہنچ گیا وہیں لڑنے لگا مسلمان کم تھے بہت ہی
کم اور ہندو بہت زیادہ تھے اس لئے ہندوؤں نے مسلمانوں کو زخمی میں لے لیا تھا۔ مسلمانوں نے
پچاس پچاس اور توستو آدمیوں کے گروہ بنائے تھے اور ہر گروہ نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا
تھا۔ بہادروں کے سرکٹ کٹ کر گیتوں کی طرح اچھل رہے تھے لاشیں گر رہی تھیں خون بے
قدری کے ساتھ بہ رہا تھا۔ ہندو پورے جوش سے مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے اور مسلمان ہندوؤں
پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ لڑائی کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ اس وقت ہر لڑنے والا اپنی ہستی کو
بھولے ہوئے تھا۔ اسے صرف مارنا اور مرنا ہی یاد رہ گیا تھا اس خون آشام لڑائی کی تباہ کاریاں
حدنگاہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ زخمیوں کی چیخ و پکار۔ قومی نعروں کی آواز اور گھوڑوں کے ہنسنے کی
آواز سے تمام میدان ہیبت ناک طریقہ پر گونج رہا تھا۔ محرز ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے میں تلوار
لئے نہایت جوش سے حملے کر کے ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے اس وقت انہیں
حملہ روکنے کا ہوش نہ رہا تھا۔ نہایت شد و مد سے یا خود ہی حملے کر رہا تھا۔ چونکہ اس بات کا خیال
نہ تھا کہ مسلمان اس کے ہمراہ ہیں یا نہیں اس لئے اکثر ہندوؤں کے زخمی میں آجاتا تھا اور پوری طاقت
سے حملے کر کے ان کے حصار سے نکل کر جاتا تھا لہذا ہندوؤں نے دیکھ لیا تھا کہ وہی لشکر کا روح
رواں ہے اس لئے ہندوؤں نے اسے قتل کرنے کے لئے اس پر یورش کی ہر طرف سے اس
کے گرد احاطہ کر لیا اور رفتہ رفتہ اس احاطہ کو محدود کرنا شروع کیا۔ محرز اب بھی نہ سمجھا اور وہ
بدستور پر جوش حملے کرتا رہا آخر ہندوؤں نے اچانک چاروں طرف سے اس پر تلواروں کا ہینہ
برسا دیا۔ مقدور بھر لڑا۔ بہت سے ہندوؤں کو اس نے بھی مار ڈالا مگر کئی تلواریں اس کی پشت
کی طرف سے آکر اس کے سر پر پڑیں اور وہ ان سے خود کو نہ بچا سکا۔ چنانچہ وہ شہید ہو کر گرنے لگا۔

قریب ہی سعید آگیا تھا۔ اس نے اسلامی علم کو سرنگوں ہوتے دیکھ کر سمجھ لیا کہ محرز یا تو شہید ہو گیا
 یا شہید ہونے والا ہے اس نے بڑھ کر اٹھا کر کا پر زور نعرہ لگایا اور نہایت جوش سے حملہ کر کے
 ہندوؤں کو منتشر کر دیا۔ جب وہ محزر کے قریب پہنچا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ رہا تھا۔ مگر علم کو اب
 تک سنبھالے ہوئے تھا۔ سعید نے جلدی سے بڑھ کر علم اس کے ہاتھ سے لے لیا اس نے
 آنکھیں کھول کر دیکھا اور کہا خدا کا شکر ہے..... اس کے بعد اس کی آواز نہ نکلی اور زمین پر گر پڑا۔
 گرتے ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔ علم ہاتھ میں لیتے ہی سعید نے نہایت جوش سے حملہ کیا اور بہت
 سے ہندوؤں کو قتل کر کے ان کے زخم سے نکل آیا لیکن جس طرف وہ آیا اس طرف سے ہاتھیوں کی
 فوج مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے بڑھ رہی تھی اس نے یہ دیکھ لیا۔ جوش شجاعت سے اس
 کا خون کھولنے لگا اور وہ بے دھڑک ہو کر ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے بڑھا۔ چونکہ جنگ شروع ہوئے
 دیر ہو گئی تھی۔ بہادر بہت تھکے تھے اس لئے انہیں وقت گزرتا معلوم نہ ہوا۔ اس وقت
 دو پہر ڈھل گئی تھا اور آفتاب نصب النہار کو عبور کر کے مغرب کی طرف جھک گیا تھا جنگ اب بھی ہر طرف
 نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ خون آلودہ تلواریں اور کھانڈے خون برساتے اٹھ رہے تھے
 سرفروش نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ سعید ہاتھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ایک پہلو میں
 اس سے ذرا فاصلے پر حسن موہ سواروں کے بڑی ہی بے جگری سے لڑ رہا تھا اور دوسری طرف پیکار
 مسلمانوں کا گروہ مصروف پیکار تھا لیکن جنگ ایسے جوش سے ہو رہی تھی کہ ایک دوسرے کی کچھ
 خبر نہ تھی۔ سعید بڑھتے بڑھتے ہاتھیوں کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا گھوڑا خالص عربی تھا اس نے
 کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے وہ ان کالی بلاؤں کو دیکھ کر بھڑکا۔ سعید جنگ میں مشغول تھا اس نے ایک ہاتھ
 علم میں اٹھایا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لئے حملہ کر رہا تھا۔ گھوڑے سے بھڑکتے ہی وہ نیچے
 گر پڑا۔ گرتے ہی اٹھا اور پیدل ہی لڑنے لگا۔ اس نے جلدی جلدی قریب والے ہندوؤں کے
 گھوڑوں کو محروم کر دیا اور مجروح گھوڑے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان صاف ہونے
 لگا مگر ہاتھیوں کا ریلہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ چونکہ پر جوش مجاہد تھا اس لئے ہاتھیوں کا مقابلہ
 کرنے کے لئے مردانہ وار بڑھا۔ جب وہ ہاتھیوں کے بالکل سامنے پہنچ گیا تو ہندوؤں نے
 اس پر حملہ کر دیا وہ ان سے لڑنے لگا اور اس جوش سے لڑا کہ چشم زدن میں اس نے پانچ
 چھ ہندوؤں کو مار ڈالا۔ جب وہ جنگ میں مصروف تھا تو دفعتاً ایک ہاتھی نے اس کے گرد
 سونڈ ڈال دی اور اتنے میں کہ وہ آگاہ ہونے پائے جلدی سے اسے کھینچ کر پاؤں سے مسل ڈالا

اس طرح پہلے محرز اور بعد میں سعید و دوزن شہید ہو گئے اور اب اسلامی علم زمین پر گر گیا۔ ہندوؤں نے جوش نفرت سے علم کو اٹھا کر اس کا پھر پراچاک کرنا چاہا کہ حسن پہنچ گئے ان کے ہمراہ تو آدمی تھے اس نے اور اس کے ہاتھیوں نے نعرہ لگا کر ہاتھیوں سے بچ کر پھر ہندوؤں پر حملہ کر دیا۔ چونکہ اب آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ دن کی روشنی رات کی میں غائب ہونے لگی تھی۔ اس لئے جنگ کا فیصلہ کر ڈالنے کی نیت سے ہندو اور مسلمانوں نے نہایت جوش سے حملہ کر کے خونریز جنگ شروع کر دی۔ ایک فریق دوسرے پر ٹوٹ پڑا اور جنگ نہایت خونخوار سے ہوتے لگی بہادر جلدی جلدی کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ہاتھیوں پیروں سروں اور دھڑوں کے جگہ جگہ ڈھیر لگ گئے۔ لیکن جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا رات ہو گئی۔ اندھیرا پھیل گیا اور جنگ جاری نہ رہ سکنے کی وجہ سے فریقین الگ الگ ہو گئے اور اپنے اپنے لشکر کی طرف ہٹ پڑے۔



تسخیر اسلام

چار ہزار مسلمانوں نے بیس ہزار ہندوؤں کا تمام دن روزہ سے رہ کر مقابلہ کیا اگرچہ ہندوؤں نے پورے جوش سے اور پوری طاقت سے حملے کئے لیکن مسلمان سردسندری کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اور انہوں نے بڑے صبر و استقلال سے ان کے حملوں کو روکا۔

بلکہ اس قدر قتل عام کیا کہ تمام میدان کارزار میں ان کی لاشیں بچھا دیں اگرچہ جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا نہ مسلمانوں کو فتح ہوئی نہ ہندوؤں کو لیکن فریقین کا نقصان زیادہ ہوا۔ ہندوؤں کے تو آدمی زیادہ مارے گئے۔ اور مسلمانوں کے کئی افسر شہید ہو گئے جب رات ہونے کی وجہ سے لشکر واپس لوٹے تو ہندوؤں کی سات ہزار لاشیں میدان کارزار میں پڑی رہ گئیں مسلمان بھی دو تلو کے قریب شہید ہوئے لیکن دو افسر ایک محرز اور دوسرے سعیدیر دونوں بڑے بہادر اور شیر دل تھے دونوں ہی شہید ہو گئے جب محمد قاسم کو ان جانبازا افسروں کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی تو اسے بڑا افسوس ہوا اور اس نے جوش و غم کی حالت میں قسم کھائی کہ جب تک داہر کو قتل کر کے ان دونوں کا انتقام نہ لے لوں گا اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ تمام رات مسلمان قرآن مجید پڑھتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے۔ صبح کے وقت انہوں نے نماز پڑھی اور صلح ہو کر میدان کارزار کی طرف چلے ان کا خیال تھا کہ آج بھی ہندو جنگ کے لئے نکلیں گے مگر وہ تیار نہ ہوئے۔

ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے تقریباً سوا میل دور تھا مسلمان میدان کارزار میں کھڑے رہ کر ہندوؤں کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ہندوؤں کی طرف سے چند آدمی آئے ہوئے نظر آئے۔ مسلمانوں کو خیال ہوا کہ شاید وہ صلح کے لئے آ رہے ہیں۔ محمد قاسم نے کہا ان کا اندازہ تو یہی بتا رہا ہے۔ مگر ابھی تو ان کا بے شمار لشکر موجود ہے۔ ابھی وہ صلح نہ کریں گے اور اگر صلح ہی کے ارادہ سے آئے ہیں تو میں مجبور ہوں کیونکہ رات میں نے غم اور غصہ کی حالت میں قسم کھائی ہے کہ داہر کو

قتل کر کے رہوں گا۔ اسلام نے کہا۔ لیکن آپ کو قسم نہ کھانا چاہیے تھی۔

محمد قاسم۔ یہ بیج ہے مگر اب توجہ ہونا تھا ہو گیا!

اب ہندوان کے قریب آگئے تھے ان میں سے ایک آدمی نے بڑھ کر کہا ہم آپ کے مردوں سے

کچھ کتنا چاہتے ہیں۔

محمد قاسم۔ کہو!

وہی شخص۔ ہمارا جہ دہریرہ چاہتے ہیں کہ آج جنگ ملتوی کر دی جائے اور اپنے اپنے مردوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

بات معقول اور مناسب تھی کیونکہ میدان جنگ تمام لاشوں سے تیار پڑا تھا۔ محمد قاسم نے کہا منظور ہے

صرف آج کے لئے التوائے جنگ کیا جاتا ہے۔

وہی شخص۔ مگر حضور مردوں سے زیادہ ہیں اور شاید سارے دن میں بھی ٹھکانے نہ لگائے

جاسکیں۔

محمد قاسم۔ تب کیا ہوا۔

وہی شخص۔ دو دن کے لئے جنگ ملتوی کر دیجئے۔

محمد قاسم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کو کسی لشکر کے آنے کا انتظار ہے۔

وہی شخص حضور اب لشکر کرن بھیجے گا۔ ہمارا ج خود یہاں موجود ہیں۔

محمد قاسم۔ اچھا دو دن کے التوائے جنگ منظور ہے۔

ہندو واپس چلے گئے۔ محمد قاسم نے بھی لشکر کو واپس جانے اور ان میں سے پانصد آدمیوں کو آکر

شہداء کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام لشکر واپس لوٹ گیا اور پانصد سپاہی اسلحہ اتار کر صرف

ایک ایک تلوار لے کر آگئے اور میدان کارزار میں پھیل کر مردوں کو اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے۔

مسلمانوں نے عصر کے وقت تک سارے میدان کا چہرہ چہرہ دیکھ دیکھ کر شہیدوں کو جمع کیا ان کی نماز

جنازہ پڑھی اور گہرے گڑھے کھود کھود کر دفن کر دیا۔ ہندو لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لے جاتے اور چتا

پر رکھ کر جلاتے۔ چونکہ تقریباً سات ہزار لاشیں تھیں اس لئے ایک دن میں نہ جلائی جاسکیں آدمی

رات تک اس روز جلاتے رہے اور دوسرے دن بھی دن نکلے ہی سینکڑوں چتاں بن جائیں تاکہ

مردوں کو جلا کر شروع کر دیا آج مسلمان آرام کرتے رہے مگر یہ نہیں کہ بیٹھے یا پڑھے رہے بلکہ

ہتھیاروں کو صاف کرتے رہے۔

مغرب کے بعد جب وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ لشکر کے شمالی جانب کچھ شور ہوا۔
 ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے مشرق کی طرف پڑا ہوا تھا۔ چاند نکل آیا تھا اور
 چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ محمد قاسم اپنے خیمہ کے سامنے فرش پر بیٹھا تھا وہ شور سن کر چونکا اور اس نے
 اپنے غلام ساتی کو آواز دی۔ ساتی کھانا تیار کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس آیا۔ محمد قاسم نے کہا۔ ذرا
 جلدی جا کر پتہ لگاؤ کہ یہ کیسا شور ہو رہا ہے۔ بہت اچھا کہہ کر ساتی چلا گیا اور ٹھوڑی دیر کے
 بعد پھر واپس آیا۔ چونکہ محمد قاسم مضطرب ہو رہا تھا اس لئے اس نے فریاد کی کہ کو کیا معاملہ ہے
 ساتی نے کہا کچھ ہندو آپ کی خدمت میں باریاب ہونا چاہتے ہیں۔

محمد قاسم اچھا تم ذرا اس طرف اور فرش کرادو!

ساتی نے جلدی سے خیمہ کے اندر فرش بچھا دیا۔ جب وہ فرش بچھا کر فارغ ہوا تو تقریباً پچاس
 ہندو مسلمانوں کے ہمراہ آئے۔ انہوں نے آتے ہی محمد قاسم کو سلام کیا۔ محمد قاسم نے ان کا استقبال
 کیا اور انہیں نہایت عزت سے بٹھایا جب وہ بیٹھ گئے تب محمد قاسم نے کہا کہیئے کیسے تشریف
 لائے۔

ان میں سے ایک ہندو نے کہا۔ جو کہ چند بار پہنے ہوئے تھا ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ
 کے بھائی بن جائیں۔ محمد قاسم نے خوش ہو کر کہا نہایت مسرت خیز بات ہے آپ کا کیا نام ہے
 ہندو نے جواب دیا میرا نام کس کہ ہے میں قبیلہ دارکار بننے والا ہوں۔ یہ قبیلہ میں نے ہی بسایا
 ہے۔ یہ لوگ میری ہی دعایا ہیں۔

محمد قاسم۔ اور یہ سب ہمارے بھائی بننا چاہتے ہیں۔

کسکہ۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ بہتر ہے۔

کسکہ۔ اچھا تو آپ ہمیں مسلمان کر لیں۔

محمد قاسم نے کلمہ پڑھا پڑھا کر ان سب کو مسلمان کر لیا۔ چونکہ اس عرصہ میں بہت سے مسلمان
 جمع ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ اب محمد قاسم نے کہا
 مذہب اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا بھائی
 بن جاتا ہے اب تم ہمارے وائسرائے حجاج اور اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین ولید کے بھائی
 بن گئے ہو اب جو خدمت تم ہم سے لینا چاہتے ہو کہو ہم تمہاری خدمت کریں

کسکے۔ ہم اپنی خدمت کو دانا نہیں چاہتے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے کو تیار ہیں۔

محمد قاسم۔ جزاک اللہ کیا آپ ایک بات بتادیں گے۔

کسکے۔ ضرور

محمد قاسم۔ کس بات نے آپ کو مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔

کسکے۔ واہر کے مظالم نے وہ مغرور بھی ہے اور ظالم بھی اس کے حکم سے اس کے لشکر نے ہمارے قصبہ میں پہنچ کر ہمارے تمام غلہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہر چند ان کو منع کیا لیکن وہ نہ مانے میں واہر کے پاس گیا اور ان سے شکایت کیں۔ واہر نے کہا ہم یہاں لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ کیا تم لشکر کے لئے رسد بھی نہیں دے سکتے۔ میں نے کہا جس قدر غلہ قصبہ والوں کی ضرورت سے زیادہ ہو وہ لے لیا جائے۔ اس نے نہ مانا اور مجھے نکلوا دیا یہ میری زبردستی توہین تھی۔ غم غیرت سے میں اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اور میرے دل نے کہا کہ اس مذہب ہی کو چھوڑ دینا چاہیے۔ جس کے پرستار ظالم بن گئے تھے۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

محمد قاسم۔ بس خدا نے تم کو ہدایت دینا تھا اس نے یہ ہمانہ بنا دیا۔

کسکے۔ یہی بات ہے اب میں واہر سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔

محمد قاسم۔ اس نے دو دن کے لئے التوائے جنگ کی درخواست کی تھی۔ آج دوسرا

دن ہے۔ کل انشاء اللہ جنگ ہوگی۔ تم ہمارے ساتھ رہ کر اس سے اور اس کے لشکر سے اپنا انتقام لے لینا۔

کسکے۔ نہایت مناسب لیکن آپ اگر مناسب سمجھیں تو کچھ لشکر میرے ساتھ کر

دیں اور میں رات کی تاریکی میں اس لشکر کو لے کر واہر کے پشت کی طرف پہنچ جاؤں۔ صبح

جب جنگ شروع ہو تو میں اس طرف سے اچانک حملہ کر دوں۔

محمد قاسم۔ رائے تو تمہاری معقول ہے اچھا کس قدر تمہارے ساتھ کر دیا جائے۔

کسکے۔ کم سے کم ایک ہزار

محمد قاسم۔ بہت اچھا۔

اس نے اسی وقت مردان بن اسلم یعنی اور تمیم بن زید حبشی کو ہدایت کر دی کہ فوراً

کھانا کھا کر ایک ہزار لشکرے کرکیمپ سے باہر شمال کی طرف کھڑے ہو جائیں دونوں افسر
 سلام کر کے چلے گئے۔ محمد قاسم نے ان تمام ہندوؤں کو جو کہ مسلمان ہو چکے تھے کھانا کھلوا دیا اور
 عشا کی نماز کے بعد انہیں ہمراہ لے کر شمال کی طرف پہنچا۔ یہاں مروان تیمم ایک ہزار لشکرے
 کھڑے تھے محمد قاسم نے کہا۔ اسلامی شیروں اپنے بھائیوں کے ہمراہ جاؤ۔ جو بھی یہ کہیں
 اور جس طرح سے یہ کریں اسی طرح کرو گویا تم پر اب ان کی اطاعت فرض ہے جاؤ تم کو خدا کے
 پیرو کیا۔ کسکھ اور تمام ہندو یہ بات سن کر نہایت خوش ہوئے اور وہ اسلامی لشکر کے ساتھ شمال
 کی طرف روانہ ہو گئے۔



مغزور راجہ کا انجام

دوسرے دن آفتاب طلوع ہوتے ہی راجہ داہرنے لشکر کو تیار ہو کر میدان کارزار میں پہنچنے کا حکم دیا۔ چنانچہ لشکر مسلح ہو ہو کر میدان کارزار میں جا کر صف بستہ ہونے لگا۔ مسلمان بھی صبح کی نماز پڑھتے ہی تیار ہو ہو کر میدان میں آئے اور صفیں مرتب کرنے لگے۔ راجہ داہرنے چند ایک نجویوں کو بلا کر کہا۔ آج میں خود لڑنا چاہتا ہوں تم جو لشکر اور نجوم کے ذریعہ سے یہ دیکھو کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی یا میری؟

جو تشریحوں نے پوتھیاں کھول کھول کر حساب لگانا شروع کر دیا۔ کئی دفعہ حساب لگایا۔ آپس میں سرگوشیاں کیں اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ داہرنے دریافت کیا کہ بتاؤ تمہارے علم نے کیا ایک جو تشریحی نے کہا حضور مناسب یہ ہے کہ آپ اس بات کو دریافت ہی نہ کریں اور دیوتاؤں کا نام لے کر لڑائی کے لئے تشریح لے جاویں۔

داہرہ نہیں میں بغیر دریافت کئے نہ جاؤں گا تم ایک مرتبہ اور حساب لگاؤ اور پھر مجھے بتاؤ۔ جو تشریحوں نے پھر پوتھیاں دیکھیں پھر حساب لگائے پھر سرگوشیاں کیں اور پھر چپ ہو گئے۔ داہرہ کو غصہ آیا اور اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم خاموش کیوں ہو جاتے ہو یوں تو تمہارا علم کیا کہتا ہے۔

ایک جو تشریحی نے کہا۔ ہمارا ج زہرہ آپ کے سامنے ہے اور عربوں کے پیچھے!

داہرہ پھر اس کا کیا مطلب ہے۔

جو تشریحی۔ حضور اس کا یہ اثر ہے کہ زہرہ جس کے پشت ہوتا ہے فتح اس کی ہوتی ہے۔

داہرہ۔ گویا عربوں کی فتح ہوگی!

جو تشریحی۔ جی ہاں ہمارا علم ہی بتاتا ہے۔

داہرے ناراض ہو کر کہا۔ بڑبختی یہی کہنا چاہئے تھا تمہیں جو تھیوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ان
 داتا ہم تو پہلے ہی سے کچھ نہ کہتے تھے۔

داہر۔ اور کہی تو ایسی بڑبختی کی بات۔ اچھا میں تم سب کو قتل کرائے دیتا ہوں۔
 تمام جو تھی کانپ گئے لیکن ایک بڑھے نے کہا مہاراج اس کا ایک ہی بدل ہے۔
 داہر۔ کیا؟

بڑھا۔ آپ ایک سونے کا زہرہ بنا کر فتراک میں لٹکائیجئے اس طرح آپ کے پیچھے
 ایک پیکر زرد ہونے کی وجہ سے اصلی زہرہ کا اثر جاتا رہے گا۔

داہرے خوش ہو کر کہا۔ خوب تدبیر بتائی تم نے۔ تم نہایت ہی قابل آدمی ہو۔ اس نے
 جلدی سے زہرہ کی تصویر سونے کی بنائی اور فتراک پر آویزاں کر لی اب وہ خیمہ سے باہر نکل کر
 ایک ہاتھی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھی پر عماری کشیدہ تھی اس نے دو خوب صورت داسیوں کو اپنے ساتھ
 سوار کرایا۔ کمان ہاتھ میں اور ترکش عماری میں رکھ لئے۔ قیلبان نے ہاتھی کو بڑھایا اور لشکر کے
 زینج ہاتھیوں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے لشکر میں پہنچتے ہی نقارہ پر چوٹ پڑی گھنٹے
 گھڑیاں سنکھ قرنا۔ بوق اور دوسری اشیا مذور زور سے بجائی جانے لگیں تھیں۔

ہندوؤں نے جیکارے لگا لگا کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر
 محمد قاسم نے تین نعرے لگائے تیسرے نعرہ کی تکرار تمام لشکر نے کی۔ اس پر زور نعرہ کی آواز
 میں ہندوؤں کے تمام باجوں اور جیکادوں کی آوازیں گم ہو کر رہ گئیں۔ آج ۱۰ رمضان ۹۳ھ کا دن
 تھا۔ تمام مسلمان روزہ سے تھے اور چونکہ راجہ داہر نے اپنے تمام لشکر کے ساتھ حملہ کیا تھا اس
 لئے تمام مسلمان بھی میدان کارزار میں پہنچ گئے تھے۔ سیمینہ پر اسلم۔ ذکوان۔ بدر جبال اور بیسہ
 پر حسن۔ عبدالرحمن۔ عجل اور ساقہ پر مجاشع اور سفیان الابرک اور طللا بیہر پر خیریم۔ بنانہ۔ عبدالقیس
 اور قلب میں محمد قاسم اور حمید مقرر ہوئے محمد قاسم اپنے تمام لشکر کی پانچ صفیں کر کے بہ صفا کو
 دور تک پھیلا رہا تھا۔ یہاں تک کہ سیمینہ والوں کو بیسہ والے نظر نہ آتے تھے۔

ہندوؤں کے بڑھتے ہی مسلمانوں نے بڑھنا شروع کیا اور دونوں فریق کمال جوش میں بھرے
 ہوئے تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے جس وقت انہوں نے بڑھنا شروع کیا تھا۔
 اس وقت دونوں لشکروں میں اتنا فاصلہ تھا کہ اگر وہ چاہتے تو تیروں سے جنگ کر سکتے
 تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیروں کی لڑائی لڑ کر تیسری اوقات نہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ

جب بڑھ کر دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ تب ہندوؤں نے کھانڈے اور مسلمانوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا لشکر آٹھ ہزار تھا اور داہر چالیس ہزار لشکر لایا تھا۔ جس میں سے سات ہزار ہندو مارے جا چکے تھے اور تینتیس ہزار باقی تھے۔ آج داہر نے تینتیس ہزار لشکر سے آٹھ ہزار مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ چاہتا کہ اس عظیم الشان لشکر سے کبھی بھڑے مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے۔ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے جس وقت بڑھ کر دونوں لشکر لگرائے اور تلواریں اور کھانڈے اٹھا کر قتل اور خونریزی کے لئے بھلے اور سیاہ ڈھالیں اٹھیں جن سے نہایت ہیبت ناک منظر نظر آنے لگا۔ حسب معمول ہندوؤں نے شور و غل کر کے حملے کو شروع کر دئے۔ مسلمان سر جھکا کر قبضہ اور سکوت سے ہندوؤں کو اس طرح قتل کرنے لگے۔ جس طرح کسان گھیتی کاٹا کرتے ہیں۔ خونریز جنگ شروع ہو گئی تھی۔ طلائیہ کی صفیں پیچھے ہٹ کر قلب سے جا ملی تھیں اور مہمند و مسیرہ ہلالی صورت سے بڑھ کر قلب کے محاذ میں پہنچ گئے تھے آج مسلمانوں نے اپنی صفیں نہ ٹوٹنے دیں وہ ایک جہتی سے حملے کرتے تھے۔ تلواریں جلد جلا اٹھ کر انسانوں کا خاتمہ کر رہی تھیں۔ ہاتھ پیر پیر اور دھڑکٹ کٹ مار کر رہے تھے کبھی کبھی تلواریں بھی اچھل اچھل کر گر پڑتی تھیں لاشوں کے ڈھیر لگتے چلے جا رہے تھے۔ خون پانی کی طرح سے بہ رہا تھا۔ ہندو جیکارے لگا رہے تھے شور مچا رہے تھے زخمی چلا رہے تھے۔ ان آوازوں سے میدان کارزار گونج رہا تھا۔

جوں جوں جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی لوگ قتل ہوتے جاتے تھے اور لوگوں کے سینوں میں جوش و غضب کا دریا امداد آ رہا تھا۔ نہایت تو نفسان جنگ ہو رہی تھی۔ خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی کوئی نہ جانتا تھا کہ کب اس پر کھانڈا پڑے اور کب اس کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر خوف زدہ کوئی بھی نہ تھا ہر شخص بڑی سی خوفی سے لڑ رہا تھا۔ ہندوؤں کو تو اپنی کثرت پر زخم تھا۔ وہ نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے شور کر کے میدان کارزار کو عرصہ شہر بنائے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو خدا پر اعتماد تھا اور وہ اسی کے بھروسہ پر سر جھکا کر نہایت خاموشی اور بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے۔ وہ صفوں کی صفیں الٹ دیتے تھے کھیرے کھاکھڑی کی طرح ہندوؤں کو کاٹ رہے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ہندو جس قدر زیادہ تھے اسی قدر زیادہ مر رہے تھے بلکہ مرتے میں بھی کچھ جلدی کر رہے تھے اور جو کوئی ایک دفعہ زخمی ہو کر پڑتا تھا۔ اسے دوبارہ

اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسللا جاتا تھا۔ مسلمان کم تھے اور کم ہی مر رہے تھے بڑی مشکل سے دوچار مسلمان شہید ہو جاتے تھے۔ وہ بھی پچاس ساٹھ ہندوؤں کو قتل کر کے ہندوؤں کو خیال نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ مسلمانوں کو بہت جلد ختم کر کے فتح کا نعروں لگائیں گے لیکن جب لڑائی نے طول کھینچا تب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان کچھ تر ڈال رہے ہیں کہ انہیں آسانی سے نکلا جاسکے۔ رفتہ رفتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور ایک فریق دوسرے فریق کی صفوں میں گھس گیا اب گھسانا کی لڑائی ہونے لگی اور قریب قریب ہر آدمی تک لڑائی کے شعلے پہنچنے لگے۔ چونکہ میدان کا زرار نہایت طویل و عریض تھا اس لئے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ تلواریں اٹھتی اور سرگینوں کی طرح اچھلتے نظر آتے تھے۔ ہندو پورے جوش سے لڑ رہے تھے ان کے چوڑے چوڑے کھانڈے نہایت تیزی سے چل رہے تھے اور وہ اپنی پوری طاقت سے حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف بکھرے ہوئے کمال دلیری سے لڑ رہے تھے لیکن ان کی جرات اور ان کا جوش کچھ بھی کام نہ دے رہے تھے۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ مسلمان انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیتے تھے اور وہ کچھ قتل ہو جاتے تھے۔ کچھ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ پیچھے ہٹ کر جب ان کے حواس درست ہوتے تھے۔ تب پھر جوش میں آکر حملہ کرتے تھے اور پھر ان کا پہلے ہی ساحت ہوتا تھا۔ انہیں اس بات پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ مسلمان مار تو رہے تھے اور خود نہ مر رہے تھے یا اگر مرتے تھے تو اس قدر کم کہ مرتے ہوئے بھی معلوم نہ ہوتے تھے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمان کچھ ایسے جوش سے لڑ رہے تھے۔ جس گروہ جس غول اور جس صف پر حملہ کرتے تھے اس کا خاتمہ ہی کر کے چھوڑتے تھے اور جب ان پر حملہ کیا جاتا تھا تو شیروں کی طرح رک کر حملہ آوروں کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا اور قتل و خونریزی کرتے صفیں الٹتے۔ راجہ داہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اس وقت ہر ہندو نہایت ہی جوش سے لڑ رہا تھا اور مسلمانوں کو روکنے اور قتل کر ڈالنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ مگر مسلمان ایسے جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ انہیں قتل کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے گویا انہوں نے تہیہ کر لیا تھا۔ کہ وہ ایک مشترک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے دوپہر سے پہلے ہی پہلے انہوں نے تقریباً پندرہ ہزار ہندوؤں کو قتل کر ڈالا تھا۔ جنگ کے شعلے اس قدر بلند ہو رہے تھے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس کی لپٹ میں آکر اپنی اپنی ہستیاں کو بھول چکے تھے۔ یوں تو ہر مسلمان بڑے

جوش سے لڑ رہا تھا۔ مگر ہر دستہ کا سردار کمال بیچ گری سے جنگ کر رہا تھا۔ خصوصاً اسلم جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو مار ڈالتا تھا۔ بد حال اگرچہ اسی جوش سے لڑ رہا تھا۔ جس جوش سے اسلم لڑ رہا تھا۔ مگر وہ نازک تھا اور نزاکت کی وجہ سے جلد جلد حملے نہ کر سکتا تھا۔ تاہم مقدور بھر جنگ کر رہا تھا۔ مگر وہ زیادہ تر اسلم کی حفاظت میں مصروف تھا۔ جب اسلم بڑھ کر حملہ کرتا تھا تو اس کے پیچھے دوڑتا تھا اور جب کوئی ہندو اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا تو وہ اسے قتل کر ڈالتا تھا۔

محمد قاسم بہت ہی جوش سے بھر کر لڑ رہا تھا۔ وہ گھوڑا بڑھا کر کبھی اس طرف کبھی سامنے حملہ کرتا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو سواروں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ وہ جوان تھا تو جوان نہیں بلکہ کم سن اس کا بھروسہ جوش شجاعت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بڑی پھرتی اور بڑی دلیری سے حملے کر رہا تھا اس کی تلوار جس کے سر پر پڑتی تھی۔ سر سے سینے تک چیرتی اتر جاتی تھی۔ چونکہ صبح سے لڑتے لڑتے یہ وقت آ گیا تھا اور لڑائی میں مشقت زیادہ کرنا پڑتی ہے اس لئے اسے پیاس معلوم ہونے لگی۔ اس قدر خشکی بڑھی کہ لبوں پر سپریاں جم گئیں اس کے قریب ہی اس کا غلام ساتی بھی لڑ رہا تھا۔ ایک دفعہ جب محمد قاسم غلام کے قریب پہنچا تو اس نے کہا۔ ساتی پانی پلاؤ۔ ساتی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ یا سیدی آپ کا روزہ ہے۔

محمد قاسم کو یوں ہی نہ تھا کہ رمضان شریف کا ہینہ ہے اور وہ اور تمام مسلمان روزہ سے ہیں۔ اس نے کہا۔ بخدا مجھے خیال نہ رہا تھا۔ خدا معاف کرے کہ میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت پانی مانگا۔ یہ کہہ کر وہ پھر جنگ میں مشغول ہو گیا۔ اگر ہم ہر سردار کی جنگ کا مفضل حال لکھیں تو نہایت ضخیم کتاب ہو جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہر مجاہد سپاہی ہر سردار غرض کہ ہر مسلمان نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ جب کہ آتش جنگ نہایت تیزی سے بھڑک رہی تھی اور ہر آدمی مصروف جنگ تھا۔ دفعتاً ہندوؤں کی پشت کی طرف سے اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز آئی۔ ہندو اس آواز کو سن کر چونک پڑے اور پیچھے پھر کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے کہا مسلمانوں کا کچھ لشکر ان کے پشت کی طرف سے حملہ آور ہوا ہے اور اس نے آئے ہی نہایت شد و مد سے حملہ کر دیا۔ اتنے میں کہ ہندو ہوشیار ہو کر معاملہ کی نوعیت سمجھیں ان کی کثیر تعداد نئے آنے والے مسلمانوں نے قتل کر ڈالی۔ مسلمان اللہ اکبر کی آواز سن کر ہی سمجھ گئے تھے کہ سردان اور تمیم نے ہندوؤں کی پشت کی طرف سے حملہ کر دیا ہے اب ان

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا غلغلہ انداز نعرہ لگایا اور سنبھل کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ اب ہندو دو پاٹوں کے درمیان لگے ایک طرف ان پر آگے کی طرف سے حملہ کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف پشت کی جانب سے اور دونوں ہی طرف پر جوش غازیوں نے انہیں اس شد و مد سے نیز بہت بُری طرح سے قتل کرنا شروع کیا۔ کہ صرف دو ہی گھنٹے میں قریباً تمام لشکر کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک ہزار سوار راہبہ داہر کے ہاتھی کے گرد کھڑے رہ گئے۔ اب مسلمانوں نے راہبہ کے ان باڈی گاڈ (محافظ رسالہ) پر حملہ کر دیا جو راہبہ کے چاروں طرف کھڑا تھا۔ مغرور و متکبر راہبہ نے اپنے تمام لشکر کو قتل کرتے ہوئے دیکھا۔

جب وہ میدان کارزار میں نکلا تھا تو مسلمانوں کو تھوڑا سمجھ کر خیال کر رہا تھا کہ ان کا بے شمار لشکر انہیں فنا کر دے گا۔ لیکن اب جبکہ اس کا تمام لشکر موت کی آغوش میں میٹھی نیند سو گیا تو حسرت و افسوس سے جس تس کا منہ دیکھنے لگا۔ اسی دوران میں مسلمانوں نے اس کے خاص رسالہ پر حملہ کر دیا۔ اب بجائے حسرت اور افسوس کے اس کے چہرہ سے غم اور خون کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس نے کمان ہاتھ میں لی اور داسیوں سے تیرے کر چلانے لگا۔ داسیاں تیر دیتی جاتی تھیں اور وہ کمان میں رکھ کر چلا جا رہا تھا۔ چونکہ وہ ہاتھی پر تھا اور مسلمان گھوڑوں پر اس لئے اس کے تیر مسلمانوں کو مجروح کر رہے تھے۔ چند مسلمان روغن لفظ لئے اس واسطے کھڑے تھے کہ جب ہاتھی مسلمانوں پر حملہ کریں گے تو وہ لفظ زنی کر کے ہاتھیوں کے ہودوں اور عاریوں میں آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔ ابھی تک ہاتھیوں نے حملہ نہ کیا تھا بلکہ یہ سمجھے کہ ہندوؤں میں ہاتھیوں کو مسلمانوں پر ریلینے کا ہوش ہی نہ تھا وہ لڑا کر قتل ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک لفظ زنی نے تاک کر تیل پھینکا جو خاص داہر کی عماری پر پڑا۔ اس تیل کا خاصا تھا کہ جب وہ کسی چیز پر جا کر پڑتا تو ہوا لگتے ہی اس میں آگ لگ جاتی۔ چنانچہ عماری پر پڑتے ہی آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور عماری جلنے لگی۔ داسیاں چیخنے چلانے لگیں۔ داہر پریشان ہو گیا اور ہاتھی خون زدہ ہو کر بھاگا اس ایک ہاتھی کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی اس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے اور ان ہاتھیوں کی فوج نے اس طرف کے تمام سواروں کو کچل ڈالا۔ جس طرف وہ دوڑ گئے ادھر مسلمانوں نے نہایت زور شور سے حملہ کر کے باقی ماندہ سواروں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ داہر کا ہاتھی بے تماشاً لپکا جا رہا تھا۔ جوں جوں وہ چھپتا تھا عماری میں شعلے اور بھی تیزی سے بھڑکتے تھے داہر نے جلدی سے فیلبان

کو کہا کہ ہاتھی کو زندی ہیں ڈال دو۔ داہر کا لشکر دریائے داد ہادہ کے کنارے پر مقیم تھا فیلیان نے ہاتھی کو دریا کی طرف دھکیلا۔ مگر ہاتھی سخت خوف زدہ ہو رہا تھا اور ان کس کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ پھر بھی فیلیان جوں توں کر کے اسے دریا کے پاس لے گیا اور اس کو دریا میں ڈال دیا۔ اس عرصے میں دونوں داسیاں بے ہوش ہو چکی تھیں اور داہر سخت پریشان تھا۔ وہ غم اور خوف بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے بھاگتے ہوئے دیکھ کر محمد اسلم۔ بدر جمال اور چند اور ہر فروش مسلمان ہاتھی کے پیچھے دوڑ پڑے۔ ہاتھی کو پانی میں بھی آرام نہ آیا اور گھبرا کر پانی سے باہر نکلا۔

اسی وقت اسلم اور اس کے ہمراہی وہاں پہنچ گئے۔ چونکہ غمادی کے اوپر کا حصہ جل چکا تھا اس لئے راجہ صاف طور پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسلم نے جلدی سے کمان ہاتھ میں لے کر ترش سے تیز کالا اور کمان میں جوڑ کر پوری طاقت سے چلہ کھینچ کر تیر چھوڑا۔ تیر سنسنا ہوا فضا کو چیرتا ہوا داہر کے سینے میں جا کر ترازو ہو گیا۔ دہرائے ایک خوفناک چیخ ماری اور ہاتھی سے پیچھے گرا۔ اس کے گرتے ہی بدر جمال اپنے گھوڑے سے کودا اس کے پاس پہنچا دیکھا تو داہرائے کی سعی کر رہا تھا۔ بدر جمال نے تلوار کھینچ لی۔ داہر نے اس کی طرف نصرت بھری نظر دیا سے دیکھ کر کہا۔ آہ ایک عظیم الشان راجہ کا انجام بدر جمال نے فوراً تلوار بلند کی اور اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا۔ تلوار داہر کی گردن پر پڑی سرکٹ کر دوڑ جا گرا۔ اسلم اور تمام مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اب انہوں نے ہاتھی کو قابو میں کر کے داسیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت داسیوں کو ہوش آ گیا تھا۔ انہیں گرفتار کر کے یہ لوگ واپس ہوئے۔ جب میدان جنگ میں پہنچے تو دیکھا کہ تمام ہندو مار ڈالے جا چکے ہیں۔ ظلم و جور کے پیکروں کا خاتمہ ہو چکا ہے اور مسلمان ان کے کیمپ کی طرف اسے تاراج کرنے کے لئے بڑھ رہے ہیں انہوں نے بھی گھوڑوں کے ایڑ لگائی اور مسلمانوں کے ساتھ کیمپ کی طرف چل دیئے یہ تھی وہ خونریز جنگ جس نے ہندوؤں کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔



نظارۂ جمال

ظاہر نہایت مغرور و متکبر سفلہ مزاج ظالم اور ضدی و عشرت پسند تھا۔ جس وقت سرانڈیپ سے آئے تو مسلمانوں کو گرفتار کر کے اس کے سامنے دیبل کے دروازہ پر پیش کیا گیا تھا۔ تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور ان میں سے ظاہرہ کو اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ باقیوں کو وہیں قید کرنے کا حکم دے آیا تھا اس کا خیال تھا کہ یہ مسلمان لاوارث ہیں کوئی ان کی نمبر لینی والا اور ان کی بابت اس سے دریافت کرنے ان کے پاس نہ آئے گا لیکن جب خلیفۃ المسلمین ولید کا قاصد آیا تو وہ پیکر غرور اس بات کے زعم میں آگیا کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

چنانچہ اس نے قاصد کو دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے غیر مناسب جواب دے کر خست کر دیا۔ جب اسلامی لشکر ہند پر حملہ آور ہوا تو وہ یہ سن کر کہ ایک نو عمر لڑکا سپہ سالار بن کر آیا۔ اگر گیا اور اس نے صلح پر جنگ کو ترجیح دی دراصل وہ خدا کا قائل نہ تھا۔ اس لئے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ خدا جس نے دنیا کی ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے۔ جو موت اور زندگی پر قادر ہے جو طبیعت سے بہت اور بہت سے نیت کو دیتا ہے جس نے اسے پیدا کر کے سندھ جیسی عظیم الشان حکومت کا راجہ بنایا اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے اس سے حکومت چھین لے اس کا ملک غیروں کے حوالے کر دے اور اسے موت کی آغوش میں میٹھی نیند سلا دے۔ خدا کبھی کسی کو سزا نہیں دیتا۔ جب تک اس کی نافرمانیاں سیاہ کاریاں مظالم مغروریاں حد سے نہ بڑھ جائیں۔ خدا کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے بکار اور ظالم بندوں کو اس لئے ڈھیل دیتا ہے کہ وہ بد عادات چھوڑ کر نیک بن جائیں لیکن جب مغرور اور متکبر انسان پیکر خرد و غرور بن کر زیادہ ہی گمراہی کی طرف جاتا ہے تب قدرت اسے ایک دم اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیتی ہے اور پھر اسے دم مارنے کی بھی مہلت نہیں دیتی۔

چنانچہ واہر کے لئے بہت سے مواقع قدرت نے ایسے دیئے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نیکو کار بن جاتا لیکن اس نے دولت و سلطنت کے نشہ میں پرواہ نہ کی آخر ملک کو تاراج رہا یا کوہِ برباد آبادیوں کو ویران کر گیا اور سب کے بعد خود بھی فخر و غرور کی بھینٹ پر چڑھ گیا۔ عبرت انگیز نگاہوں کے لئے یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ایک عظیم الشان راجہ کا جس کے پاس ہزاروں ہر فروش تھے جس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا۔ جو لاکھوں سپاہی میدانِ کارزار میں لاسکتا تھا۔ جس کا ملک بڑا وسیع تھا۔ جس کے خزانے دولت سے معمور تھے۔ جس کے ماتحت بہت سے راجہ تھے۔ قدرت نے اسے ایک کسن ستر سالہ مجاہد محمد قاسم اور صرف آٹھ ہزار مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے ختم کر دیا۔ طاقت اور دولت کو کٹی چیز نہیں ہے اصل چیز خدا کی رحمت ہے لیکن بادہ پرست دولت اور طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ خدا میں وہ طاقت ہے کہ وہ ایک ادنیٰ شخص کو حکمران اور ایک حکمران کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا سکتا ہے انسان اھلِ خدا کا بندہ وہی ہے کہ جو خدا کو یاد کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے۔

سلطان تینتیس ہزار ہندوؤں کا خاتمہ کر کے ان کا کیمپ لوٹنے کے لئے دوڑے کیمپ میں کچھ خادم۔ کچھ کنیزیں اور رانیاں تھیں۔ کچھ سوار بھی تھے مگر بہت کم زیادہ سے زیادہ پانچ سو ہوں گے۔ بونہی ان سواروں نے مسلمانوں کو دیکھا۔ وہ گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ رانی نامی بھی ان کے ہمراہ بھاگ پڑی اور رانیاں نہ بھاگ سکیں اور وہیں رہ گئیں۔ جب مسلمان کیمپ میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ سیاہ فام لوگ چند عورتوں کو گھیرے کھڑے تھے۔ اتفاق سے محمد قاسم وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا کیا ہنگامہ ہے۔

محمد قاسم کو یہ خیال ہوا کہ شاید وحشی ہندو یہ سمجھ کر کہ راجہ مارا گیا ہے اس کی عورتوں پر دست درازی کر رہے ہیں اکثر تمسکرام اور فدا لوگ ایسا کیا ہی کرتے ہیں۔ محمد قاسم کو عورتوں نے دیکھا ان میں سے ایک نے کہا۔ بچائیے محمد قاسم مجھے بچائیے۔ محمد قاسم اپنا نام سن کر حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت سے مخاطب ہندو عورت کی طرف دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے دل پر ایک تیر سا لگا اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ رانی لادی تھی۔

محمد قاسم اس کی طرف بڑھا ایک سیاہ فام ہندو اس کے پاس کھڑا تھا وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ محمد قاسم نے لادی سے کہا۔ کون؟ رانی لادی! لادی اسے بے نشانشہ دیکھ رہی تھی۔ مگر جب محمد قاسم نے اس سے خطاب کیا تو وہ سنبھلی اور اس نے بٹرا کر ہر جھکاتے ہوئے کہا۔

ہاں بد نصیب لادی -

محمد قاسم - یہ کیا بات ہے۔ یہ ہندو تم کو اور ان عورتوں کو کیوں گھیرے کھڑے ہیں اور

یہ عورتیں کون ہیں -

لا دی - یہ تمام راجہ داہر کی رانیاں ہیں اور یہ ہندو اس لئے ہم سب کے گرد کھڑے ہیں کہ اگر راجہ کے مرتے کی خبر آئے تو یہ ہمیں مار ڈالیں -

محمد قاسم کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا یہ کیوں؟

لا دی - اس لئے کہ راجہ داہر نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اگر ہندوؤں کو شکست ہو

اور میں مارا جاؤں تو تمام رانیوں کو قتل کر ڈالنا۔

محمد قاسم - کس قدر بیرحم اور ظالم تھا۔

اب اس نے اپنی پشت کی طرف دیکھا۔ اس کے پیچھے بہت سے مسلمان کھڑے تھے۔ محمد

قاسم نے ان سے کہا ان تمام بے درد جلادوں کو گرفتار کر لو۔ فوراً ہی مسلمان بڑھے۔ وحشی جلاد

مسلمانوں کو دیکھتے ہی کانپ اٹھے انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ حضور ہم بے قصور ہیں ہم پر

رحم کرو ہمیں مہاراجہ نے ہی یہ حکم دیا تھا۔ محمد قاسم نے بگڑتے ہوئے کہا۔ تم ان مہوم عورتوں

پر رحم نہ کرتے تھے پھر اپنے لئے رحم کی التجا کیوں کرتے ہو؟ سب نے عاجزی سے کہا رحم

کیجئے۔ حضور۔

محمد قاسم۔ اچھا تم پر رحم کیا جاتا ہے اور تم کو گرفتار کر کے خلیفہ کے حضور میں بھیج دیا جائے

گا۔ تمہاری قسمت کا فیصلہ خلیفہ ہی کریں گے۔

چنانچہ مسلمانوں نے تمام ہندوؤں کو اسیر کر لیا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے

کیمپ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ ہزاروں گھوڑے بہت سے ہاتھی سونے چاندی کی چیزیں

موتیوں اور جواہرات کے بیش قیمت زیورات اور مسندیں عرفوں کہ بہت کچھ مال غنیمت ہیں

ہاتھ آیا۔ ان تمام چیزوں پر قبضہ کر کے مسلمان اپنا کیمپ وہیں اٹھالائے۔ اب چونکہ رات

زیادہ آگئی تھی اس لئے مسلمانوں نے نماز پڑھ کر کھانا پکانا شروع کر دیا۔ ہندوؤں کو بھی رسد

دے دی گئی اور انہوں نے اپنی کنبیروں اور رانیوں کے لئے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔ سب

لے یہ تمام واقعہ تاریخ ہند کے صفحہ ۴۴ پر مفصل تحریر ہے اور خود رانی لادی نے بیان کیا ہے۔

نے کھانا تیار ہونے پر کھایا اور عشاء کی نماز پڑھ کر آرام کیا۔

محمد قاسم نے آرام کرنے سے پہلے رانیوں کرنے کے لئے معقول انتظام ان کے حسب منشا کر لیا تھا اس کے حسن انتظام سے تمام رانیاں کینزیں اور ہندو اس کی تعریف کرنے لگے صبح ہوتے ہی محمد قاسم نے مسلمانوں کو شہداء کے جمع کرنے اور کچھ مجاہدین کو گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان تمام میدان کا رزار میں بکھر گئے اور شہداء کو جمع کرنے لگے۔ اس نے ہندوؤں سے کہا کہ وہ بھی اپنے مردوں کو دفن کر دیں یا جلادیں۔ مگر ہندوؤں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ ہندوؤں کی لاشیں اتنی ہیں کہ انہیں نہ دیا جاسکتا ہے اور نہ جلانے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ محمد قاسم ان کے اس جواب سے مجبور ہو گیا۔ البتہ اس نے ہندوؤں کو راجہ داہر کی لاش تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ ظہر کے وقت تک مسلمانوں نے تمام میدان میں گھوم پھر کر شہداء کو جمع کیا سب سے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں دفن دیا۔

اس عظیم الشان مہرکہ میں صرف تین تلو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ عصر کے وقت ایک برہمن جو ہندوؤں کے کاندھے پر راجہ داہر کی لاش ہاتھو اکرا لایا۔ محمد قاسم نے اس صلہ میں ان ہندوؤں کو رجا کر دیا اور برہمن کے تمام خاندان کو جن کا تعداد تین سو تھی چھوڑ دیا۔ عصر کی نماز کے بعد محمد قاسم نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجنے کے لئے علیحدہ کر دیا اور باقی چار حصے تمام مسلمانوں اور نو مسلموں کو جو گزشتہ شب مسلمان ہوئے تھے حسب رسد تقسیم کر دیئے۔ محمد قاسم کی اس کاروائی سے وہ لوگ اس کے بے حد مشکور ہوئے کسکھنے کی کئی مرتبہ اس کا شکر یہ ادا کیا۔ رات کو مسلمانوں نے وہیں قیام کیا اور صبح کی نماز پڑھتے ہی مال غنیمت کا پانچواں حصہ کینزیوں اور گرفتار شدہ ہندوؤں کو کچھ مسلمانوں کے ہمراہ حجاج کی خدمت میں بھیج دیا اور دوپہر سے پہلے ہی پہلے مو تمام لشکر کے اور کی طرف روانہ ہو گیا اس نے رانیوں کو مسلماً اپنے پاس ہی رکھا تھا اور جو فتح نامہ حجاج کے نام لکھا اس میں یہ سب کچھ لکھ دیا۔ نیز راجہ داہر کا سر بھی اپنے ہمراہ ہی لے گیا۔



بدبختی

محمد قاسم معہ اسلامی لشکر کے نہایت شان کے ساتھ اور کی طرف روانہ ہو گیا۔ چونکہ اس نے راجہ داہر کو جے پور میں دریائے واد ہادہ کے کنارہ زبردست ہزیمت دی تھی۔ ہندوؤں کے تمام لشکر کو تہ تیغ کر دیا اور داہر کو مار ڈالا تھا اور سوائے رانی لادی کے اور تمام رانیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس لئے قضائے ہند میں اس کی بیعت چھا گئی تھی۔ ہر راجہ اور ہر ہندو خون و درہشت سے کانپنے لگا تھا۔ آج سب راجہ داہر کو برا کہہ رہے تھے۔ گویا جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تب انہوں نے محسوس کیا کہ راجہ داہر نے سرانڈیپ کے مسلمانوں کو قید کر کے ایک ایسی قوم کو چھیرا دیا۔ جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم بھی نہ کر سکتی تھی۔ بھلا ہندو کیا مقابلہ کرتے اب ہر راجہ اپنی اپنی فکر کرنے لگا۔ ہندو نہ اتفاقاً کھانا سے واقف تھے نہ متحد تھے ان میں ہر شخص علیحدہ بیٹھ کر کھاتا۔ کسی کا بھوٹا پانی پینا تو درکنار بھوٹے برتن میں پانی نہ پی سکتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت کوئی ان کے قریب نہ بیٹھ سکتا تھا۔ بہت سے مذہب تھے اور ہر مذہب میں کئی فرقے تھے پھر ہر فرقہ میں ادتے اور اعلیٰ کی تخصیص تھی اور اس طبقہ کو اچھوت یا شوردرکتے تھے اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں نے اس طبقہ کو بالکل گرا رکھا تھا۔ یہ غریب طبقہ رات دن ان کی خدمت کرتا تھا۔ مشکل سے مشکل کام انجام دیتا تھا۔ جب کہیں سے جاگے موٹا بھوٹا کھانے کو ملتا تھا۔ چونکہ اعلیٰ طبقہ واسے بھی اس وقت کپڑا نہیں پہنتے تھے۔ اس لئے ان بے چاروں کو کپڑا کون دیتا اور وہ کیسے پتتے پھر اس خدام طبقہ کو اس قدر نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور ان سے اس قدر پرہیز کیا جاتا تھا کہ جس طرف سے اعلیٰ طبقہ کا ہندو گزرتا تھا مجال نہ تھی کہ کوئی شور و اچھوت بھی اس راستہ سے گزر سکتا۔

ہندوؤں کی ایک پرانی کتاب منومرتی ہے اس کتاب میں منوجی نے لکھا ہے اور اس میں دوسری مذہبی کتابوں کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ شورو یا اچھوت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس میں اس جگہ سانس لے جہاں کوئی اعلیٰ طبقہ کا ہندو موجود ہو۔ نیز اگر کہیں ویدوں کے منتر بڑھے جا رہے ہوں اور وہاں قسمتی سے کوئی اچھوت آجائے اور اس کے کانوں میں ویدوں کے منتر پڑھائیں تو فوراً سیسٹر گھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جائے۔ یہ اور ایسی قسم کی بہت سی باتیں منومرتی میں تحریر ہیں۔ جس میں ہندوؤں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اچھوتوں کو ذیلی و حقیر سمجھیں نہ اپنے پاس آنے دیں اور نہ ان کے پاس جائیں نہ انہیں اس جگہ سانس لینے دیں۔ جس جگہ عام ہندو ہوں۔ چنانچہ جب سے آریہ ہندوستان میں آئے ہیں اور انہوں نے کول اور ذراؤز کو جنوبی ہند کی طرف دھکیلا تب سے وہ اس خلافت انسانیت کو ساتھ لائے اور آج تک پیچھے سے اچھوت ذلت کی حالت میں ہیں اچھوتوں کو یہ کبھی خیال نہ ہوا کہ اگر وہ ہندو نہیں ہیں تو پھر انہیں کیا بنا چاہیے جس سے وہ انسانوں کی صفیں میں شامل ہو کر انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ عرضہ دراز کے بعد ان کی آنکھیں کھلی ہیں اور انہیں اپنی ذلت اور ہندوؤں کی خود غرضی کا احساس ہوا ہے اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ انہیں کو نسا مذہب اختیار کرنا چاہیے جس سے وہ انسانی حقوق حاصل کر سکیں۔

ان کے بڑے بڑے لیڈر اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ مساوات اسلام میں ہے اور انہیں مسلمان ہو جانا چاہیے اب یہ فرض مسلمانوں کا ہے کہ وہ اس پس ماندہ مظلوم طبقہ کو اسلامی تعلیم سے روشناس کر کے مسلمان بنانے کی سعی کریں غرض کہ ہندو متفق نہ تھے نہ ان میں اتفاق ہوا۔ وہ یہ دیکھنے گئے کہ اگر محمد قاسم الوری کو فتح کر لے تو پھر وہ اس سے صلح کی درخواست کر کے مصالحت کر لیں اسلامی لشکر نہایت شان سے کوچ کر کے الوری کے سامنے جا اترے۔ جے سیاہ داہر کا بیٹا الوری ہی تھا۔ جب اس نے سنا کہ اسلامی لشکر الوری میں آ رہا ہے تو غصہ طریقہ سے وہاں سے برہمن آباد بھاگ گیا رانی لادی اور سیساگر و زبردوں الوری آ گئے تھے اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے فصیل پر لشکر متعین کر دیا تھا۔ جگہ جگہ فصیل پتھروں پر پھول اور پتھروں کے ٹکڑوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے اس وقت بھی الوری میں ہندو ہزارانہ نمودہ کا لشکر موجود تھا اور وہ فصیل کے چاروں طرف پھیل گیا چونکہ فصیل نہایت مضبوط تھی اس لئے ہندوؤں کو یقین تھا کہ محمد قاسم اس قلعہ کو فتح نہ کر سکے گا اور برس چھ مہینے محاصرہ کر کے واپس لوٹ جائے گا اگر وہ اب بھی صلح کی کوشش کرتے تو محمد قاسم نہایت ہی نرم شر الٹی پر صلح کر لیتا

مگر وہ ہمیشہ بے وقوفی کو کر کے جنگ کو ترجیح دیتے رہے۔ راجہ داہر کو لشکر کی کثرت پر غرہ تھا۔ تورانی لادی اور سیساگر وزیر اعظم کو قلعہ کی مضبوطی پر زعم تھا۔ محمد قاسم نے چند ایک افسروں کو ہمراہ لے کر قلعہ کا معائنہ کیا اس اندازہ کر لیا کہ فصیل نہایت مضبوط ہے اول تو ہندو فصیل تک پہنچنے ہی نہ دیں گے اور اگر سرفروشی کر کے پہنچ بھی گئے تو اس کا توڑ ڈالنا آسان نہ ہوگا۔ اس لئے اس نے سزنگ کی کھدائی شروع کرادی لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے قلعہ پر حملہ بھی کیا جاتا۔ اس لئے روزانہ ایک افسر حملہ آور ہوتا تھا اور دن چھپنے تک لڑتا رہتا تھا۔ ایک روز رانی لادی نے محمد قاسم سے کہا کہ اسے قلعہ کے قریب بھیجا جائے وہ ہندوؤں کو دروازہ کھولنے پر آمادہ کرے گی۔

چنانچہ محمد قاسم نے چند سپاہیوں کے ساتھ اسے روانہ کر دیا اور خود بھی بمعہ افسروں کے اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب سے رانی لادی محمد قاسم کے پاس آئی تھی اور اس کے لشکر میں رہنے لگی تھی۔ اس وقت سے محمد قاسم نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ پردہ کرے اور وہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈال کر گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی شہروں کے ساتھ چلی جب وہ بدر جمال کے خیمہ کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے بدر جمال کو خیمہ کے سامنے کھڑے دیکھا وہ رک گئی اور اس نوجوان کو دیکھنے لگی کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی اور پھر بڑھ کر اس کے قریب پہنچی اس نے کہا۔ نوجوان کیا تم طاہرہ کے بھائی ہو؟ بدر جمال نے مسکرا کر کہا۔ نہیں رانی صاحبہ میرے کوئی بہن نہیں ہے۔

لادی۔ مگر تمہاری صورت طاہرہ سے کس قدر ملتی جلتی ہے۔

بدر جمال۔ مگر طاہرہ تو اور میں تھی۔

لادی۔ نہیں اسے سیساگر وزیر اعظم نے رہا کر دیا تھا۔

بدر جمال۔ میں آپ کے پاس حاضر ہو کر اس کے متعلق عرض کروں گا۔

لادی۔ میں مشکور ہوں گی۔

لادی واپس لوٹ کر مواروں کے ہمراہ چلنے لگی اور قلعہ کے سامنے پہنچی وہ اپنی محضوس ہندو آنہ پوشاک پہنے تھی اسے دیکھتے ہی فصیل والے ہندوؤں نے شور مچایا۔ لادی نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ نقاب اٹھا کر ہندوؤں کو منہ دکھائے گی تاکہ وہ اسے پہچان لیں۔ مسلمانوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لئے اب اس نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹا۔ وہ بہت زیادہ

حسین تھی۔ نقاب اٹھاتے ہی اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ اس نے اپنا بھولا چہرہ اور معصوم
 نگاہیں فصیل کی طرف اٹھا کر دیکھا۔ ہندوؤں نے اپنے دیکھتے ہی پہچان لیا انہوں نے اپنے
 خسروں سے رانی لادی کے آنے کی اطلاع کی۔ بہت سے افسر اور رانی مانی برج میں اکھڑے
 ہوئے مانی نے دریافت کیا تم کیوں آئی ہو؟ میں یہ کہنے آئی ہوں کہ فضول خونریزی سے کوئی
 فائدہ نہیں ہے ہماری طاقت تباہ ہو گئی۔ ہزاروں ہندو مارے گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور
 ہزاروں بچے یتیم ہو گئے ہیں میں خود بھی بیوہ ہو گئی ہوں میرے سوامی ہمارا جہ داہر قتل کر ڈالے گئے
 آج مسلمانوں کا اقبال یاد رہے لڑنا بے کار ہے قلعہ ان کے حوالے کر کے امن و عافیت
 حاصل کر لو۔ مانی نے غصہ سے بھر کر کہا۔ لادی تو چندالوں میں پہنچ کر ان کی ہمدرد اور ہندوؤں
 کی دشمن بن گئی ہے شرم کر کیا تجھے یہ زیبا ہے کہ تم اپنی قوم کو بزدلی کا سبق دو۔

لادی۔ نہیں رانی میں رانی ہوں۔ مجھے اپنی قوم سے تم سے زیادہ ملامت ہے اسی وجہ
 سے میں ایسا کہہ رہی ہوں کہ لڑائی بے سود ہے مسلمانوں کا مقابلہ غیر ممکن ہے جب راجہ ہی
 مار ڈالے گئے تو پر جا کیا کرے گی۔

رانی مانی نے غصہ ناک ہو کر کہا قہجوت کھتی ہے راجہ زندہ ہیں اور وہ لشکر فراہم کر

سے ہیں۔

لادی۔ مگر اس کا ہر مسلمان کے پاس موجود ہے اور تم دیکھ سکتی ہو۔

مانی۔ تو جھوٹی ہے مسکار ہے مسلمانوں سے سا بازا کر گئی ہے۔

لادی کو اس کی گفتگو سخت ناگوار گزری۔ محمد قاسم بھی وہاں آ گیا تھا۔ اس نے کہا بہا مانی

تم نے مجھانے کا حق ادا کر دیا۔ ان بد بختوں کے سر پر غرور کا بھوت سوار ہے یہ نہیں مانیں
 گے انہوں نے تمہاری توہین کی ہے۔ انشاء اللہ ان کو ایسی سزا دوں گا کہ دنیا عبرت حاصل
 کرے گی۔

لادی نے شرمندگی کے لہجہ میں کہا خسوس میری قوم نے میری تذلیل کی۔

محمد قاسم۔ یہ عورت شاید تمہاری "سوت" ہے۔

لادی۔ جی ہاں یہی رانی مانی ہے جو بے پور سے بھاگ آئی تھی۔

محمد قاسم۔ شاید راجہ داہر کی بہن ہے۔

لادی۔ جی ہاں بہن بھی ہے اور بیوی بھی ہے۔

لہ یہ تمام گفتگو تاریخ کے صفحہ ۱۵۸ پر تحریر ہے۔ (صادق صدیقی)

محمد قاسم۔ اس لئے اسے غصہ ہے آؤ اب تم اس بد زبان سے بات بھی نہ کرو۔
 لادی نے پھر چہرہ پر نقاب ڈال لیا اور لوٹ کر محمد قاسم کے ساتھ روانہ ہوئی جب
 وہ لوٹی تو ہندوؤں نے شور کر کے اسے بُرا بھلا کہنا شروع کیا جب کہ وہ غل چا کر رانی
 لادی کا منہ کھڑا رہے تھے اسی وقت آواز آئی بد قسمت لوگو! کم ہنسو! سب نے حیران
 ہو ہو کر اس طرف دیکھا۔ جس طرف سے آواز آئی تھی۔



آخری نصیحت

جب رانی ماٹی اور ہندوؤں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو انہیں سیساگر وزیر اعظم آتا ہوا نظر آیا۔
 رانی نے دریافت کیا کیا آپ نے کہا کہ ہم کم ہنسیں!
 سیساگر نے جواب دیا نہیں میں نے نہیں کہا تھا۔

ماٹی۔ پھر کس نے کہا۔

سیساگر میں نہیں کہہ سکتا۔

ماٹی۔ کیا تم نے آواز نہیں سنی۔

سیساگر۔ سنی تھی اور یہی دیکھنے آیا تھا کہ کس نے یہ بات کہی ہے۔

ماٹی نے اپنے گرد کھڑے ہونے والوں سے دریافت کیا کیا آپ میں سے کسی نے

یہ بات کہی ہے؟ سب نے سر جھکا جھکا کر جواب دیا ہماری یہ مجال نہیں ہے۔

ماٹی۔ پھر کس نے کہی؟

پھر آواز آئی میں نے کہی ہے رانی اب سب نے دیکھا۔ برج کی دیوار سے لگی ہوئی

جو گنی کھڑی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے

بال گرد آلود ہو رہے تھے اس کے ایک ہاتھ میں کالی سرچیں اور دوسرے میں جوڑ بویا

کی ہری ہری شاخیں تھیں ان شاخوں میں سے بعض میں کلیاں تھیں بعض میں پھول کھل رہے

تھے اور اکثر میں پھلیاں لگ رہی تھیں ان کا چہرہ غم و حسرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ خشک ہونٹ

پیلے پڑ گئے تھے اور پیشانی غرق آلود تھی سب اسے دیکھتے ہی جھک گئے۔ رانی ماٹی نے

کہا ماتا تم اچھے وقت پر آئیں اس وقت ملک اور قوم کو تمہاری اشد ضرورت ہے۔ جو گنی نے

انسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ انسوس راجہ داہرنے میری بات نہ مانی۔ آخر ہندو جاتی کو تباہ کر دیا۔

مائی - آپ نے مہاراج کو سمجھایا تھا۔

جوگنی - بہت کچھ انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ میں شاید مسلمانوں کی طرف دار ہو گئی ہوں۔

مائی - مگر۔

جوگنی - مگر میں مسلمانوں سے پہلے بھی نفرت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں۔ خیال کرو جو

قوم، ہمارے دیوی دیوتاؤں کی دشمن ہے۔ ہم اس کے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔

مائی - بالکل نہیں۔

جوگنی - چنانچہ میں بھی ان کی دوست نہ تھی؟

مائی - لیکن۔

جوگنی - لیکن میں نے اپنے علم سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اگر جنگ ہوئی تو فتح مسلمانوں

کی ہوگی۔ مائی نے کہا اور تم نے راجہ کو کیا سمجھایا تھا۔

جوگنی - میں نے کہا تھا کہ وہ قیدیوں کو رہا کر دے مسلمانوں سے صلح کرے۔

مائی - لیکن

جوگنی - لیکن انہوں نے نہ مانا تھا اگر وہ میرے کہنے پر عمل کرتے اور سرانڈیپ سے

آنے والے مسلم اسیروں کو چھوڑ دیتے تو ملک پر تباہی نہ آتی۔

مائی - اب کیسے یہ مصیبت دور ہو سکتی ہے۔

جوگنی - مسلمانوں سے صلح کرنے سے

تمام ہندوؤں اور رانی مائی نے تیز نظروں سے جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مسلمانوں سے

صلح کرنے سے؟

جوگنی - ہاں

مائی - مگر ہماری خودداری ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی

جوگنی - تو انجام بھی قریب ہے

مائی - اور وہ انجام کیا ہوگا۔

جوگنی - خوف ناک تباہی۔

سب نے حیرت اور خوف بھری نظروں سے جوگنی کو دیکھا۔ جوگنی نے کہا کیا دیکھتے ہو۔

میرا علم مجھے ہی بتاتا ہے۔

مائی۔ مگر مسلمانوں نے اپنے بھائیوں کو چھڑانے کے لئے ہم پر رحم کیا تھا اور اب انہوں نے تمام قیدیوں کو چھڑا لیا ہے پھر وہ واپس کیوں نہیں چلے جاتے۔

جوگنی۔ ابھی انتقام لینا باقی ہے۔

مائی۔ انتقام کس بات کا

جوگنی۔ بلا وجہ مسلمانوں کو قید کرنے کا۔

مائی۔ جب وہ انتقام لینا چاہتے ہیں تو صلح کیوں کریں گے۔

جوگنی۔ اگر انہیں زرتاوان دے دیا جائے گا تو وہ چلے جائیں گے۔

مائی۔ ورنہ؟

جوگنی۔ ورنہ سارے ہندوستان کو فتح کر لیں گے۔

مائی نے جوش میں آکر کہا یہ اس وقت ہو گا جب ایک ہندو بھی تمام ہندوستان میں

باقی نہ رہے گا۔

جوگنی۔ رانی صاحبہ اس وقت اس سرزمین کے چپے چپے ہندو موجود ہیں اور مسلمانوں

کا قبضہ دیبل، نیروں، سوستان، دریائے مہران، سندھ، اور دریائے وادہادہ کے

درمیانی دو آبہ میں ہے پورا اور اس سے آگے اور تک ہو چکا ہے۔

مائی۔ مگر اب ہندوؤں میں جوش و غضب کا دریا اٹھ آیا اور وہ مسلمانوں کو مٹا ڈالنے

پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

جوگنی۔ وہ بڑول جو جے پور میں چالیس ہزار ہوتے ہوئے صرف آٹھ ہزار مسلمانوں

سے شکست کھا آئے۔ انہیں کیا مٹا ڈالیں گے اور اگر فرض کرو کہ مسلمانوں کے اس لشکر

کو شکست بھی دے دی جائے تو پھر اس سے بڑا لشکر آجائے گا اور وہ سارے ہندوستان

کو اس طرح تاراج کر ڈالے گا جس طرح ہمارے بزرگوں نے کول اور دراور کو برباد

کر کے انہیں شمال سے جنوب کی طرف بھاگا دیا تھا۔

مائی۔ اطمینان رکھو ایسا نہ ہوگا۔

جوگنی نے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہوگا۔

مائی۔ پھر ہم کیا کریں۔

جوگنی۔ صلح۔

مائی - مگر بغیر راجہ کے ہم صلح کیسے کر سکتے ہیں۔

جوگنی - مگر راجہ موجود نہیں ہے۔

مائی - کہاں گئے وہ۔

جوگنی - میں پہلے ہی انہیں ڈھونڈ آئی ہوں میں نے قاف سے لے کر ہمالیہ تک اور ہمالیہ سے لے کر اس کاری تک اور وہاں سے لنکا تک چھان مارا۔ مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ سب حیرت سے جوگنی کو دیکھنے لگے۔ جوگنی نے کہا۔ تم شاید مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو۔

مجھے پہلے ہی اس بات کا خیال تھا اور اس لئے میں جب سراندیپ سے چلی تو میں نے کالی مرچیں اور جوز بویا کی یہ شاخیں لے لی تھیں۔ انہیں دیکھو کیا یہ شاخیں بنز نہیں ہیں۔ کیا انہیں آج ہی میں توڑ کر نہیں لائی۔ کیا میرا چہرہ غبار آلود نہیں ہے اس نے یہ کہتے ہی مرچیں اور جوز بویا کی شاخیں پھینک دیں۔ سب نے دیکھا۔ مائی نے دیکھ کر بلاشبہ تم سچ کہہ رہی ہو مائی لیکن راجہ آخر پھر کہاں ہیں۔

جوگنی - راجہ مارے گئے۔

رانی نے چونک کر غم آلود نظروں سے جوگنی کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد غمگین لہجہ میں کہا۔ میرے پریتم پیارے مارے گئے۔

جوگنی - ہاں مارے گئے اور واد ہادہ کے کنارے پر اور ان کا نہ محمد قاسم کے پاس موجود ہے۔

اتنا سنتے ہی مائی نے دل رز آہ کی اور بے ہوش ہو کر گر گئی۔ سیساگرو وزیر اعظم نے اسے بڑھ کر جلدی سے سنبھالا۔ جوگنی نے کہا مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم لوگ مسلمانوں سے صلح نہ کرو گے اور یہ ملک تباہ ہو کر رہے گا میں اپنے ملک کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی اس لئے آج ہمالیہ کی طرف چلی جاؤں گی اور تمام عمر وہیں رہوں گی ہاں ایک دفعہ اور تمہارا انجام دیکھنے آؤں گی۔

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی اور ہندو حیرت و افسوس بھری نظروں سے بے ہوش رانی مائی کو دیکھنے لگے۔



بدر جمال کا راز

ہم بیان کر چکے ہیں کہ محمد قاسم نے سرنگ کھودنے کا حکم دے دیا تھا اور پرجوش مجاہدین سرنگ کھودنے میں مشغول ہو گئے چونکہ انہوں نے آتے ہی اپنے کیمپ کے سامنے خندق کھود ڈالی تھی اس لئے ہندوؤں کو معلوم ہی نہ ہوا تھا کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ سرنگ کھودنے کا کام نہ تو آسان تھا اور نہ جلد ختم ہونے والا تھا۔ زمین سخت تھی اور شکل سے کھدائی ہوتی پھر سرنگ بھی ایسی کھودی جا رہی تھی جس سے سوائزنگ باسانی گوریٹوں اور چوکھٹوں کی کیمپ قلعہ سے ناسلمے پر پڑا ہوا تھا اس لئے دور تک سرنگ کھود رہی تھی۔ مگر مسلمان ہر غیر ممکن کو ممکن اور ہر دشوار کو سهل بنانے کے عادی تھے اس لئے وہ نہایت استقلال سے کام میں لگے ہوئے تھے اور برابر سرنگ کھود رہے تھے۔ محمد قاسم نے مجاہدین کی آسانی کے لئے یہ حکم دے دیا تھا کہ ایک دن انہیں اپنے سپاہیوں سے سرنگ کھودوانے اور دوسرے دن دوسرا انہیں سپاہیوں سے کام کروانا تھا اور اس طرح سرنگ روز بروز قلعہ کی طرف بڑھی جاتی تھی۔ جوڑی سرنگ سے نکلتی تھی اسے کیمپ کے گرد پتھر بتانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ہندو مسلمانوں کو اس طرح پتھر لگاتے ہوئے دیکھ دیکھ کر کہتے تھے انکا خیال تھا کہ مسلمان اور کے قلعہ کے سامنے کچھ قلعہ بنا کر بیوقوفی کر رہے ہیں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ سرنگ کھودنے والا دستہ سرنگ کھودتا اور باقی لشکر قلعہ پر حملہ آور ہوتا۔ لیکن یہ حملہ صرف ہندوؤں کو مخالفہ میں ڈالنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس حملہ سے حقیقی دباؤ مقصود نہ تھا اور اسی لئے صبح سے شام تک مسلمان فیصل سے فاصلے پر کھڑے ہوئے تیر بڑھاتے رہتے اور ہندو بھی جواب میں تیروں، برچھوں اور سنگریزوں کی بارش کرتے رہتے مطلب یہ تھا کہ اگر مسلمان سرنگ کھودنے میں مصروف رہتے تو اغلب تھا کہ ہندوؤں کو کوئی شبہ گزرتا اور وہ دفعیہ کے لئے کوئی تدبیر اختیار کر لیتے اس لئے برائے نام حملہ بھی کرتے تھے اور سرنگ بھی کھودتے رہتے تھے۔ ایک دن اسلم کے دستہ کا نہر سرنگ کھودنے کا آگیا۔ وہ اپنے دستہ کو لے کر پہنچ گیا اور کھدائی شروع کرادی۔

اس کے دستہ میں بدر جمال بھی مقرر کر دیا گیا اور اس لئے اسلم اور بدر جمال دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے جب زوال کا وقت آگیا تو کام بند کر دیا گیا اور سپاہیوں کو کھانا تیار کر کے کھانے کی اجازت

دے دی گئی۔ تمام سپاہی کام چھوڑ چھوڑ کر چل دیئے سب کے بعد اسلم اور بدر جمال چلے اور اپنے اپنے اپنے خیمہ پر پہنچ گئے۔

بدر جمال کو محمد قاسم نے ایک غلام دے دیا تھا اور وہی اس کا سب کام کرتا تھا۔ کھانا بھی وہی تیار کرتا تھا۔ جب بدر جمال اپنے خیمہ پر پہنچا تو غلام سے معلوم ہو گیا کہ کھانا تیار ہے اس نے کھانا لانے کا حکم دیا اور خیمہ کے اندر چلا گیا۔ غلام کھانا لے کر اندر داخل ہوا اور بدر جمال کے پاس رکھ کر باہر نکل آیا۔ بدر جمال کبھی کسی کے سامنے کھانا نہ کھاتا تھا۔ چنانچہ غلام کا معمول تھا کہ وہ کھانا رکھ کر چلا آتا اور جب اسے بلایا جاتا تب برتن اٹھا لاتا آج بھی وہ خیمہ سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بدر جمال نے آواز دی اور وہ برتن اٹھا لایا۔ اب وہ کھانا کھانے لگا۔ ابھی وہ کھا ہی رہا تھا کہ اسلم آ گیا۔ اس نے غلام سے دریافت کیا۔ بدر جمال کھانا کھا چکے ہیں؟ غلام نے جواب دیا۔ جی ہاں۔

اسلم خیمہ کی طرف بڑھنے لگا۔ غلام نے کہا۔ یا سیدی ذرا ٹھہریئے میں آپ کی اطلاع کر دوں۔ اسلم نے کہا اطلاع کی کیا ضرورت ہے؟

غلام۔ میرے آقا کا حکم ہے کہ جب وہ اندر ہوں تو میں کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ جانے دوں بلکہ میں خود بھی نہیں جاتا ہوں پہلے دروازہ کے پاس کھڑا ہوں کہ اجازت طلب کرتا ہوں۔ جب حکم دیتے ہیں تب اندر جاتا ہوں۔

اسلم نے مسکرا کر کہا۔ میرے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے بخوبی جانتے ہو۔ غلام۔ جانتا ہوں کہ آپ میرے آقا کے محب صادق ہیں لیکن مجھے ان کے حکم کی تعمیل کرنا بھی تو اشد ضروری ہے۔

اسلم۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ وہ تم سے ناخوش نہ ہوں گے۔ غلام کھانا کھانے لگا اور اسلم خیمہ کی طرف بڑھا۔ وہ آہستگی سے چلا کہ اس کے پاؤں کی چاپ بھی نہ ہوئی۔ اس نے آہستہ سے خیمہ کے دروازہ پر سے پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ آئینہ دار حیران کھڑا بڑی ہی حیرت سے خیمہ کے اندر دیکھنے لگا اس کی حیرت کی یہ وجہ تھی جو کہ اپنے سر کے بال کھوئے نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی۔ طاہرہ اسلم کو دیکھ کر کچھ ڈر گئی۔ مگر فوراً ہی اس کے نازک لبوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے شیریں لہجہ میں کہا آئیے آپ کھڑے کیوں رہ گئے؟ اب اسلم کی حیرت دور ہوئی اور محبت کا جذبہ عود کر آیا۔ وہ تیزی سے بڑھ کر طاہرہ کے سامنے پہنچا اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ طاہرہ میری راحت روح!

طاہرہ دلربا یا نہ انداز سے مسکرا رہی تھی اور ہوشربا یا ننگوں سے اس پر جادوگری کہی تھی۔ اس نے کہا۔ ہاں میں ہی ہوں طاہرہ۔ اسلم متحیرانہ لگا ہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا تم کب آئیں؟

طاہرہ۔ جب تم نے دیکھا۔

اسلم۔ بس میں نے تو ابھی دیکھا ہے۔

طاہرہ۔ بس تو سمجھ لیجئے کہ ابھی آئی ہوں۔

اسلم۔ اوز بدر جمال۔

طاہرہ۔ وہ باہر گئے ہیں۔

اسلم۔ مگر غلام تو کتنا تھا کہ وہ خیمہ کے اندر ہیں۔

طاہرہ۔ یہاں کہاں ہیں دیکھ لیجئے۔

اسلم۔ لیکن تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں۔

اس وقت رشک کی علامات اس کے بشروہ سے ظاہر ہونے لگیں۔ طاہرہ نے کہا مجھے معلوم

ہی کیا تھا کہ آپ بھی یہاں آئیں؟

اسلم۔ اچھا اب چلیے۔

طاہرہ۔ چلوں گی ذرا بدر جمال کو آجانے دیکھئے۔

اسلم۔ مگر وہ ہیں کہاں؟

طاہرہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ باہر ہوں گے تم انہیں دیکھ آؤ میں اتنے میں پوٹی پانڈھ

لوں۔ اچھا کہہ کر اسلم چلا گیا اور خیمہ سے باہر آیا اس نے پہلے ادھر ادھر بدر جمال کو دیکھا۔ جب

وہ کہیں بھی نہ ملا تب غلام سے پوچھا بدر جمال تو خیمہ کے اندر نہیں ہیں۔

غلام۔ مگر میں ابھی کھانا کھلا کر آیا ہوں۔

اب اسلم کے دل میں کچھ شبہ ہوا وہ لپک کر پھر خیمے کے اندر گیا دیکھا تو بدر جمال کھڑا مسکرا

رہا تھا اور طاہرہ غائب تھی اسلم اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ آج اس طرح کیوں گھور رہے ہو تم؟

اب اسلم بڑھ کر اس کے قریب پہنچا اور کہا شہر بدر جمال تم مجھے آج تک قریب دیتے رہے

بدر جمال اب بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا دھوکہ یا قریب کیا ہو گیا آپ سے؟

اسلم۔ پہلی کہ تم طاہرہ ہو اور مجھے اور سب کو بدر جمال کے قریب میں ڈال رکھا ہے

بدر جمال نے متعجب ہو کر کہا۔ طاہرہ مگر وہ تو اور کے قلعہ کے اندر ہے۔

اسلم۔ جی نہیں وہ اسی خیمہ کے اندر ہے۔
بدر جمال نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ کہاں ہے وہ مجھے تو کہیں نظر نہیں آتی۔

اسلم۔ میں دکھا دوں۔

بدر جمال۔ ہاں دکھا دو۔

اسلم نے بڑھ کر بدر جمال کا عامہ کھینچ لیا۔ عامہ کھینچتے ہی لمبی لمبی دوزخیں اس کے سینے پر لہرانے لگیں۔ اسلم نے کہا یہ ہے طاہرہ! بدر جمال حقیقت میں طاہرہ ہی تھی۔ وہ شرمناگئی۔ اس کے شرمانے کی ادا اسلم کے دل میں کھب گئی۔ اب جب کہ اس نے بدر جمال کو طاہرہ سمجھ لیا تو اس کے یہ مردانہ پوشاک نہایت ہی عجیب معلوم ہونے لگی۔ طاہرہ نے شرمیلے لہجہ میں کہا یہ کیا کیا تم نے اسلم:-

اسلم۔ تمہیں طاہرہ کو دکھایا۔ خدا کا شکر ہے تم آگئیں۔

طاہرہ۔ اور خدا کا یہ بھی احسان ہے کہ تم آزاد ہو گئے۔

اسلم۔ بے درد طاہرہ میں صرف تمہاری رہائی کی خاطر اس طرف آیا اور وطن نہ گیا۔ مگر

تم اس قدر بے رحم ثابت ہوئیں کہ میرے پاس آکر مجھ سے الگ ہی رہیں ایسا کیوں تم نے؟

طاہرہ نے شرمگین نظروں سے اسے دیکھ کر کہا اس لئے کہ تم کو آنا تھا۔

اسلم۔ آزمائش کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

طاہرہ نے شرمناک سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اگر ضرورت نہ سمجھتی تو میں کیوں اب تک تمہیں

مغالطہ میں رکھتی۔ اسلم اس بت ہو شرمناک کے چاند سے چہرہ پر نظریں جوائے اسے دکھ

رہا تھا۔ اس نے کہا کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ طاہرہ نے سر اٹھا کر شرمناک کے اندر میں آہستہ

سے کہا یہ بات بتانے کی نہیں ہے اسلم نے طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھٹاتے ہوئے کاشٹوں

طاہرہ بتانی ہوگی۔

اسلم۔ تو بتاؤ۔

طاہرہ۔ اب نہیں۔

اسلم۔ اور کب؟

طاہرہ پھر کسی وقت۔

اسلم۔ اب کیوں نہیں۔

طاہرہ۔ اس لئے کہ سپاہی سرنگہ پر جا پہنچے ہوں گے تم اور مجھ کو بھی وہاں پہنچ جانا چاہیے۔

اسلم۔ تو کیا تم اب بھی بدرجہا بنا چاہتی ہو۔

طاہرہ۔ ہاں

اسلم۔ نہیں تم پہلے بہت کچھ مشقت برداشت کر چکی ہو میں آج ہی محمد قاسم سے تمہاری شرارت بیان کر دوں گا۔

طاہرہ۔ ضرور کہہ دینا۔

وہ مسکرائی۔ اسلم نے دریافت کیا۔ مگر کیا طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ تم مجھ سے رشک کیوں کرنے لگے تھے۔ اسلم اس شوح و شریہ کر دیکھتا رہ گیا۔ دیر تک دیکھنے کے بعد کہا۔ کوئی تم سے محبت کرے یہ مجھ سے گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔

طاہرہ۔ میں یہی بات معلوم کرنا چاہتی تھی۔

اسلم اب سمجھا۔ اس نے کہا گویا تم میری محبت کا امتحان لے رہی تھیں طاہرہ نے شرما کر کہا۔ ہاں اسلم نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ظالم میں زندگی کے آخری سالس تک تجھ سے محبت کروں گا۔

طاہرہ۔ اچھا اب چلئے گا بھی

اسلم۔ نہیں اب تمہیں نہیں جانا چاہیے۔

طاہرہ۔ مگر تم الور سے کیسے نکل آئیں۔

طاہرہ نے مختصر طور پر تمام داستان سنا دی اسلم نہایت توجہ سے بیٹھا سنتا رہا جب سب کچھ سنا چکی تب اس نے کہا کس قدر تکلیفیں برداشت کی ہیں تم نے۔

طاہرہ۔ مگر جس نے ہمیں تکلیف دیں اس ظالم کا بھی عاقبہ ہو گیا۔

اسلم۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے انتقام بھی لے لیا اور سب رہا بھی ہو گئے

طاہرہ۔ ہاں یہ خدا کا احسان ہے۔

اسلم۔ آج کا دن میری زندگی کا سب سے زیادہ روشن دن ہے۔

طاہرہ نے مسکرا کر اچھا اب آپ تشریف لے جائیے۔

اسلم۔ جی تو نہیں چاہتا لیکن جانا ہی پڑے گا۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور خیمہ سے باہر نکل کر سرنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

محمد قاسم

محمد قاسم کی حیرت

اسلم کو طاہرہ کو دیکھنے اس سے ملنے اور باتیں کرنے سے بڑی مسرت ہوئی وہ دریائے انبساط میں خوشی کی موجوں کے ساتھ غوطے کھاتا سرنگ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ خوشی کے ساتھ ہی اسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ شریہ طاہرہ نے اسے محمد قاسم کو اور دوسرے سلازوں کو کس قدر مخالطہ دیا کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا اور کوئی تو کیا پہچان نہ خود اسلم ہی نہ پہچان سکا جو کہ عرصہ تک اس کے ساتھ رہا تھا۔ اسے نہ پہچاننے کی گئی وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ ان دونوں کو کچھ پڑے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ دوسرے طاہرہ نے مردانہ لباس پہن رکھا تھا اور اپنی وضع قطع بالکل نو عمر عربی لڑکے کی سی بنا رکھی تھی اور باوجود نازک بدن اور سمتین ہونے کے لڑکوں ہی جیسی چستی اور پھرتی پیدا کر لی اول تو وہ بولتی ہی کم تھی اور بولتی تھی بھی تو آواز بنا کر جس سے اسے کوئی شناخت نہ کر سکے تیسرے وہ کسی کو اپنے چہرہ کی طرف ابھی طرح دیکھنے کا موقع نہ دیتی تھی۔

عامہ کے اوپر جو رومال ڈالتی تھی اسے سینے تک لٹکالیتی تھی جس سے اس کے چہرہ کا بیشتر حصہ چھپ جاتا تھا۔ نگاہ جھکا کر باتیں کرتی تھی۔ کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی تھی۔ یہ وجوہات تھیں جن سے کوئی اسے نہ پہچان سکا اور وہ عرصے تک خود کو چھپائے رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسلم مسرت کی دنیا میں بچکوںے کھاتا ہوا برابر بڑھا چلا جا رہا تھا وہ سرنگ کے پاس پہنچ کر رک گیا اور بقیہ دن کام میں مصروف رہا۔ عصر کی نماز پڑھ کر جب وہ لوٹ رہا تھا تو محمد قاسم مل گیا۔ اس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ آج کیا بات ہے اسلم تم بہت ہی خوش نظر آتے ہو کیا نگر خدا ختم تک پہنچ گئی۔ اسلم رک کر محمد قاسم سے مخاطب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ نہیں ابھی سرنگ کی کھدائی باقی ہے۔

محمد قاسم۔ پھر تمہاری مسرت کی کیا وجہ ہے۔

اسلم۔ طاہرہ آگئی ہے۔

محمد قاسم نے چونک کر اسلم کو دیکھا اور حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ طاہرہ آگئی ہے خدا کا شکر ہے کہ آئی!

اسلم۔ اسے آئے ہوئے تو عرصہ ہو گیا ہے مگر ظاہر آج ہوئی ہے۔
محمد قاسم۔ عجیب بات کہہ رہے ہو اگر اسے آئے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا تو پھر وہ
کہاں رہی؟

اسلم۔ اسلامی لشکر میں آپ کی اور میری نظروں کے سامنے۔
محمد قاسم۔ حیرت پر حیرت ہے گو یا تم اور میں اسے پہچان نہ سکے۔
اسلم۔ جی ہاں

محمد قاسم نے مسکرا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تم کو بہکا دیا ہے۔
اسلم۔ جی نہیں حقیقت میں اس نے ہم دونوں کو دھوکہ دیا
محمد قاسم۔ ناممکن ہے کہ وہ ہمیں دھوکہ دے سکتی
اسلم۔ آپ نے بدر جہاں کو دیکھا ہے۔

محمد قاسم۔ اچھی طرح سے وہ نہایت پر جوش مجاہد ہے۔
اسلم نے ہنستے ہوئے کہا۔ مجاہد نہیں مجاہدہ! محمد قاسم نے حیران ہو کر اسلم کو دیکھتے ہوئے
کہا۔ مجاہدہ؟

اسلم۔ جی ہاں وہ بدر جہاں نہیں بلکہ طاہرہ تھی۔
محمد قاسم فرط حیرت سے اسلم کو دیکھتا رہ گیا دیر کے بعد بولا طاہرہ تھی؟
نہیں۔ بدر جہاں طاہرہ نہیں ہو سکتا۔
اسلم۔ مگر یہ حقیقت ہے۔

محمد قاسم۔ جب تو بڑے حیرت کی بات ہے میں نے اسے لڑتے ہوئے دیکھا ہے
رکھیاں اس جوش سے نہیں لڑ سکتیں جس طرح سے وہ لڑتا تھا۔

اسلم۔ حیرت کی بات یہی ہے۔
محمد قاسم۔ تمہیں کیسے اس کی حقیقت کھلی۔
اسلم نے تمام کیفیت اپنے جاننے اور اتفاقاً خیمے میں گھسنے اور طاہرہ کو پیٹنے دیکھنے
وغیرہ کی بیان کی محمد قاسم کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا بڑی بہادر لڑکی ہے۔
اسلم۔ کیوں نہ ہو وہ ایک مسلم دشمن ہے۔ سلطان مروہ یا عورت لڑکا ہوا لڑکی
سب بہادر ہوتے ہیں۔

محمد قاسم۔ تم بیچ کتے ہو چلو میں اس بہادر مگر شریر لڑکی کو ضرور ملوں گا۔

اسلم - آئیے۔

دونوں اس خیمہ کی طرف چلے جس میں بدر جلال یا طاہرہ رہتی تھی۔ چونکہ محمد قاسم کو حیرت تھی اس لئے وہ خاموش تھا اور اسے دیکھ کر اسلم بھی خاموش تھا۔ جب دونوں اس خیمے پر پہنچے تو انہوں نے غلام کو دیکھا وہ دوڑ کر ان کے پاس آیا۔ اسلم نے دریافت کیا کیا بدر جلال خیمہ کے اندر موجود ہیں۔ غلام نے کہا جی ہاں اندر ہی ہیں آج وہ نماز کے لئے بھی باہر نہیں نکلے۔

اسلم - انہوں نے خیمہ ہی میں نماز پڑھ لی ہوگی۔

غلام - کیوں خدا نخواستہ کچھ ان کی طبیعت ناساز ہے۔

اسلم - نہیں وہ بالکل اچھے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ بڑھا۔ محمد قاسم بھی ساتھ چلا اور دونوں خیمہ کے قریب پہنچے محمد قاسم نے اسلم سے کہا اس بیچارے غلام کو ابھی تک یہی مغالطہ ہے کہ بدر جلال خیمہ کے اندر ہے۔

اسلم - جی ہاں۔

اب دونوں خیمہ کے اندر داخل ہوئے طاہرہ زنا زبائیں پختہ تھی حسین تھی کمال خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ جو نہی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے اسلم اور محمد قاسم آتے ہوئے دیکھائی دیئے وہ سمٹ کر بیٹھ گئی اس کی دلفریب نگاہیں فرط حیا سے جھک گئیں۔ محمد قاسم اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسی عالم میں بڑھ کر اس کے قریب پہنچا اور اسلم کے ساتھ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب حیرت زرا کم ہوئی۔ تب اس نے کہا۔ طاہرہ خدا کا شکر و احسان ہے کہ تم بھی آزاد ہو کر مسلمانوں میں آگئیں اب ہر اندیشہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی قید میں نہیں رہا ہے یہ تو تم نے شہادت کی کیوں اب تک بدر جلال میں رہی؟ طاہرہ نے شرمیلے انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں

جس لباس میں الور سے چلی تھی اسی لباس میں دریائے مہران (سندھ) کے کنارے پہنچی اس وقت آپ کشتیوں کا پل بنا کر اسے تیرا کر کنارے سے لگانا چاہتے تھے۔ ہندو

مزاہمت پر آمادہ تھے میں نے انہیں تیرا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا۔

محمد قاسم - میں نے اور صرف چند مسلمانوں نے تم کو اس وقت دیکھ لیا تھا

طاہرہ - میں سمجھ گئی تھی مجھے جوش جہاد تھا میں بڑنا چاہتی تھی مجھے خیال ہوا کہ اگر میں

نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو اس آسانی سے شریک نہ ہو سکوں گی جس سے بدر جلال بن کر ہو سکتی ہوں۔ اس لئے میں بدر جلال میں رہی۔

محمد قاسم۔ اور نہایت جوش سے لڑتی رہی۔

طاہرہ۔ جہاں جس قدر طاقت نے اجازت دی لڑی۔

محمد قاسم۔ جنہاں اللہ مسلم لڑکیوں میں ایسا ہی جوش ہوتا چاہیے مگر تم رہا کیسے ہوئیں۔

طاہرہ۔ اور کے وزیر اعظم سید اگرا کو مجھ پر رحم آگیا انہوں نے مجھے رہا کیا۔ کپڑے فراہم کئے میں نے بیٹے ان کے آدمیوں کے ساتھ دریائے مہران (سندھ) تک بھگت آئی۔

محمد قاسم۔ تم کو رہا کر کے سید اگرا نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے میں آج تمام لشکر میں اعلان کرادوں گا کہ اور میں داخلہ کے وقت کوئی اسے گزند نہ پہنچائے۔ بلکہ جس طرف وہ اشارہ کر دے اسے بھی امن دیا جائے!

طاہرہ۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

محمد قاسم۔ میرے کوئی بہن نہیں ہے طاہرہ

طاہرہ۔ اور میں بڑے فخر سے آپ کی بہن بنا پسند کروں گی۔

محمد قاسم۔ بس تو آج سے میری بہن ہے میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے شہر دل اور بہادر بہن عطا کی۔

طاہرہ۔ اور میں بھی خدا کی شکر ہوں کہ اس نے مجھے ایسا بہادر بھائی دیا جس کی شجاعت و بہادری کی دھوم دنیا بھر میں ہو گئی ہے جو فاتح اعظم اور فاتح سندھ ہے جس کی وہاں تمام ہندوستان پر بیٹھ گئی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا اب بہن کو بھائی کے خیمے پر چلنا چاہیے۔

طاہرہ۔ بڑی خوشی سے اگر کہو تو بدرجہاں ہی بن کر چلوں؟

محمد قاسم۔ جیسے تمہاری خوشی۔

طاہرہ نے اٹھ کر کپڑے نکالے اور ایک طرف جا کر بد سے وہ پھر بدرجہاں بن گئی۔ دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی خیمہ سے باہر نکل کر محمد قاسم کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

www.marfat.com

حیرت زدہ رانی

جب یہ تینوں محمد قاسم کے خیمہ پر پہنچے تو انہوں نے خیمے کے اندر رانی لادی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ لادی نے خود ہی اپنا خیمہ محمد قاسم کے خیمہ کے پاس نصب کر لیا تھا اور رانیوں کے خیمے لادی کے خیمہ کے دوسری طرف تھے اکثر لادی محمد قاسم کے خیمہ پر آجاتی تھی اور کی فتح کے متعلق مشورے دیا کرتی تھی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ محمد قاسم ہرنگ کھو دوارا ہے جب سے قلمہ والوں نے لادی کی تذلیل کی تھی اس وقت سے محمد قاسم کو اس سے زیادہ ہمدردی ہو گئی تھی اور قلمہ والوں کی بدتمیزی پر غصہ آ رہا تھا۔ لادی کو اس بات کا خیال تھا کہ اس کی قوم نے اس کی توہین کی تھی یہ دوسری بات تھی کہ وہ اس کی بات نہ ملتے لیکن اسے بڑا کہنا اور گالیاں دینا انسانیت اور شرافت کے خلافت تھا۔ لادی کو اس بات کا بڑا رنج تھا۔ لیکن محمد قاسم اس کی تسلی کر کے اس کا غم غلط کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ لادی نے جب ان تینوں کو آتے کو آتے ہوئے دیکھا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے مخصوص قومی لباس میں تھی۔ نفیس شلوار اور عمدہ ساڑھی زیب تن کئے تھے۔ دسیوں چکدار مونتوں کے ہار تھے۔ جو کہ اس نے پہن رکھے تھے ان ہاروں نے اس کی صورت کو چاند کی طرح جگمگا رکھا تھا۔ یہ تینوں اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ محمد قاسم نے مسکراتے ہوئے لادی سے کہا۔ یہ بدر جہاں تم سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ لادی نے بدر جہاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جی مجھ سے ملنے کیوں آتے ہیں؟

محمد قاسم۔ انہیں تم سے بڑی شکایت ہے۔

لادی نے چونک کر کہا مجھ سے شکایت ہے؟ کیا

محمد قاسم۔ کہتے ہیں کہ جب میں اور میں تھا تو رانی مہربانی کرتی تھیں اور اب یہاں

بے مروت بن گئی ہیں۔

لاوی نے حیران ہو کر بدر جہاں کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور رانی نے کہا۔ اللہ میں گئے کب تھے؟ بدر جہاں نے آواز بنا کر کہا۔ ابھی سے بھول گئیں رانی جی ہی تو میں کہہ رہا تھا۔ رانی حیرت بھری نظروں سے بدر جہاں کو دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ مجھے یاد نہیں پڑھا کہ میں نے تم کو کبھی اللہ میں دیکھا ہے۔

بدر جہاں۔ اگر مجھے خیال ہوتا کہ تم مجھے اس قدر جلد بھول جاؤ تو۔۔۔
وہ ہنس کر خاموش ہو گیا۔ لاوی کی حیرت دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے کہا تم اللہ گئے کب تھے؟ بدر جہاں نے ہنستے ہوئے کہا اور تم نے اپنی ساڑھی کسے پہنائی تھی اور کسے اپنے زیورات پہننے کو دیئے تھے؟

لاوی۔ تمہیں دیئے تھے؟

بدر جہاں۔ اور کسے

لاوی۔ طاہرہ کو دیئے تھے

بدر جہاں اور وہ طاہرہ کون تھی؟

لاوی نے کمال حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔ تم طاہرہ تھے تم۔۔۔
بدر جہاں طاہرہ تھے۔ تم طاہرہ بن کر میرے پاس رہے؟ نہیں ہرگز نہیں تم طاہرہ نہیں تھے؟

محمد قاسم، اسلم اور بدر جہاں تینوں مسکرا رہے تھے۔

بدر جہاں۔ اب تم مگر جاؤ تو اس کا کیا علاج

لاوی۔ میں طاہرہ کو پہچانتی ہوں تم طاہرہ نہیں البتہ اس کے بھائی ہو سکتے ہو۔
اب بدر جہاں نے رومال اور عمامہ سر سے کھینچ لئے۔ لاوی نے اسے دیکھا وہ اس کے قریب ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا میں دھوکہ میں رہی تم طاہرہ ہو شریر طاہرہ
طاہرہ مسکرا رہی تھی۔ فردوسی خوردوں کی طرح اس کے نازک لبوں پر تبسم پھیل رہا تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں اور رخساروں سے بھلیاں نکل رہی تھیں۔ جب پیچھے ہٹ کر بیٹھی اور اسے مسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی تب طاہرہ نے کہا بے وفا رانی اس قدر جلد بھول گئیں تم مجھے؟

لاوی۔ میں تجھ عمر بھر نہیں بھول سکتی مگر تم نے تو لڑکا بن کر ہم سب کو قریب میں ڈالا۔

اب مغرب کی اذان ہو گئی۔ محمد قاسم اسلم دونوں نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔
طاہرہ نے خیمہ کے اندر ہی نماز پڑھ لی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تب لادی نے اسے
خوب بھینچ بھینچ کر اپنے سینے سے لگایا اور کہا۔

طاہرہ مجھے تیرا بڑا خیال تھا۔ میں نے سید اگر سے دریافت کیا تھا انہوں نے بتلایا تھا
کہ وہاں سے چلی گئی ہے اور انہوں نے تجھے رہا لیا ہے لیکن کہاں گئی یہ وہ بھی نہ بتا سکے تھے۔
طاہرہ۔ انہیں بتانا بھی نہ چاہیے تھا۔

لا دی۔ کیوں؟

طاہرہ۔ اول تو خود انہیں بھی خبر نہ تھی کہ میں کہاں ہوں دوسرے ممکن تھا کہ تم راجہ
واہرے کمرہ دیتیں اور وہ کسی مصیبت بچس جاتے۔

لا دی۔ میں ایسی بیوقوف نہ تھی طاہرہ

طاہرہ۔ تم تو بے وقوف نہ تھیں لیکن واہر تو بڑا چالاک تھا۔

لا دی۔ اس کی چالاک نے ہی ملک کو تباہ شہرہ کو ویران اور آبادوں کو تاراج کر دیا۔

طاہرہ۔ یہ بالکل درست ہے۔

لا دی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں۔

طاہرہ نے حیرت سے لادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم خدا کی

قائل ہو گئیں۔

لا دی۔ یہ تمہاری قوم میں آنے کا اثر ہے۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا یا ان کی صحبت کا اثر ہے جنہیں تم یاد کیا کرتی تھیں۔

لا دی نے شوخ و شریب طاہرہ کو دیکھ کر کہا۔ اچھا طاہرہ! اب تم پھیر خانی بھی کرنے لگی ہو۔

طاہرہ۔ اب تم تو ایسا ہی کہو گے۔

لا دی۔ کیوں؟

طاہرہ۔ اس لئے کہ میری سفارش کی ضرورت نہ رہی۔

لا دی۔ کیسی سفارش

طاہرہ۔ وہ باتیں یاد ہیں جو انور میں کہی گئی تھیں۔

لا دی۔ یاد ہیں۔

طاہرہ - محمد قاسم نے تمہیں اپنے پاس رکھنا منظور کر لیا۔

لاڈی شرمائی۔ طاہرہ نے کہا۔ شرمانے کی سند نہیں بتا دیجئے اگر منظور نہ کیا ہوتا میں سفارش کر دوں گی۔

لاڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تمہاری سفارش سے کیا ہوگا۔

طاہرہ نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ انہیں منظور کرنا ہوگا۔

لاڈی۔ زبردستی بھی!

طاہرہ۔ ہاں میرا کتنا نہیں ٹال سکتے

لاڈی۔ شاید وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔

اب طاہرہ شرمائی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ پھر وہ تمہاری بات کیوں مان لیں گے۔

طاہرہ۔ اس لئے کہ انہوں نے مجھے اپنی بہن بنا لیا ہے۔

لاڈی۔ جب تو نے شک الی پر تمہارا حق ہے۔

طاہرہ۔ بشرطیکہ تم باقی رہتے دو گی۔

لاڈی نے ہر شرم بانگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم ہر وقت میرے پاس رہو۔

طاہرہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا اور تم ہر وقت کس کے پاس رہو گی۔

لاڈی۔ تیرے

طاہرہ۔ نہیں ان کے جنہیں تم یاد کیا کرتی تھیں۔

لاڈی۔ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ بہن اور بھائی دونوں ہی میرے پاس

رہیں۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔

طاہرہ۔ مگر کیا؟

لاڈی۔ یہ اسلم تمہیں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے۔

طاہرہ شرماتے ہوئے خاموش ہو گئی! لاڈی نے کہا۔ طاہرہ بتاؤ! طاہرہ نے شرمیلے

انداز سے کہا۔ میں کیا بتاؤ یہ بات تو ان سے ہی پوچھنے کی ہے۔

لاڈی۔ ہاں ان سے ہی پوچھوں گی۔ انہیں اس طرح تیز نظروں سے تجھے دیکھنے کا کوئی حق ہے

طاہرہ مسکرانے لگی۔ لادی بھی ہنسنے لگی۔ اس عرصے میں محمد قاسم اور اسلم دونوں آگے لادی نے چپکے سے طاہرہ سے کہا کیا اب دریافت کروں۔

طاہرہ نے آہستہ سے کہا۔ اب نہیں محمد قاسم نے دونوں کو آہستہ آہستہ باتیں کرتے دیکھا۔ اس نے لادی سے دریافت کیا! کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ طاہرہ کو خوف ہوا کہ لادی اسلم سے کچھ پوچھ نہ بیٹھے۔ وہ خوف زدہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا طاہرہ کو میں اپنے خیمہ میں رکھنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت دیں۔

محمد قاسم نہایت مناسب ہے۔

لادی۔ اچھا تو ہم دونوں کو اجازت دیکھئے۔

محمد قاسم۔ ہاں جاؤ آرام کرو

دونوں اٹھیں اور خیمہ سے باہر نکل کر لادی کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئیں!!



”فتح عظیم“

سرنگ برابر تیار کی جا رہی تھی۔ محمد قاسم روزانہ سرنگ کے اندر گھس کر اس معائنہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے ایک دن اپنے لشکر سے قلعہ تک کا فاصلہ ناپ لیا تھا اور قلعہ کے اندر کا حال رانی بلادی سے معلوم کر کے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ فصیل سے آگے اس قدر اور کھودنے سے قلعہ کے اندر سرنگ پہنچ جائے گی۔ چنانچہ چند دن کے بعد اس نے سرنگ کی پیمائش کی تو اس کے اندازہ کے مطابق کھد چکی تھی۔ اب اس نے کھدائی ملتوی کر دی اور رات رات ہوئی تو صرف تو آدمیوں کو سرنگ کے اندر گھسایا اور انہیں ہدایت کر دی کہ زمین کو پر ماسے سوراخ کر دیں تاکہ اس میں سے سپاہی نکل نکل کر قلعہ کے اندر پہنچ سکیں۔ تو مجاہدین عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ موم بتیل روشن کر کے سرنگ گھس گئے اور انہوں نے سرنگ کے آخری کنارے پر پہنچ کر زمین کو پر ماسے سوراخ کرنا شروع کیا۔ جو مٹی وہاں سے نکلتی تھی اسے نوڑا وہاں سے اٹھ کر کیمپ سے باہر پھینکا جاتا تھا۔ آدھی رات تک اتنا سوراخ کر لیا گیا جس میں سے چار آدمی بفراعت نکل کر قلعہ میں جا سکیں۔ چنانچہ چار آدمیوں نے جا کر محمد قاسم کو اطلاع دی اس وقت محمد قاسم جاگ رہا تھا اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس نے آدمیوں کو دیکھتے ہی تلاوت بند کر دی اور قرآن شریف کو جزوان میں بند کر کے رکھ دیا تمام ہتھیار لگائے اور خیمہ سے باہر نکلا۔ اسلامی لشکر میں بھی زیادہ آدمی سو رہے تھے بہت کم جاگ رہے تھے یا نماز پڑھ رہے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ محمد قاسم نے اسلم عبدالرحمن مجاشع۔ ذکران۔ نبانہ۔ سفیان الابرک اور ضریم کو بلا بلا کر حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے دستہ کے سپاہیوں کو لے کر سرنگ کے وہاں پہنچیں۔

چنانچہ تمام سردار جلد جلد مسلح ہو ہو کر اپنے اپنے دستوں کو لے کر سرنگ کی طرف چلے

محمد قاسم چاہتا تھا کہ رانی لادی بھی ہمراہ چلے تاکہ وہ قلعہ کے اندر پہنچ کر ان کی رہنمائی کرے وہ لادی کے خیمہ پر پہنچا اور خیمے کے باہر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اندر جائے یا نہیں۔

دیر تک کھڑا اس بات کو بغور سوچتا رہا۔ آخر اس نے پردہ اٹھایا اور خاموشی سے داخل ہوا۔ لادی کے خیمہ میں تمام رات روشنی رہتی تھی۔ چنانچہ اب بھی روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ طاہرہ اور لادی دونوں ایک ہی مسند پر ایک ہی مثال اوڑھے پر مٹی سوری تھیں۔ دونوں کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ محمد قاسم انہیں اس عالم میں ایک ہی نظر دیکھ کر واپس لوٹ آیا تو اسے لادی کو جگانے کی ہمت نہ ہوئی یا اس نے مناسب نہ سمجھا۔ وہاں سے آتے ہی اپنے دستہ کو لے کر سرنگ پر پہنچا اور سب سے پہلے خود اس میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے تمام سردار چلے اور انکے بعد عام سپاہیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چونکہ سرنگ میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تمام لوگ ٹوٹل ٹوٹل کر بڑھ رہے تھے۔ سب سے پہلے محمد قاسم اور دوسرے سردار سرنگ کے آفری کنارے پر پہنچے اور سوراخ میں سے نکل کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ یہ جگہ جہاں سے وہ نکلے ایک مختصر سا کوچہ تھا۔ ان کے سامنے دونوں طرف عمارتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چاندنی رات تھی اور چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ اور یہ لوگ سوراخ سے نکل کر عمارتوں کے سامنے میں کھڑے ہونے لگے۔ جب چاند ڈھل گیا اور صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ تب محمد قاسم نے ہر سردار کو اپنے اپنے دستہ کے ساتھ فیصل کے زینوں پر کھڑا ہونے کا حکم دیا اور خود اپنا دستہ لے کر دروازہ کی طرف چلا!

اسلم اور ذکوان ایک زمینہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور بانہ اور عبدالرحمن دوسرے زمینہ پر ڈٹ گئے۔ سفیان الابردک اور مجاشع وہیں رہ گئے۔ تقریباً چار ہزار مسلمان قلعہ کے اندر آچکے تھے۔ جس وقت محمد قاسم دروازہ کے قریب پہنچا۔ تو اس نے اللہ اکبر کا یہ شور نعرہ لگایا اس کے لشکر نے نعرہ کی تکرار کی۔ تمام مسلمانوں نے اس نعرہ کو سنا انہوں نے بھی جو جہاں تھا اللہ اکبر کا یہ نعرہ بلند کیا۔ اس ہیبت ناک نعرہ کی آواز بکت قلعہ کو توڑے ہوئے اور عمارتوں کے در و دیوار سے صدائے بازگشت پیدا کرتی ہوئی بلند ہوئی۔ ہندو اس آواز کو سن کر چونک پڑے ابھی وہ اپنے اپنے بستروں پر ہی دراز تھے کہ انہوں نے متواتر یہ شور نعروں کی آوازیں سنیں وہ جلدی جلدی اٹھے گھروں سے نکلے اور خون زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے فیصل کے اوپر جو ہندوؤں کا لشکر تھا اس نے بھی نعروں

دیکھا وہ انہیں حد درجہ کم دیکھ کر بھول گئے اور انہوں نے بھی نہایت شہد سے حملے شروع کر دیئے انہیں خیال ہوا کہ وہ مہٹھی بھر مسلمانوں کو یا تو قتل کر ڈالیں گے یا انہیں ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیں گے لیکن مسلمان ایسے جوش اور غضب سے بھرے ہوئے تھے کہ بہادر سے بہادر ہندو بھی ان کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور اگر کوئی اجل رسیدہ کبھی مسلمان کی طرف بڑھتا بھی تھا تو مسلمان کی تلوار اس کا فیصلہ کر دیتی تھی، ہندو قتل ہو رہے تھے مگر ہمت نہ ہارے تھے فتح قریب کے خیال سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، ہر مسلمان شیون گیا اور چھپ چھپ کر حملے کرتا تھا اور ہر طرف سے کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا، اکا کا مسلمان بھی شہید ہو جاتا تھا، لیکن اس وقت جبکہ کسی ایک مسلمان کو چاروں طرف سے گھیر کر ہندو تلواروں کی بارش کر دیتے تھے یا کوئی مسلمان کسی ہندو پر حملہ کرتا تھا اور کوئی ہندو پیچھے سے آکر حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالتا تھا، لیکن عام مسلمان شہیدوں کا انتقام لینے کے ہندوؤں کی صفوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور جب تک اس صفت کو الٹ نہ دیتے تھے۔ اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھتے تھے۔

محمد قاسم دروازے پر پہنچ کر محافظوں سے جنگ کر رہا تھا، قلعہ کے چار دروازے تھے اور چاروں دروازوں پر دو ہزار سپاہی متعین تھے اور محمد قاسم کے پانچ سو سپاہی دو ہزار ہندوؤں سے مصروف جنگ ہو گئے تھے اور سب کے سب گویا موت کی لڑائی لڑ رہے تھے، ہر مجاہد نہایت جوش اور بڑے حوصلے سے جنگ کر رہا تھا، لیکن محمد قاسم جنگ کا دیوتا بن گیا تھا۔ اس کی تلوار ہر اس آدمی کو مار ڈالتی تھی جس پر کہ وہ بلند ہوتی تھی۔ جس ہندو کے وہ تلوار مارتا تھا، سر کاٹ کر حلق چیرتے ہوئے سینہ تک اتر جاتی تھی۔ اس نے بسیوں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔

جوں جوں وہ قتل کرتا جاتا تھا، اس کے قتل کرنے کی حرص بڑھتی جاتی تھی۔ جس جوش و فرس سے وہ لڑ رہا تھا اسی طرح سے ہی اس کے دستہ کا ہر سپاہی جنگ کر رہا تھا، جس وقت آفتاب ڈرا اور بلند ہوا اس وقت اس نے تقریباً ایک ہزار ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔ باقی ماندہ ہندوؤں نے یہ کیفیت دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے، غازیان اسلام انہیں گرفتار کرنے لگے اور محمد قاسم نے دس آدمیوں کو ساتھ لے کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کو کھلا ہوا دیکھتے ہی تمام مسلمان اپنے اپنے گھوڑے لے کر اور قلعہ میں گھستے ہی غضب سے بھر پور حملے کرنے لگے ان تازہ دم مسلمانوں نے ہندوؤں کو تلواروں کی بارش پر رکھ لیا اور نرم چارہ کی طرح

کاٹنا شروع کر دیا۔ ان کے آتے ہی تمام مسلمانوں کی ہمتیں بندھ گئیں اور انہوں نے ہر محاذ پر سنبھل کر حملہ کر دیا اور مارو دھاڑ شروع کر دی۔ جنگ کی آگ اس تیزی سے روشن ہوئی کہ اس کے شعلے تمام قلعہ میں بھراک اٹھے۔ ہر جگہ خونریزی ہونے لگی۔ ہاتھوں۔ پیروں۔ سروں اور دھڑوں کے جگہ جگہ تباہ لگ گئے۔ خون ندی کے پانی طرح بہنے لگا۔ چونکہ قلعہ میں آٹھ ہزار مسلمان آگئے تھے۔ اس لئے سارے پھیل کر بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ ہندو بھی اپنے مقدور بھر کوشش کر رہے تھے۔ طیش میں آ کر حملے کرتے تھے۔ مگر مسلمان جب ان کے حملوں کو روک کر خود حملے کرتے تھے تو دور تک لاشیں بچھاتے چلے جاتے تھے۔

اب دوپہر ہو گیا تھا اور دھوپ ہر طرف اور ہر جگہ پھیل گئی تھی۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ محرقام بھی اب واپس لوٹ آیا تھا اب وہ ہندوؤں کے ہر گروہ پر حملہ کر کے اسے ختم کرتا ہوا قلعہ کے وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جب وہ قلعہ کے درمیان پہنچا تو اس نے تقریباً دس ہزار ہندوؤں کو ایک ہزار مسلمانوں سے مصروف پیکار پایا۔ اس نے معرا اپنے دستہ کے پر زور حملہ کر دیا اور ہر فروش ہندوؤں کو کھیتی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

ہر مسلمان نے اس قدر خونریزی کی تھی کہ خون کے پھیٹے کپڑوں پر پڑ پڑ کر جم گئے تھے۔ جو کشت کے لوہے معلوم ہونے لگے تھے ان دس ہزار ہندوؤں سے زیادہ سے زیادہ تین ہزار مارے گئے تھے کہ ان کے پھلے پھوٹ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال کر الامان ماننا چلنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے فوراً شمشیر زنی موقوف کر دی اور انہیں امیر کرنے لگے۔

جب قلعہ کے تمام ہندوؤں نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کی ہمتیں بھی سلب ہو گئیں اور انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ اور کافلہ بچانے کے لئے ہر ہندو کٹنے مرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ابھی ان کی تعداد زیادہ قتل نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے۔ چونکہ مسلمانوں کا معاہدہ رہا ہے کہ وہ لڑنے والوں سے لڑتے ہیں اور جو ہتھیار ڈال دیتے ہیں ان کے اوپر تلوار نہیں اٹھاتے۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے خونریزی بند کر دی۔ اور تلواروں کو سیالوں میں ڈال ڈال کر ہندوؤں کو امیر کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح سے مغزور راہبہ داہر کا دار السلطنت بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

حسرتناک انجام

جوگنی سے یہ سن کر کہ راجہ داہر کو مسلمانوں نے قتل کر دیا ہے رانی مائی فرط غم و الم سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس وقت اس کے گرد بڑے بڑے افسر۔ مٹھا کر۔ راؤنت اور دوسرے معزز لوگ کھڑے تھے۔ انہیں بھی راجہ داہر کے مارے جانے کی خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا تھا اور رانی کے غم و حسرت نے ان کے صدمہ کو اور بڑھا دیا تھا۔ مائی نے غم و حسرت بھری نظروں سے ان سب کو دیکھ کر کہا۔ ہند کے جاں نثار فرزندو تمہارا راجہ مار ڈالا گیا ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہے کیا تم راجہ کا انتقام لینے اور اپنے ملک کو چندال مسلمانوں کے بچانے کے لئے لڑو گے؟ یا قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنی راجدھانی مسلمانوں کے حوالہ کر دو گے۔ تمام لوگوں نے جوش و فروش سے کہا نہیں ہم لڑیں گے اور آخری دم تک لڑیں گے۔ مائی خوش ہو گئی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اس نے کہا بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں سنو اگر تم نہ لڑے اور اس قلعہ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ تو وہ تمہاری عورتوں اور لڑکیوں کو اپنی کینزریں اور تمہارے لڑکوں کو غلام بنا لیں گے۔ ایک غیرت مند شخص کبھی اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تم سب فہیل پر پھیل جاؤ اور مسلمانوں سے آخری دم تک لڑو۔ میں جانتی ہوں کہ قلعہ کا ہر ہندو جوان ہتھیار بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ سب جو شہیں آکر کہا۔ ایسا ہی ہو گا۔ رانی چلی گئی اور ہندوؤں نے تمام قلعہ والوں کو رانی کا حکم سنا دیا۔ ہر ہندو ہتھیار باندھ کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اس طرح پندرہ ہزار لشکر رکھ کر چالیس ہزار ہو گیا۔ مگر جب مسلمانوں نے سرنگ میں سے نکل کر اچانک حملہ کیا۔ تو ہندو بوکھلا گئے۔ لیکن پھر بھی وہ لڑے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کا مقابلہ ہوا۔ اس مسلم قوم سے جس کی بہادری کی دنیا بھر میں دہاک تھی۔ چنانچہ انہوں نے شکست کھائی اور بالآخر لڑائی کا انجام اپنی موت سمجھ کر انہوں نے

ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ ہر ہندو لڑائی میں شریک ہو گیا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے ہر صلح ہندو کو اسیر کرنا شروع کر دیا۔ گرفتاری کے وقت تمام قلعہ میں ایتری پھیل گئی۔ عورتیں چیخنے۔ پکے رونے اور بڑھے آہ و فریاد کر کے غل مچانے لگے۔ ان مختلف آوازوں نے پھر تمام قلعہ میں گونج پیدا کر دی رانی مائی اپنے محل میں تھی وہ خوب جانتی تھی کہ ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں اس قدر زیادہ تھی کہ ان کا شمار ہی نہ ہو سکتا تھا اسے اپنی فتح کا پورا پورا یقین تھا۔ مگر جب اس نے شور و فریاد کی آوازیں سنیں تو محل کی بالائی منزل پر کھڑی ہو کر قلعہ کے اندر جھانکنے لگی اس نے دیکھا کہ ہندو چھپتے اور مسلمانوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے پھرتے تھے مسلمان انہیں اسیر کرتے پھر رہے تھے۔ جنگ بند ہو گئی اور گرفتاریاں شروع کر دی گئیں یہ منظر دیکھ کر ان کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی۔ کہ پرانی کتابوں میں جو پیشینگوئی کی گئی ہے اور موجودہ ہوتشیوں نے جو کچھ کہا ہے اور جو گئی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ہونے والی ہے۔

مسلمانوں کا قبضہ اور ہر ہو گیا اور وہ ہندوؤں کو اسیر کرتے پھرنے لگے۔ مائی کے محل میں اس کی بہت سی داسیاں تھیں اس نے ان سب کو بلا کر ہندوؤں کی گرفتاری کا منظر دکھایا سب خوف اور دہشت سے کانپ گئیں۔ مائی نے کہا۔ غیور عورتو! اب کس بات کا انتظار ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ گرفتاریاں شروع کر دی ہیں کیا وہ ہمیں چھوڑیں گے؟ اس کی سہیلیوں نے کہا کبھی نہ چھوڑیں گے ہم کو بھی اسیر کر لیں گے۔

مائی۔ پھر کیا ارادہ ہے آیا مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرتا یاستی ہو کر عزت کی موت مرنا۔

سب سہیلیاں اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو بیوہ عورت کو شوہر کی لاش کے ہمراہ زندہ ہی جلا دیا جاتا تھا۔ اس طرح جب کسی لڑائی میں ہندوؤں کو شکست ہوتی تھی تو اکثر عورتیں لکڑی کے انبار لگا کر اس میں آگ لگا دیتیں اور جب شعلے بھڑک اٹھتے تو آگ میں گر کر جل جاتیں اس کو وہ "ستی" کے نام سے موسوم کرتے تھے ہندوؤں نے اپنی عورتوں کو تباہ رکھا تھا کہ ستی ہونا عورت کا دھرم ہے اس لئے بے چاری بے زبان عورتیں "ستی" ہو جایا کرتی تھیں سہیلیوں کو خاموش دیکھ کر مائی نے کہا تم چپ ہو گئیں۔ کیا ستی ہونا نہیں چاہتیں کیا اسے اچھا سمجھتی ہو کہ مسلمانوں کی لونڈیاں بنو

ان کی خدمت کرو۔ اپنا دھرم یا اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان بن جاؤ۔ سپیلیوں میں سے اکثر نے کہا۔ نہیں اس سے ہم سستی ہونا اچھا سمجھتی ہیں۔

مائی۔ بس تو چیتا تیار کرو۔ ابھی مسلمان سپاہیوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔ جب ان سے فارغ ہو جائیں گے تب تمہاری طرف آویں گے۔ تم ان کے آنے سے پہلے ہی اپنا بلیدان (قربانی) دے کر دھرم کا پالن کرو۔

سب نے اچھا کہا اور چلی گئیں۔ مائی اپنے سنگار خانہ میں پہنچی اچھی اچھی پوشاک پہنی بیش قیمت زیورات پہنے اور خوب سنگار کر کے کمرہ سے باہر نکل کر محل کے صحن میں آئی بہت سی عورتیں۔ رانی کی سپیلیاں تھیں اچھی پوشاک اور اچھی زیورات پہنے کھڑی تھیں۔ ان کے سامنے لکڑیوں کا انبار لگا ہوا تھا اس میں گھی اور دوسری اشیاء ڈال دی گئی تھیں جب رانی مائی وہاں پہنچی تو شعلے بھڑکنے لگے۔ مائی بھی آگ کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔ اس وقت شور و غل کی آواز محل کے قریب سے آنے لگی تھی۔ مائی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان محل کے اندر گھس آنا چاہتے ہیں۔ ان کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو گنی دیوتا کے سپرد کر دو۔ نہیں یہ بڑی غلطی ہوگی ایک آواز آئی۔ تمام عورتیں نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگیں۔ انہیں جو گنی نظر آئی وہ ان کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا ڈیویوسی ہونا اچھا نہیں ہے۔ سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ میں نے اس پوتر بھومی (مقدس زمین) کو بچانے کی خاطر ہر طرح سے راجہ کو سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانے (مائی سے) تمہیں سمجھایا تم نے بھی نہ سمجھا۔ انجام یہی نظر آ رہا تھا۔ جو ہوا اب بھی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنے آپ کو محمد قاسم کے حوالہ کر دو وہ رحم دل نوجوان ہے تم سب کو رہا کر دے گا۔ سستی ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔

مائی۔ مگر میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے کی ذلت سے جلنے کی تکلیف وہ موت کو اچھا سمجھتی ہوں۔

جو گنی۔ تمہاری مرضی! میں نے وعدہ کیا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آوں گی لہذا اپنے وعدہ پر آگئی اب سندھ میں کبھی نہ آوں گی میں نے کوہ ہمالیہ کی چوٹی اپنے لئے منتخب کر لی ہے اب وہیں رہا کروں گی۔

جو گنی چلی گئی اور پھر کسی نے اسے ہرگز نہ دیکھا۔ شور و غل کی آوازیں دم بدم بڑھتی جاتی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ مسلمان محل کے محافلوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔

مائی نے کہا جلدی کرو دیویو۔ مسلمان محل میں آنے والے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ لوگ میں کود پڑی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی عورتیں آگ میں گریں اور جلنے لگیں۔ آگ کے شعلے اور بھی تیزی کے ساتھ بھڑکنے لگے اور جو عورتیں آگ کے اندر گر چکی تھیں انہیں جلانے لگے۔ مائی اور اس کی سہیلیوں کے سستی ہوتے ہی جس قدر عورتیں کھڑی تھیں سب ایک ایک کر کے آگ میں کود پڑیں اور شعلوں نے اپنے دامن میں لے کر انہیں خشک بکڑی کی طرح جلانا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں بہت سے مسلمان محل کے اندر گھس آئے۔ یہ محمد قاسم کا دستہ تھا۔ محمد قاسم بھی آ رہا تھا۔ رانی لادی اس کے ساتھ تھی تمام مسلمان چپکے گردا کھڑے ہوئے تھے۔ محمد قاسم نے لادی سے دریافت کیا کہ یہ آگ کیسی جلائی گئی ہے؟ لادی نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ رانی مائی اپنی خاڑیاؤں اور سہیلیوں کے ہمراہ سستی ہو گئی ہے!

محمد قاسم نے افسوس ناک لہجہ میں کہا افسوس کس قدر نادانی کی ہے ان عورتوں نے۔

لادی۔ انہوں نے اپنے دھرم کا پالن کیا ہے ہم ہندوؤں میں یہ ایک رسم ہے۔

محمد قاسم۔ لیکن کیا یہ مناسب ہے؟

لادی۔ دھرم میں مناسب اور غیر مناسب کا خیال نہیں کیا جاتا۔

محمد قاسم۔ لیکن یہ دھرم کیا کہ عورتیں تو جلادی جائیں اور مرد نہ جلانے جائیں۔ یہ کیا

تمہارا دھرم ہے؟

اس عرصے میں تمام عورتیں جل کر ناکستر ہو گئیں۔ چونکہ ان کے جلنے کی وجہ سے بعض پھیل

گیا تھا۔ اس لیے بڑ سب وہاں سے ہٹ کر کروں کی طرف بڑھنے لگے۔



حُسنِ اخلاق

مسلمانوں نے قریب قریب تمام ہندوؤں کو گرفتار کر لیا تھا۔ چونکہ حملہ کرنے سے پہلے ہی محمد قاسم نے اعلان کر دیا تھا کہ سیساگروذیر اعظم۔ اس کے خاندان والوں اور ان لوگوں کو جنہیں وہ کئے گرفتار نہ کیا جائے

اس لئے اسے اور اس کے خاندان والوں کو کسی نے بھی گرفتار نہ کیا۔ قلعہ والوں کو اسیر کر لینے کے بعد محمد قاسم اپنا دستہ لے کر رانی بھی محمد قاسم کے ہمراہ ہو گئی اور یہ تمام اس محل میں پہنچے۔ جب رانی ماٹی اور دوسری عورتیں سستی ہو چکیں تو مسلمان وہاں سے ہٹ کر کمروں میں جا گھسے اور ہر ایک چیز کو نکال نکال کر باہر ڈھیر کرنے لگے۔ ان کے کمروں کے نیچے کئی تہ خانے تھے ان تہ خانوں میں داہر کے بزرگوں نے ذر جو اہرات کے انبار جمع کر رکھے تھے۔ رانی لادی نے تمام تہ خانوں کو تباہ اور مسلمانوں نے ساری دولت باہر نکال ڈالی یہ دولت اس قدر تھی کہ اس سے کئی سلطنتیں خریدی جا سکتی تھیں سونے چاندی کی سلاخیں ہیرے جو اہرات تاج و تخت۔ سونے چاندی کے برتن عرض کہ قیمتی اشیاء تھیں جب ان کے انبار لگا دیئے گئے تو ان کی جگہ گاہٹ نے آنکھوں کو چوندھیا اور یہ ان تمام چیزوں کو جمع کرنے کے بعد رانی لادی کے کہنے سے اس جیل خانہ کو توڑ دیا گیا۔ جس میں باہر رہنے ان عورتوں کو قید کر دیا تھا۔ جن سے وہ ناخوش ہوتا تھا۔ کئی ایک عورتیں قید تھیں۔ وہ سب شیران اسلام کو دعائیں دیتی چلی گئیں۔ جیل خانہ کے محافظوں کو قتل کر ڈالا گیا۔ ان کاموں کو انجام دیتے ہوئے دن چھپ گیا۔

رات کو مسلمانوں نے آہام کیا اور دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی محمد قاسم نے سب سے پہلے لاشیں قلعہ میں سے ہٹوائیں۔ شہداء کو جمع کر کے نماز پڑھی اور ہرنگ

میں ان کو دفن کر کے سرنگ کو بند کرادیا گیا اس معرکہ میں اڑھائی سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ہندو اٹھ ہزار مارے گئے تھے جب لاشوں سے قلعہ پاک و صاف ہو گئے۔ تب محمد قاسم دربار عام کے سامنے جا بیٹھا اور اس نے مال غنیمت اور قیدیوں کو وہاں لانے کا حکم دیا۔ کچھ مسلمان مال غنیمت ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانے لگے۔ کچھ قیدیوں کو لینے چلے گئے تھوڑی ہی دیر میں تمام قیدی لائے گئے۔ امیرزایاں (شہزادیاں) تھیں۔ محمد قاسم نے ان عورتوں کو ایک طرف بٹھا دیا اور قیدی مردوں کو صفت درصفت اپنے ہمراہ کھڑا کرایا۔ اب سیساگر وزیر اعظم آگیا۔ محمد قاسم نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ سیساگر نے محمد قاسم کے پاس آکر جھکتے ہوئے کہا۔ نو عمر فاتح ہیں۔ آپ کے سامنے سزا طاعت خم کرتا ہوں۔

محمد قاسم نے کہا۔ میں اور تمام مسلمان آپ کے بے حد ممنون ہیں آپ نے طاہرہ کے ساتھ اظہار ہمدردی کر کے مسلمانوں پر ایک زبردست احسان کیا ہے۔

سیساگر۔ میں مسلمانوں کا بے حد مشکور ہوں انہوں نے عام گرفتاری کے وقت میری اور میرے خاندان کی عزت کو برقرار رکھا ہے اور میرے گھر والوں میں سے کسی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ محمد قاسم۔ جب مسلمان آپ کے مشکور تھے کیسے آپ پر یا آپ کے خاندان پر دست درازی کر سکتے تھے۔

سیساگر۔ مجھ پر اس بات کا گہرا اثر ہوا ہے۔

اب یہ دونوں بیٹھ گئے۔ سیساگر نے دریافت کیا گیا۔ طاہرہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ محمد قاسم۔ جی ہاں وہ آپ کی مشکور ہے۔

سیساگر۔ وہ نہایت نیک لڑکی ہے میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ دلہر کا تختہ مشق بنے۔ محمد قاسم۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نیک دل ہیں اور اسی نیکی کی وجہ سے آپ کو گوارا نہ ہوا۔ سیساگر۔ میں نے راجہ واہر کو سمجھایا تھا کہ وہ صلح کر لیں مگر انہوں نے نہ مانا۔

محمد قاسم۔ افسوس ہے کہ اس نے بلا وجہ چند مسلمانوں کو گرفتار کر کے جنگ مولی۔ سیساگر۔ حالانکہ انہیں ہر جوتشی اور ہر منجم نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ محمد قاسم۔ خدا کو اسی طرح منظور تھا۔

سیساگر۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

محمد قاسم۔ آپ ہمارے محسن ہیں بالکل آزاد ہیں۔ جہاں چاہیے رہیے جہاں جی

چاہے جلیئے آپ کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

سیساگر۔ طاہرہ کہاں ہے۔

محمد قاسم۔ اسلامی کیمپ میں

سیساگر۔ میری ایک لڑکی تھی جو مر گئی ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو اس کی عمر طاہرہ کے برابر ہوتی مجھے طاہرہ سے اپنی بیٹی جیسی محبت ہے کیا وہ میرے پاس رہ سکتی ہے۔

محمد قاسم۔ بڑی خوشی سے

سیساگر۔ مگر وہ تو مسلمان ہے۔

محمد قاسم۔ آپ کے پاس رہنے سے اس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

سیساگر۔ بات یہ ہے کہ مجھ پر آپ کے اخلاق کا اور مسلمانوں کی شرافت کا اثر اس قدر

ہوا ہے کہ میں خود آپ کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

محمد قاسم۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے اس طرح آپ کل مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے۔

سیساگر۔ اور طاہرہ مجھے اپنا باپ سمجھنے لگے گی۔

محمد قاسم۔ بالکل!

سیساگر۔ اچھا تو مجھے مسلمان کر لیجئے۔

محمد قاسم نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں

کو بڑی مسرت ہوئی اور سب نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اب رانی لادی محمد قاسم کے

پاس آ بیٹھتی۔ اس نے کہا میں عرصہ سے مسلمانوں میں رہی ہوں ان کے اخلاق و عادات

اور خدا پرستی کا مجھ پر خاص اثر ہوا ہے لہذا میں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ یہ سن کر محمد قاسم

کو بے حد مسرت ہوئی اس کا خیال تھا کہ شاید رانی لادی اپنا مذہب تبدیل نہ کرے مگر اب

جب کہ اس نے خود مسلمان ہونے خواہش ظاہر کی تو وہ بہت خوش ہوا اور خاص لگا ہوں

سے جن میں محبت کی جھلک تھی۔ لادی کو دیکھنے لگا۔ لادی کی ہوشربا لگا ہیں بھی اس کی طرف

اٹھ گئیں اس نے شکر کر اپنی نظریں جھکا لیں محمد قاسم نے اسے بھی کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔

مسلمانوں کو اس کے مسلمان ہونے سے بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے پھر فرط انبساط سے

بے خود ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اب محمد قاسم نے سسیاگر سے کہا۔ جو مرد اور عورتیں قید کی

حالت میں ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ ان میں سے کوئی اور تو مسلمان ہونا نہیں چاہتیں سسیاگر

نے کہا مردوں سے ہیں پوچھتا ہوں اور عورتوں سے رانی جی دریافت کر لیں۔ چنانچہ مردوں سے
سیساگرنے اور عورتوں سے رانی لادی نے دریافت کیا۔ صرف دس مرد اور پانچ عورتیں
اور مسلمان ہوئیں انہیں فوراً ہی رہا کر دیا گیا۔ اب محمد قاسم نے مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ)
نکال کر بقایا چار حصے تمام مسلمانوں اور نو مسلموں پر جو جے پر رہیں کسکھ کے ہمراہ مسلمان ہوئے
تھے جب رسد تقسیم کر دیا۔ ایک ایک مسلمان کے حصہ میں اتنی دولت آئی کہ غنی بن گئے۔

اس دن تمام قیدی جن میں تیس ہزار مرد۔ پچاس ہزار عورتیں اور ان عورتوں میں تیس ہزار
زایاں اور شہزادیاں تھیں اور ایک راجہ واہر کی بھانجی بھی تھی بمعہ مال غنیمت کے خمس کے
کعب بن محارق کے ساتھ حجاج کی خدمت میں بھیج دیئے گئے۔ محمد قاسم کو دوپہر کے قریب
ان تمام کاموں سے فراغت ہو گئی اب اس نے اسلامی کیمپ کو معہ تمام مسلمان کے قلعہ کے
اندر منتقل کر دیا اور منادی کرادی کہ ہندو اپنا کاروبار شروع کر دیں اب امن ہو گیا ہے کسی فرد
بشر کا جان و مال خطرہ میں نہیں ہے ہندوؤں نے دکانیں کھولیں اور گھروں سے نکل آئے اور
اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ محمد قاسم خود راج محل کے ایک حصہ میں ٹھہرے دوسرے
حصے میں اسلم اور دکان مقیم ہو گئے۔ باقی تمام سردار محل سے باہر قلعہ کے اندر ٹھہرے۔ طاہرہ
رانی لادی کے پاس محل کے شرقی حصے میں مقیم ہو گئی۔ ظہر کی نماز کے بعد سیساگر طاہرہ کے پاس پہنچا
چونکہ طاہرہ کو محمد قاسم نے اپنی بہن بنا لیا تھا اس لئے وہ اس وقت اس کے پاس بیٹھا تھا اور
رانی لادی بھی بیٹھی تھی سیساگر آغوش کشادہ ہو کر طاہرہ کی طرف بڑھا۔ اس نے کہا بیٹی پیاری
بیٹی۔ طاہرہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ سیساگر اسے بیٹی بنا لیا چاہتا ہے وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی
اس نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ابا پیارے ابا۔ وہ بڑھ کر سیساگر کے کندھے
سے جا لگی بڑھے وزیر نے اسے پیار کر کے دعا دی اور طاہرہ کو لے کر وہیں بیٹھ گیا اب
ان میں باتیں ہونے لگیں اس طرح سندھ کی مہم شروع ہوئی اور راجہ واہر کی موت کے بعد اس
کا دارالسلطنت الوری فتح ہو گیا۔

۱۔ محمد قاسم کی فتوحات کا سلسلہ صرف الوری ہی ختم نہ ہو گیا تھا بلکہ چند روز آرام کرنے کے بعد وہ برہمن آباد
کی طرف بڑھا اور پھر الوری بلید کو فتح کرنے کے بعد برہمن آباد پہنچا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ اس قلعہ میں برہمن اس
(تقریباً حاشیہ پر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

کثرت سے آباد تھے کہ محمد قاسم نے برہمنوں کی تنخواہیں مقرر کر کے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا اور برہمن آباد سے ملتان کی طرف بڑھا۔ ۳ محرم ۹۲ھ کو ساونڈی اور سمہ کو فتح کر کے لوہانہ پہنچا اور اسے بھی فتح کر لیا یہاں اس کے پاس حاکم قلعہ بھییں تبدیل کر کے آیا اور کہا کہ میں ایک عجیب تماشہ دکھا دوں گا۔ مگر اس وقت جب کہ تم مجھے اور میرے خاندان والوں کو امان دو۔ محمد قاسم نے اسے امان دی اس نے وارھی اور موچھیں اکھاڑ کر پھینک دیں اور کہا کیا یہ عجیب تماشہ نہیں ہے کہ حاکم قلعہ اس طرح امان مانگنے آئے لوگوں نے محمد قاسم سے کہا کہ یہ فریب ہے مگر محمد قاسم نے جواب دیا جو کچھ بھی ہو میں نے اسے امان دے دی ہے اپنے قول سے میں پھر سکتا آگے بڑھ کر اس نے ملتان کو بھی فتح کر لیا اور ملتان سے آگے بڑھ کر سرحد کشمیر تک فتح کرتا چلا گیا۔ چونکہ ان واقعات کا ہمارے انسانہ سے تعلق نہیں ہے اس لئے ہم نے انہیں شرح میں نہیں لکھا ہے۔

(صادق صدیقی)



شاذ کا مان محبت

رانی لادی کے مسلمان ہونے سے یوں تو ہر مسلمان کو مسرت ہوئی مگر سب سے زیادہ ۱۰
 مسرت طاہرہ کو ہوئی۔ ایک تو لادی تھی ہی نیک اور بھولی دوسرے جب سے واہر طاہرہ
 کو لے گیا تھا اس وقت سے وہ رانی کے پاس ہی رہی تھی۔ رانی اس کے خلیق و مروت سے
 پیش آنے سے اس سے بے حد مانوس ہو گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ نکل
 آئے جس سے رانی لادی ہمیشہ مسلمانوں ہی میں رہنے لگے اگرچہ اسے معلوم تھا کہ رانی لادی
 محمد قاسم سے محبت کرتی ہے مگر اسے یہ یقین نہ آیا تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے گی۔ مگر اب جبکہ
 وہ مسلمان ہو گئی تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور اب اسے امید واثق ہو گئی کہ وہ رانی لادی کے پاس
 رہ سکے گی۔ سیساگر کو طاہرہ سے بالکل اپنی بیٹی کی طرح سے محبت ہو گئی تھی اور وہ چاہتا تھا
 کہ چل کر اس کے محل میں رہے مگر رانی لادی نے اسے کہہ سن کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا
 کہ ابھی طاہرہ کو لادی کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور وہ دونوں ایک ہی جگہ رہیں گیں
 جس قدر لادی کو طاہرہ سے محبت ہو گئی تھی اس سے زیادہ طاہرہ کو لادی سے تھی۔
 طاہرہ نے اسے نماز یاد کرادی تھی اور وہ پابندی اوقات کے ساتھ نماز پڑھتی تھی۔
 دونوں میں بے حد محبت بڑھ گئی تھی گو یاد دونوں دو جسم اور ایک روح بن گئی تھیں ایک
 روز دونوں کمرہ سے باہر ایک مسند پر تکیوں کے سہارا سے بیٹھی تھیں۔ اب رانی لادی بھی
 مسلم عورتوں کے سے کپڑے پہننے لگی تھی اور یہ کپڑے اس کے نہایت ہی پھلے معلوم ہوتے
 تھے اس وقت وہ ریشمین قمیض اور شلوار پہنے اور نہایت باریک دوپٹہ اور طے جو اہر آتے
 اور مہرتیوں کے زیورات پہنے بیٹھی تھیں۔ اس کی صورت چمک رہی تھی۔ طاہرہ اس
 کی طرف دیکھ رہی تھی نہایت توجہ اور بڑے غور سے۔ لادی نے اس کی طرف دیکھ کر

مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا دیکھ رہی ہو طاہرہ؟ طاہرہ نے کہا۔ سندھ کے چاند کو دیکھ رہی ہوں۔
لاڈی نے حیران نہ ہوتے ہوئے کہا کہاں ہے سندھ کا چاند؟

طاہرہ۔ تم ہو رانی۔

لاڈی۔ میں ہوں؟

طاہرہ۔ ہاں تم ہو۔

لاڈی۔ اور تم۔

طاہرہ۔ میں ایک عربی دو تیز ہوں۔

لاڈی۔ نہیں تم اتم عرب کا چاند ہو۔

طاہرہ نے شوخی سے لاڈی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ چاند میں عرب کا؟ نہیں تم ہو۔

فاتح سندھ تو چاند تم ہی کو بتاتے ہیں۔

لاڈی۔ فاتح سندھ کون۔

طاہرہ محمد قاسم۔

لاڈی نے حقیقت تبسم کے ساتھ طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی شوخ ہو گئی ہو طاہرہ

طاہرہ۔ اس میں شوخی کی کیا بات ہے۔

لاڈی۔ کیا تم سے انہوں نے نہ کہا تھا۔

طاہرہ مجھ سے کس نے کہا تھا۔

لاڈی۔ جن کا ابھی تم نام لے رہی تھیں۔

طاہرہ۔ کن کا نام لے رہی تھی میں کچھ یاد نہیں رہا مجھے۔

لاڈی۔ یاد نہیں رہا بڑا اچھا ہوا۔

طاہرہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا اچھا ہوا؟ ہاں بلاشبہ اچھا ہوا کوئی ان کا نام

لے انہیں یاد رکھے یہ تم کو کہاں گوارا ہو سکتا ہے۔

لاڈی۔ کیوں گوارا نہیں ہو سکتا!

طاہرہ۔ یہ اپنے دل سے پوچھو۔

لاڈی۔ دل سے؟

طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا مگر دل تمہارے پاس ہے ہی کہاں۔

لاوی۔ اور کہاں گیا میرا دل۔

طاہرہ۔ دیکھو ان کے پاس ہے وہ جو سامنے سے آرہے ہیں۔

محمد قاسم سامنے سے آ رہا تھا۔ لاوی شرمائی اس نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ اچھا طاہرہ میں تجھے اس تیزی شوخی کی سزا دوں گی۔ طاہرہ نے ہوشربا نگاہوں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا سزا دوں گی تم؟

لاوی۔ ذرا چپ۔ قریب آگئے ہیں وہ

طاہرہ۔ آگئے ہیں تو آنے دو۔ میں کہے دیتی ہوں رانی تم سے ناخوش نہیں ہے۔ تمہارا نام لیا اور تم سے باتیں کرنا بھی وہ چاہتے ہیں۔ لاوی نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ کہیں ایسا غضب نہ کرتا وہ خفا ہو جائیگی۔۔۔۔۔ ہو جانے دو تمہارا کیا کر بیگی۔ طاہرہ نے کہا۔

لاوی نے التجا آمیز نظروں سے شرم طاہرہ کو دیکھے کہا نہیں ایسا نہ کرو طاہرہ۔
طاہرہ۔ اچھا نہ کہوں گی مگر۔

لاوی نے طاہرہ کے چہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا مگر کیا؟

طاہرہ۔ تم ان کا نام لے دو مگر ذرا جلدی سے نہیں تو وہ قریب آنے والے ہیں اور پھر مجھے ان سے کہہ دینا پڑے گا۔

محمد قاسم بہت قریب آگیا۔ لاوی نے جلدی سے کہا۔ محمد قاسم اس نے شرم کر کے چھکا لیا۔ طاہرہ مسکرانے لگی اب محمد قاسم آگیا۔ دونوں حوریں اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ محمد قاسم بیٹھ گیا اور یہ دونوں بھی بیٹھ گئیں۔ محمد قاسم نے کہا اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین کا خط آیا ہے۔ انہوں نے رانی صاحبہ کو ان کے مشرف بہ اسلام ہونے پر مبارکباد دی۔ ہے اور لکھا ہے کہ وہ بالکل آزاد ہیں اگر ہندوستان میں ہی رہنا چاہیں تو وہاں پہنچا دی جائیں اور اگر

طاہرہ نے محمد قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کیا؟ محمد قاسم نے رک رک کر کہا اور

... اگر .. یہ کسی .. سے .. شادی .. کرنا چاہیں

خود مختار ہیں شادی کر لیں۔ محمد قاسم نے ایسے انداز سے یہ الفاظ ادا کئے جن سے معلوم

ہوتا تھا کہ انکی ادائیگی کے وقت اسے قلبی صدمہ پہنچا ہے۔ لاوی محمد قاسم کے چہرہ کی طرف

دیکھ رہی تھی۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ رانی صاحبہ شادی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لادی اور محمد قاسم نے اس شوخ ادا خود کی طرف دیکھا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا کس کے ساتھ؟ طاہرہ۔ آپ ان سے ہی دریافت کر لیجئے۔

محمد قاسم نے لادی کی طرف دیکھا لادی کا سرفرط جیاء سے جھبک کیا آنکھیں فرش پر پڑنے لگیں۔ محمد قاسم نے کہا یہ تو شرمائیں۔ کچھ تم کو معلوم ہو تو کہو؛ طاہرہ نے شوخی سے محمد قاسم کو دیکھتے ہوئے کہا ہاں مجھے معلوم ہے مگر۔

محمد قاسم۔ مگر کیا؟
طاہرہ۔ آپ کچھ انعام دیں تو بتاؤں
محمد قاسم۔ انعام؟ اچھا بہن اپنے بھائی سے کیا انعام چاہتی ہے۔
طاہرہ۔ جو آپ مناسب سمجھیں ا

محمد قاسم۔ میں دوں گا اپنی بہن کو انعام دوں گا۔
طاہرہ۔ تو بتاؤں؟

محمد قاسم۔ ہاں بتادو

طاہرہ۔ آپ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔

لادی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس کا بڑھی ہوئی شرم کی وجہ سے قدر اور جھبک گیا۔ بول سے عارض پسینہ میں تر ہو گئے۔ محمد قاسم نے محبت بھری نظروں سے لادی کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہا دیر تک دیکھتا رہا۔ کچھ وقفہ کے بعد بولا کیا میں ایسا خوش قسمت ہوں؟ طاہرہ نے مسکرا کر کہا اب یہ ان سے پوچھ لیں آپ؟

محمد قاسم۔ یہ تو شرم سے دوہری ہوئی جا رہی ہیں دریافت کس سے کروں۔

طاہرہ نے لادی کی ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو فاتح سندھ تم سے کیا پوچھو

رے میں۔ لادی نے شرمیلہ چہرہ اٹھا کر جیاء پر درنگا ہوں سے محمد قاسم کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے ذریعے سے ہزاروں تیر گزر کر دل میں پیوست ہوتے چلے گئے اور وہ اپنا زخم خوردہ قل سنبھالنے لگا۔ طاہرہ نے کہا اب دریافت کر لیں آپ ان سے۔ محمد قاسم نے کہا کیا یہ طاہرہ سچ کہہ رہی ہیں لادی کے لب کھلے مگر شرم نے کچھ کہنے کی اجازت

نہ دی۔

طاہرہ نے کہا۔ شرم کی گڑباناہ بنو کہہ دو تم ان سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ لادی کچھ کچھ کہہ نہ سکی۔ طاہرہ نے اس کے کان میں کہا۔ دیکھو ہاں کہہ دو ورنہ وہ خفا ہو جائیں گے۔ لادی نے شہیر طاہرہ کو بناوٹی غصہ سے کہا۔ طاہرہ یہ غصہ کرنے کا وقت نہیں ہے کہ دو ہاں کہہ دو۔

یہ کہتے ہی طاہرہ نے اس کے گڑگری شروع کر دی۔ لادی کو ہنسی آگئی اس نے آہستہ سے کہا ہاں! طاہرہ نے محمد قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ سن لیا آپ نے؟ محمد قاسم۔ سن لیا۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ مگر تم نے ان کو پریشان کر دیا طاہرہ۔

طاہرہ نے بڑا ماننے کی شان سے کہا لیجئے الٹی شکایتیں ہونے لگیں احسان تو گیا محمد قاسم۔ کیا میں سیدساگور وزیر اعظم اور اسلامی شکر کے سرداروں سے اس کا ذکر کروں۔ لادی نے شہیر میں کہا۔ جیسے آپ کی منشا محمد قاسم، تمہارا شکر یہ

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چلا گیا۔ جب وہ ذرا دور نکل گیا تب لادی نے طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی ہی شوخ ہے طاہرہ۔ طاہرہ ہنس رہی تھی۔ اس نے کہا۔ شوخ ادا اچھا میں شوخ ہی سہی لیکن میں نے اچھا کیا یا بُرا؟ لادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بہت بُرا کیا۔ طاہرہ نے اٹھتے ہوئے کہا اچھا میں ان سے کہے دیتی ہوں کہ رانی تم سے نفرت کرتی ہیں اور وہ شادی کرنے کے لئے تیار نہیں۔

لادی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بھٹاتے ہوئے کہا۔ شہیر تم نے ایسی باتیں شروع کر دیں جن سے میں شرمناک زمین میں گرنے لگی۔ طاہرہ نے بیچھے ہوئے کہا یہ تمہاری غلطی ہے یہ تمہاری آرزو تھی میں نے وہی تو ظاہر کی تھی۔

لادی۔ اور اپنی آرزو؟

طاہرہ۔ میری تو کوئی آرزو ہی نہیں۔

لادی۔ تو یہ سمجھتی ہے کہ میں تیرا حال نہیں جانتی۔

طاہرہ نے متعجب ہو کر کہا میرا حال؟

لادی۔ ہاں میں محمد قاسم سے کہے دیتی ہوں کہ وہ اسلم کو عراق بھیج دیں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہہ دو میرا اس میں کیا نقصان ہے۔
 لادی۔ اچھا تیرا نقصان نہیں ہے بڑی بے مروت اور سنگ دل ہے تو؟
 طاہرہ۔ کیسے جانا تم نے؟

لادی۔ مجھ سے اسلم نے کہا تھا کہ میں تم کو اس سے شادی کرنے پر آمادہ کروں۔
 طاہرہ چپ ہو گئی۔ لادی نے کہا اب چپ کیوں ہیں
 طاہرہ۔ اور کیا کروں۔

لادی۔ بدلو تم کو منظور ہے۔
 طاہرہ۔ نہیں۔

لادی۔ اچھا دیکھو وہ اسلم آرہے ہیں کہے دیتی ہوں کہ انہیں شادی کرنا منظور
 نہیں ہے۔

طاہرہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا سمنے سے اسلم آرہا تھا۔ طاہرہ نے کہا لیجئے وہ بھی آ
 گئے بھلا اس میں ان کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔

لادی۔ کہو تو آنے دوں انہیں
 طاہرہ نے مسکرا کر کہا ہرگز نہ آنے دو
 لادی۔ بڑی شریر ہے تو طاہرہ

اس عرصہ میں اسلم بھی وہاں آگیا۔ طاہرہ اسے دیکھ کر کچھ سمٹ گئی لادی نے کہا
 اچھا ہو تم آگئے۔ میں نے اس شوخ طاہرہ سے ذکر تھا۔ یہ رضا مند ہیں۔ طاہرہ نے
 لادی کی طرف دیکھا لادی مسکرا رہی تھی اسلم محبت بھری نظروں سے طاہرہ کو دیکھ
 رہا تھا اس نے کہا۔ میں مشکور ہوں لادی نے کہا کس کے مشکور ہو تم۔

اسلم۔ دونوں ہی کا مشکور ہوں۔

لادی نے شوخی سے مسکرا کر کہا بھلا میرے مشکور تو کیا ہوتے ہاں طاہرہ کے
 البتہ مشکور سو گئے۔

اسلم۔ خاص طور پر تو ان کا ہی مشکور ہوں۔

لادی اور اسلم دونوں طاہرہ کو دیکھ رہے تھے۔ طاہرہ کا سر نرم سے جھکا ہوا تھا۔
 لادی نے کہا۔ ثرما کیوں رہی ہو طاہرہ؟ طاہرہ نے قدر سے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔

بھلا یہ مذاق کیا سوچا تھا تم کو رانی؟ اسلم کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔
 رانی نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ مذاق تم جیسی شوخ سے اور کس
 طرح اقرار کرایا جاتا۔ طاہرہ تمہاری اور میری دونوں ایک ساتھ شادی ہوگی۔ طاہرہ
 چپ ہوگئی اور دونوں اٹھ کر کمرہ سے چلی گئیں۔ چند ہی روز کے بعد اسلم کی طاہرہ
 سے اور لادی کی محمد قاسم سے شادی ہوگئی اور یہ دونوں جوڑے نہایت خوشی سے
 زندگی بسر کرنے لگے۔



علاء الدین

اسلام راہ ایم کے

